

شیعہ مذہب

المعروف

تحفہ جعفریہ

محقق اسلام شیخ الحدیث علامہ

محمد علی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ان ابا بکر منی بمنزلۃ السمع وان عمر منی بمنزلۃ البصر وان عثمان منی بمنزلۃ الفواد

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر مجھ سے بمنزلہ کان اور عمر بمنزلہ آنکھ اور عثمان بمنزلہ دل کے ہیں۔
(عیون اخبار الرضا ص ۲۴۴)

تحفہ جعفریہ

جلد دوم

باب اوّل خلفاء ثلاثہ کے نبی و آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خاندانی ونسبی تعلقات جس میں نکاح ام کلثوم پر چار تحقیقی ابحاث ہیں۔

باب دوم خلفاء ثلاثہ کے نبی و آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خوشگوار تعلقات اور خلفاء ثلاثہ پر ان کا اعتماد

باب سوم شان امیر معاویہ بزبان نبی و اہلبیت نبی اور ان کے باہمی خاندانی تعلقات۔

باب چہارم فضائل امہات المومنین اور خصوصاً مناقب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا

تالیف: مناظر اسلام شیخ الحدیث مولانا محمد علی مدظلہ العالی

مکتبہ نوریہ حسینیہ جامعہ رسولیہ شیرازیہ بلال گنج امیر روڈ لاہور

مصنف: ——— حضرت مولانا محمد علی صاحب مدظلہ

ناشر: ——— مکتبہ نوریہ حسینیہ، جامعہ رسولیہ شیرازیہ
بلال گنج۔ لاہور

کاتب: ——— محمد صدیق۔ حضرت کیلیانوالہ شریف
ضلع گوجرانوالہ

قیمت: ———

مطبع: ——— زاہد بشیر پرنٹرز۔ لاہور

پروف ریڈر: (مولانا) حافظ محمد صابر علی صابر (ایم اے) خطیب مرکزی جامع مسجد شالامار ٹاؤن لاہور۔۹

نوٹ:

کتاب ہذا تحفہ جعفریہ میں ہم نے ہر موضوع پر اپنے دعویٰ کا اثبات واستدلال صرف اور صرف کتب شیعہ سے ہی کیا ہے جن چند مقامات پر سنی کتب سے استناد کیا گیا ہے وہاں کتب شیعہ سے اس کی مضبوط تائید بھی پیش کی گئی ہے اور یہی اس کتاب کا طرۂ امتیاز ہے۔

(مصنف)

الاِہداء

میں اپنی یہ ناچیز تالیف زبدۃ العارفین حجۃ الکاملین، میزبان مہمانانِ رحمۃ للعالمین حضرت قبلہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب ساکن مدینہ منورہ، خلف الرشید شیخ العرب والعجم حضرت قبلہ مولانا ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدفون جنت البقیع (مدینہ طیبہ) خلیفہ اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مولانا احمد رضا خانصاحب فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ عالیہ میں ھدیۂ عقیدت پیش کرتا ہوں جن کی دعا سے فقیر نے اس کتاب کی تحریر کا آغاز کیا۔

ع ۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف

محمد علی عفا اللہ عنہ

ضروری اعلان

تحفۂ جعفریہ کی آئندہ جلدوں کے بعض موضوعات یہ ہیں،

جلد سوم (زیر طبع) باغِ فدک، جنازہ سیدۂ فاطمہؓ میں شیخین کی شمولیت، جنازہ رسول کریمؐ اور صحابہ کرامؓ، جیشِ اسامہ میں شمولیتِ شیخین، اُحد سے فرار کی جھوٹی داستان، حدیثِ قرطاس اور کردارِ عمرؓ، جمل و صفین میں امیر معاویہؓ، سیدہ عائشہؓ و طلحہؓ و زبیرؓ کا موقف اور عثمان غنیؓ نے مروان کو مدینہ میں واپس کیوں بلوایا۔

جلد چہارم شیعوں کی گستاخیاں در شانِ خدا و مصطفیٰ اور در شانِ سیدہ فاطمہؓ و علی المرتضیٰؓ و ائمہ اہلبیت، قاتلانِ حسینؓ کا مذہب کیا تھا، ائمہ اہلبیت کی شیعوں سے بیزاری اور تحقیق مسئلہ بناتِ رسولؐ۔

جلد پنجم قرآن اور کتبِ شیعہ سے متعہ، تقیہ، تعزیہ اور ماتم وغیرہ کی حرمت، کلمہ اسلام وضو نماز، اذان اور دیگر فقہی مسائل پر کتبِ شیعہ سے فقہ جعفریہ کا رد بلیغ اور تحقیق مسئلہ تحریفِ قرآن۔

نوٹ: جلد اول میں کچھ مقامات قابلِ تصحیح تھے۔ اس مرتبہ انکی حتی المقدور تصحیح کر دی گئی ہے۔ لہٰذا جن احباب کے پاس طبع اول کی یہ جلد ہو۔ وہ خود تصحیح فرمالیں۔ قارئین کرام اگر اب بھی اس جلد میں کسی جگہ خامی پائیں۔ تو مکتبہ کو مطلع فرما کر ممنون ہوں بشکریہ:

مصنف

تقریظ

محقق ابن محقق، شارح بخاری حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی دامت برکاتہ

امیر مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف گنج بخش روڈ لاہور

جامعہ رسولیہ شیرازیہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد علی صاحب، فاضل درسِ نظامی ہیں۔ درس و تدریس اور تبلیغ و اشاعت دین ان کا مشغلہ ہے۔ مطالعہ بھی وسیع ہے اور مختلف مکاتیبِ فکر کے عقائد و نظریات اور ان کے دلائل پر بھی ان کی نظر ہے۔ ان کی تالیف تحفہ جعفریہ ایک نہایت وقیع علمی مواد پر مشتمل ہے۔ میں نے اس کتاب کا ایک جزو "حضرت علی اور خلفاء ثلاثہ علیہم الرحمۃ والرضوان کے درمیان خوشگوار تعلقات" کے کچھ اوراق پر نظر ڈالی ہے جسے پڑھ کر اس کتاب کی عظمت، احادیث اور دلائل و براہین کی رفعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس موضوع پر یہ کتاب ایک اچھی، مفید، جامع اور مدلل کوشش ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ فاضل مؤلف کی اس دینی خدمت کو قبول فرمائے اور عوام و خواص کے لیے یہ کتاب ہدایت و موعظت کا سبب بنے۔

سید محمود احمد رضوی

امیر مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف

گنج بخش روڈ۔ لاہور۔ ۱۴ راگست ۱۹۸۴ء

تقریظ ۲

شیخ الحدیث والتفسیر جامع المعقول والمنقول استاذی المکرم حضرت مولانا علامہ غلام رسول صاحب فیصل آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء وامام المرسلین وآلہ وصحبہ اجمعین !

امابعد !

میں نے "شیعہ مذہب" (تحفہ جعفریہ) کا اہم مقامات سے بغور مطالعہ کیا۔ فاضل مؤلف نے محنت شاقہ سے شیعہ کتب سے شیعہ مذہب کے عقائد بڑی تفصیل سے کتب کے مقتضی کے مطابق ذکر کیے۔ اپنی طرف سے ان میں کچھ افراط و تفریط نہیں کی اثنا عشریہ کے عقائد بڑی تفصیل سے باطل کیے اور ان کو بیتِ عنکبوت سے زیادہ کمزور ثابت کیا اور واضح کیا کہ ان لوگوں کے عقائد میں شدید تضاد ہے اور انہی کی کتب میں حضرات اہلِ بیت کرام علیہم السلام کی شان میں آداب سے تجاوز کیا گیا ہے۔ اوّل سے آخر تک اس کے مطالعہ سے شمس النہار کی طرح شیعہ مذہب کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ گویا اثنا عشریہ کی کتب ہی اس مسلک کے بطلان کی منادی ہیں مولیٰ کریم مؤلف کو احسن جزاء دے کہ انہوں نے نہایت ہی عرق ریزی سے اہلسنت وجماعت کی اہم ضرورت کو پورا کیا اور عوام پر عظیم احسان فرمایا۔ آمین

غلام رسول رضوی

تقریظ ۳

مفسرِ قرآن، علامۃ الدھر، شیخ الحدیث حضرت علامہ محمد فیض احمد اویسی مدظلہ

(بہاولپور)

شیعہ فرقہ کے رد میں جامع کتاب لکھنے کا پروگرام نقیر اویسی نے اس وقت بنایا جب سنی کانفرنس ٹوبہ ٹیک سنگھ (دارالسلام) کی ایک نجی محفل میں قمر الاسلام والملت حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے فرماتے سنا کہ کاش کوئی مردِ میداں ہوتا جو شیعہ مذہب کے ایک ایک عقیدہ اور مسئلہ کی قلعی کھولتا، اس کے بعد اگرچہ میری چند کتب ورسائل اس موضوع پر منظرِ عام پر آئے مگر...... افسوس! کہ فقیر اپنے پروگرام میں کلی طور پر کامیاب نہ ہوسکا اور نہ حضرت خواجہ کی دلی تمنا بر آئی۔

لیکن شیعہ مذہب کے رد میں فقیر کی دیگر کتب کی اشاعت نہ ہونے پر اب کوئی قلق نہیں رہا جب فاضل جلیل شیخ الحدیث حضرت علامہ الحاج مولانا محمد علی دامت برکاتہم کو "تحفہ جعفریہ" کی تصنیف میں منہمک پایا، اب میں سمجھتا ہوں کہ علامہ موصوف نے خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی آرزو اور میرے پروگرام کی تکمیل کر دی ہے کیونکہ علامہ موصوف نے تحقیقی اور مفصل کتاب لکھی ہے کہ جس میں ایک ایک شیعہ عقیدہ کے رد میں درجنوں شیعہ کتب سے تحقیق فرمائی ہے، اس کتاب کے کچھ ابواب فقیر نے پڑھے ہیں! الحمد للہ حضرت علامہ نے اپنے ہر دعویٰ کا اثبات قرآن اور صرف کتبِ شیعہ سے کیا ہے اور یوں اہلسنت کی ایک بڑی ضرورت کو پورا کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مصنف کو اس کی بہتر جزا عطا فرمائے، آمین!

محمد فیض احمد الاویسی الرضوی غفرلہ (بہاولپور) — ۱۴/ شعبان ۱۴۰۴ھ

تقریظ

مناظر اسلام مولانا عبد التواب صدیقی اچھروی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اہلِ تشیع دنیا میں ایک ایسا گروہ ہے جو لفاظی کے زور پر کمزور عقیدہ کے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوششوں میں دیر سے مصروف عمل ہے۔ ہر دور میں علماء حقہ نے حسب ضرورت تقریراً تحریراً علاقائی زبانوں میں ان کی سرکوبی کی۔ شیعوں نے اپنے دعووں کو ثابت کرنے کے لیے بہت سی خود ساختہ روایات کا سہارا لیا علماء حقہ نے ان کے اس فریب کو طشت ازبام کیا۔ آج کے دور میں جب کہ یہ فرقہ مختلف وسائل کو بروئے کار لاکر عوام اہلسنت میں غلط عقائد پھیلانے کی کوششوں میں مصروف ہے۔ نئے نئے اعتراضات، نئے نئے دلائل سے، کر وفریب کی نئی نئی چالوں سے لوگوں کی توجہ حق سے ہٹا کر باطل کی طرف کی جا رہی ہے۔ لہٰذا اس امر کی ضرورت تھی کہ کوئی ایسا جامع ذخیرہ کتاب کی شکل میں سامنے آتا۔ جو عوام اہلسنت اور خواص دونوں کے لیے مفید ہوتا نیز یہ کہ اس میں جملہ موضوعات جو اہلسنت و جماعت اور شیعہ حضرات کے درمیان زیر بحث ہیں کا محاسبہ ہوتا۔ حضرت مولانا الحاج الحافظ محمد علی صاحب نے اپنی علمی قوت اور محنت اور کافی تحقیق کو بروئے کار لاتے ہوئے علماء متقدمین کے طریق کار کو اپنا کر موجودہ دور کے علماء پر احسانِ عظیم فرماتے ہوئے اس تقاضے کو پورا کیا ہے۔ میں نے آپ کی تالیف کردہ کتاب تحفۂ جعفریہ کا جزوی مطالعہ کیا۔ الحمد للہ عقائد اہلسنت کو دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے۔ اور شیعوں کے عقائد باطلہ کا کذب قرآن، حدیث، اقوالِ ائمہ مجتہدین و اقوال ائمہ اثنا عشر سے دلیل خصم کو ملحوظ رکھتے ہوئے ظاہر فرمایا ہے۔ انشاء اللہ العزیز یہ کتاب عوام و خواص اہلسنت کے لیے مفید ثابت ہوگی۔ اللہ کریم سے دعا ہے کہ مولانا موصوف کی اس عظیم کوشش کو قبول فرمائے اور لوگوں کے لیے اس سے استفادہ آسان فرمائے۔ آمین والحمد للہ رب العالمین الصلوٰۃ والسلام علی رسولہ وعلی آلہ اجمعین

محمد عبد التواب صدیقی غلام آستانہ عالیہ
مناظرِ اعظم، لاہور

باب اوّل

خلفائے ثلاثہ کے نبی پاک کے ساتھ خاندانی اور نسبی تعلقات

فصل اوّل

ابوبکر صدیق اور ان کی اہلِ بیت کے نبی پاک علیہ السلام اور آپ کی اہلِ بیت سے نسبی تعلقات

رشتہ اول نبی کے سسرال

وفاتِ سیّدہ خدیجہ سے رسولِ خدا غمزدہ تھے تو ابوبکر نے اپنی بچی دربارِ رسالت میں پیش کر دی اور مہر کی رقم بھی۔

تاریخِ آئمہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں بسنہ ۱۰ بعثت میں جب حضرت خدیجہ انتقال کر چکیں تو ان کی جدائی پر آنحضرت کو بڑا صدمہ ہوا۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوبکر جناب عائشہ کو آنحضرت کی

خدمت میں لائے اور کہا یا رسول اللہ! یہ بچی آپ کے صدمہ کو کچھ کم کرے گی۔ غرض حضرت نے حضرت عائشہ سے نکاح کر لیا مگر زفاف کی نوبت نہیں آئی۔ جب حضرت ہجرت کر کے مدینہ آئے اور حضرت ابو بکر بھی وہاں پہنچ گئے۔ تو آپ نے آنحضرت سے پوچھا۔ اے رسول خدا اپنی بیوی کو اپنے گھر کیوں نہیں لے جاتے؟ فرمایا ابھی مہر کا روپیہ نہیں ہے حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ ابا جان نے آنحضرت کو بارہ اوقیہ (مہر ادا کرنے کو) دیا۔ تب حضرت نے اسے ہمارے پاس بھیجا۔

(تاریخ ائمہ کتب خانہ نجف اشرف لاہور صفحہ ۱۴۷)

لمحہ فکریہ:

تاریخ اور حدیث اس بات پر شاہد ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پیدائش بعثت مبارکہ کے چوتھے سال ہوئی اور بعثت سے دس سال بعد ان کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔ اس وقت ان کی عمر چھ برس تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پچاس سال کے تھے۔ اس عقد کا مقصد غم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دور کرنا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غم اور پریشانی کو دور کرنے کے لیے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی یہ ترکیب اپنی مثال آپ تھی۔ تمام صحابہ کرام بلکہ خاندانِ نبوت میں بھی اس کی مثال نہیں ملتی۔ میں افسوس سے کہتا ہوں کہ اگر شیعہ لوگوں میں کچھ بھی شرم و حیا ہوتی تو اس واقعہ کے پڑھنے کے بعد وہ کبھی بھی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں زبانِ طعن دراز نہ کرتے۔ اور نہ ہی یہ کہتے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ (معاذ اللہ) دشمن رسول اور دشمن اہل بیت تھے میں تم سے پوچھتا ہوں کہ ایسے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غم کو دور کرنے کے لیے تم ہی کسی کی نشاندہی کر دو جسے تم بہت محبوب سمجھتے ہو۔ پچاس سالہ عمر میں چھ سالہ بچی کی پیشکش اور پھر حق مہر بھی خود ادا کرے۔ کوئی تو دوسری مثال پیش کر دو

رشتہ دوم

امام جعفر صادق کی والدہ کے ابوبکر صدیق نانا اور دادا لگتے ہیں

احقاق الحق :

اَبُوبَکرِ الصِّدِّیقُ جَدِّی هَل یَسُبُّ اَحَدٌ اٰبَاءَہٗ لَا قَدَّمَنِیَ اِن لَا اُقَدِّمَہٗ۔

(احقاق الحق صفحہ ۷)

ترجمہ: (امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے نانا ہیں۔ کیا کوئی شخص اپنے بڑوں کو گالی دینا پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے کسی قسم کی شان و عزت نہ دے اگر میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان و عزت کو نہ مانوں۔

"احقاق الحق" کے اسی صفحہ پر امام موصوف کا یہ ارشاد بھی ہے:

وَلَدَنِی الصِّدِّیقُ مَرَّتَینِ۔

ترجمہ: ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی میں دو طرح سے اولاد ہوں۔

(احقاق الحق صفحہ ۷)

عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۱۹۵
عقب الامام جعفر علیہ السلام مطبوعہ نجف اشرف طبع جدید

اصول کافی :

وُلِدَ اَبُو عَبدِ اللّٰہِ جَعفَرُ بنُ مُحَمَّدٍ سَنَۃَ ثَلَاثٍ وَّ

ثَمَانِيْنَ وَ مَضٰى فِیْ شَوَّالٍ مِنْ سَنَةِ ثَمَانٍ وَّ اَرْبَعِيْنَ وَمِائَةٍ وَلَهٗ خَمْسٌ وَّ سِتُّوْنَ سَنَةً وَ دُفِنَ الْبَقِيْعَ فِیْ قَبْرِ الَّذِیْ دُفِنَ فِيْهِ اَبُوْهُ وَجَدُّهٗ وَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَ اُمُّهٗ اُمُّ فَرْوَةَ بِنْتُ الْقَاسِمِ ابْنِ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِیْ بَكْرٍ وَّ اُمُّهَا اَسْمَاءُ بِنْتُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ اَبِیْ بَكْرٍ۔

۱۔ اصول کافی جلد اوّل ص ۴۷۲ کتاب الحجۃ باب مولد ابی عبد اللہ جعفر بن محمدؑ۔

ترجمہ: امام جعفر رضی اللہ عنہ ۸۳ھ میں پیدا ہوئے اور شوال ۱۴۸ھ میں بعمر ۶۵ سال انتقال فرمایا اور بقیع کے اندر اس حصہ زمین میں دفن ہوئے، جہاں ان کے باپ دادا اور امام حسن رضی اللہ عنہم کی قبریں ہیں۔ ان کی والدہ ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابوبکر تھیں اور فروہ کی والدہ اسماء بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر تھیں۔ (اصول کافی مترجم جلد اوّل صفحہ ۵۸۶)

رشتہ سوم

امام حسین محمد بن ابوبکر کے ہم زلف تھے اور قاسم بن محمد امام زین العابدین کے خالہ زاد بھائی تھے۔

منتہی الآمال:

و شیخ مفید روایت کردہ است کہ حضرت امیر المؤمنین (ع) حریث بن جابر راوالی کرد در یکے از بلادِ مشرق واو دو دختر یزدجرد را برائے حضرت

فرستاد حضرت یکی را کہ شاہ زناں نام داشت بحضرت امام حسین "ع" داد و حضرت امام زین العابدین "ع" از او بہم رسید و دیگرے را بمحمد بن ابی بکر داد و قاسم جد مادری حضرت صادق علیہ السلام از او بہم رسید پس قاسم با امام زین العابدین علیہ السلام خالہ زاد بودند۔

۱۔ منتہی الآمال جلد دوم صفحہ ۴ مطبوعہ ایران تذکرہ امام زین العابدین)

۲۔ مناقب آل ابی طالب (ابن شہر آشوب) ص۴۹ جلد ۴

۳۔ کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد دوم صفحہ ۸۴

۴۔ چہاردہ معصوم جلد اول ص مصنفہ مقدس اردبیلی

ترجمہ: شیخ مفید نے روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے "حریث بن جابر" کو مشرقی بلاد میں سے کسی شہر کا والی مقرر کیا اور اس نے یزدجرد کی دو لڑکیوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت علی نے ایک جس کا نام "شاہ زناں" تھا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کو دے دی۔ اس سے امام زین العابدین" پیدا ہوئے اور دوسری کی شادی "محمد بن ابوبکر" سے کر دی۔ اس سے امام جعفر رضی اللہ عنہ کے نانا "قاسم بن محمد بن ابوبکر" پیدا ہوئے۔ لہٰذا جناب قاسم اور امام زین العابدین آپس میں خالہ زاد بھائی ہوتے

نوٹ:

"حریث بن جابر" کا بلاد مشرق میں سے کسی شہر کا والی بننا کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں اور نہ ہی یزدجرد کی دو بیٹیوں کا بھیجنا اس کے حوالے سے درست۔ بلکہ صحیح روایت کے اعتبار سے یزدجرد کو جناب فاروق اعظم کے دورِ خلافت میں شکست ہوئی اور اس کی بیٹی شاہ زناں (شہربانو) گرفتار ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی۔ آپ نے یہ لڑکی امام حسین رضی اللہ عنہ کو عطا فرما دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دوسری بیٹی بھی شہربانو کے ساتھ ہی آئی تھی

اور اس کی شادی محمد بن ابو بکر سے ہوئی ۔

☆

اصول کافی :

قَالَ اَبُوْعَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَ الْقَاسِمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِيْ بَكْرٍ وَ اَبُوْ خَالِدِنِ الْكَابِلِيْ مِنْ ثِقَاتِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ ۔

(اصول کافی جلد اول صفحہ ۴۸۶ کتاب الحجۃ باب مولد ابی عبد اللہ جعفر بن محمد علیہ السلام طبع تہران طبع جدید)

ترجمہ: ابو عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت علی بن الحسین رضی اللہ عنہ کے نزدیک سعید بن المسیب، قاسم بن محمد بن ابو بکر اور ابو خالد کابلی ثقہ لوگوں میں سے تھے ۔

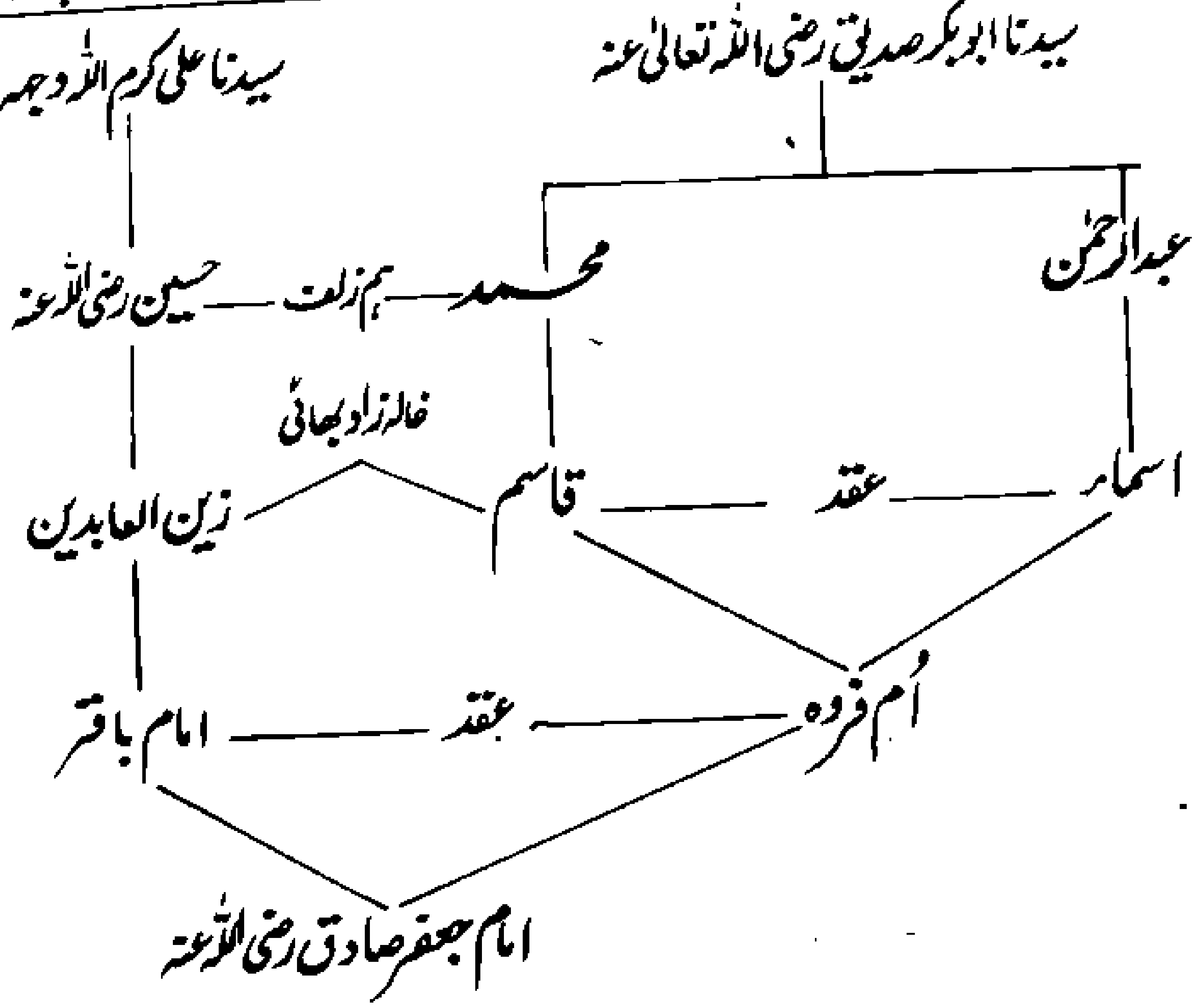
رشتہ سوم کے حوالہ جات سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے :

۱ ۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا جد (نانا) کہتے تھے ۔ اور اس بات کی تردید فرمائی کہ اپنے نانا کو کوئی بُرا بھلا نہیں کہہ سکتا ۔

۲ ۔ امام جعفر رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے بد دعا کی کہ اگر میں شان ابو بکر و عزت ابو بکر کو تسلیم نہ کروں تو اللہ مجھے شان و عزت سے نہ نوازے ۔

۳ ۔ امام جعفر نے فرمایا :

میرا نسبی تعلق دو طرح سے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے ۔
اس کی تفصیل اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ۔



۴ ۔ قاسم بن محمد بن ابوبکر امام زین العابدین کے خالہ زاد بھائی تھے اور معتمد خاص تھے

خلاصہ کلام :

آپ گزشتہ اوراق میں پڑھ چکے کہ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اور آپ کا خاندان ابتدار سے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہلِ بیت کا خادم رہا ہے۔ سسر ہوتے ہوئے حضور کے محرم راز اور معتمد خاص تھے۔ غارِ ثور میں ان کے بیٹے عبدالرحمٰن اور غلام عامر ابن فہیرہ کی خدمت بیان ہو چکی۔ اس کے بعد ان کے دوسرے بیٹے "محمد بن ابوبکر" حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قابلِ اعتماد آدمی تھے۔ اسی لیے یزدگرد کی دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح حضرت علی نے اپنے بیٹے "امام حسین" اور دوسری کا نکاح "محمد بن ابی بکر" سے کیا تھا تو اس اعتبار سے یہ دونوں ہم زلف ہوئے۔ اس کے بعد "قاسم بن محمد بن ابی بکر" امام "زین العابدین" کے خالہ زاد ہونے کے علاوہ آپ کے معتمد خاص تھے

لہٰذا ثابت ہوا کہ خاندان صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ صرف عقیدت اور محبّت کی بنا پر ہی نہیں بلکہ نسبی طور پر بھی اہلِ بیت کے ساتھ ہمدردی کرتا رہا اور قابلِ اعتماد اور مخلص ہونے کا سرٹیفکیٹ بھی وصول کیا۔

رشتہ چہارم و پنجم

عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق نبی پاک علیہ السلام کے ہم زلف تھے اور امام حسین عبدالرحمٰن بن ابوبکر کے داماد تھے۔

طبقات ابن سعد:

عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زلف اس طرح تھے کہ عبدالرحمٰن بن ابوبکر کی زوجہ "قریبۃ الصغریٰ" ام المؤمنین حضرت ام سلمٰی رضی اللہ عنہا کی ماں جائی بہن تھیں۔ تو اس اعتبار سے ام المؤمنین ام سلمٰی رضی اللہ عنہا عبدالرحمٰن بن ابوبکر کی سالی ٹھہریں۔

عبدالرحمٰن بن ابوبکر کی "قریبۃ الصغریٰ" سے ایک لڑکی حفصہ بنت عبدالرحمٰن"، پیدا ہوئیں جن کا عقد "منذر بن زبیر بن عوام" سے ہوا۔ منذر مذکور کے بعد ان کا عقد حسین بن علی بن ابوطالب" سے ہوا۔ طبقات ابن سعد" ملاحظہ ہو:

حَفْصَةُ بِنْتُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ بَکْرِ نِ الصِّدِّیْقِ بْنِ اَبِیْ قُحَافَةَ بْنِ عَامِرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ کَعْبِ بْنِ سَعْدِ ابْنِ تَیْمٍ وَ اُمُّھَا قُرَیْبَةُ الصُّغْرٰی بِنْتُ اَبِیْ اُمَیَّةَ

اَبْنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ مَخْزُوْمٍ كَانَتْ عَائِشَةُ اُمُّ الْمُؤْمِنِيْنَ زَوَّجَتْهَا الْمُنْذِرَ بْنَ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ وَكَانَ اَبُوْهَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ اَبْنَ اَبِيْ بَكْرٍ غَائِبًا فَلَمَّا قَدِمَ لَمْ يُجِزْ ذَالِكَ وَ رَدَّهٗ فَلَمَّا صُيِّرَ الْاَمْرُ اِلَيْهِ زَوَّجَهَا اِيَّاهُ فَوَلَدَتْ لَهٗ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ وَاِبْرَاهِيْمَ وَ قُرَيْبَةَ ثُمَّ خَلَفَ عَنْهَا بَعْدَ الْمُنْذِرِ حُسَيْنُ بْنُ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ وَ قَدْ رَوَتْ حَفْصَةُ عَنْ اَبِيْهَا وَ عَنْ عَمَّتِهَا عَائِشَةَ وَعَنْ خَالَتِهَا اُمِّ سَلْمٰى زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِمَاعًا۔

(طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۴۶۸، ۴۶۹ تذکرہ حفصہ بنت عبدالرحمٰن مطبوعہ بیروت سن طباعت ۱۹۵۸ء)

ترجمہ: حفصہ بنت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق بن ابو قحافہ بن عامر کی والدہ کا نام "قریبۃ الصغریٰ" تھا، جو ابوامیہ بن مغیرہ کی دختر تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان (حفصہ) کا نکاح منذر بن زبیر بن عوام سے کر دیا لیکن حفصہ کے والد (عبدالرحمٰن) گھر نہیں تھے۔ جب آئے تو اس نکاح کی اجازت نہ دی۔ پھر اپنی مرضی سے ان دونوں کا نکاح دوبارہ کر دیا۔ ان (حفصہ) کے بطن سے عبدالرحمٰن، ابراہیم اور قریبہ پیدا ہوئے۔ پھر منذر کے بعد حفصہ سے امام حسین بن علی رضی اللہ عنہ نے شادی کی۔ جنابہ حفصہ اپنے باپ عبدالرحمٰن اپنی پھوپھی عائشہ صدیقہ اور اپنی خالہ ام سلمہ زوجہ رسول علیہ السلام سے بلا واسطہ روایت کرتی ہیں۔

رشتہ ششم

امام حسن کے عقد میں عبدالرحمن بن ابی بکر کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آئیں۔

شرح ابن حدید:

رَوَى الْمَدَائِنِيُّ قَالَ تَزَوَّجَ الْحَسَنُ حَفْصَةَ بِنْتَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ بَكْرٍ۔

(۱) ابن حدید شرح نہج البلاغہ جلد ۱۶ صفحہ مطبوعہ بیروت

(۲) بحار الانوار جلد ۴۴ باذکر اولادہ الخ مطبوعہ تہران طبع جدید

ترجمہ: مدائنی نے روایت کی کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کی شادی حفصہ بنت عبدالرحمن بن ابوبکر سے ہوئی۔

خلاصہ کلام:

حوالہ جات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ خاندانِ صدیقی کی خاندانِ نبوت سے دو طرح کی رشتہ داریاں تھیں۔

۱۔ عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زلف تھے۔

۲۔ عبدالرحمن بن ابوبکر کی بیٹی حفصہ اور ہند امام حسن رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں۔

لہٰذا اس رشتہ داری کی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جنابہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی پھوپھی اور ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا ان کی خالہ ہیں۔ ان رشتہ داریوں کے

ہوتے ہوئے ہر صاحبِ انصاف اس بات کو تسلیم کرے گا کہ خاندان صدیقی اور خاندانِ نبوت میں کوئی نا اتفاقی اور عداوت نہ تھی۔ بلکہ اس سے مزید یہ بات بھی تھی کہ محمد بن ابو بکر، امام حسین رضی اللہ عنہ کے ہم زلف تھے۔

شرح ابن حدید :

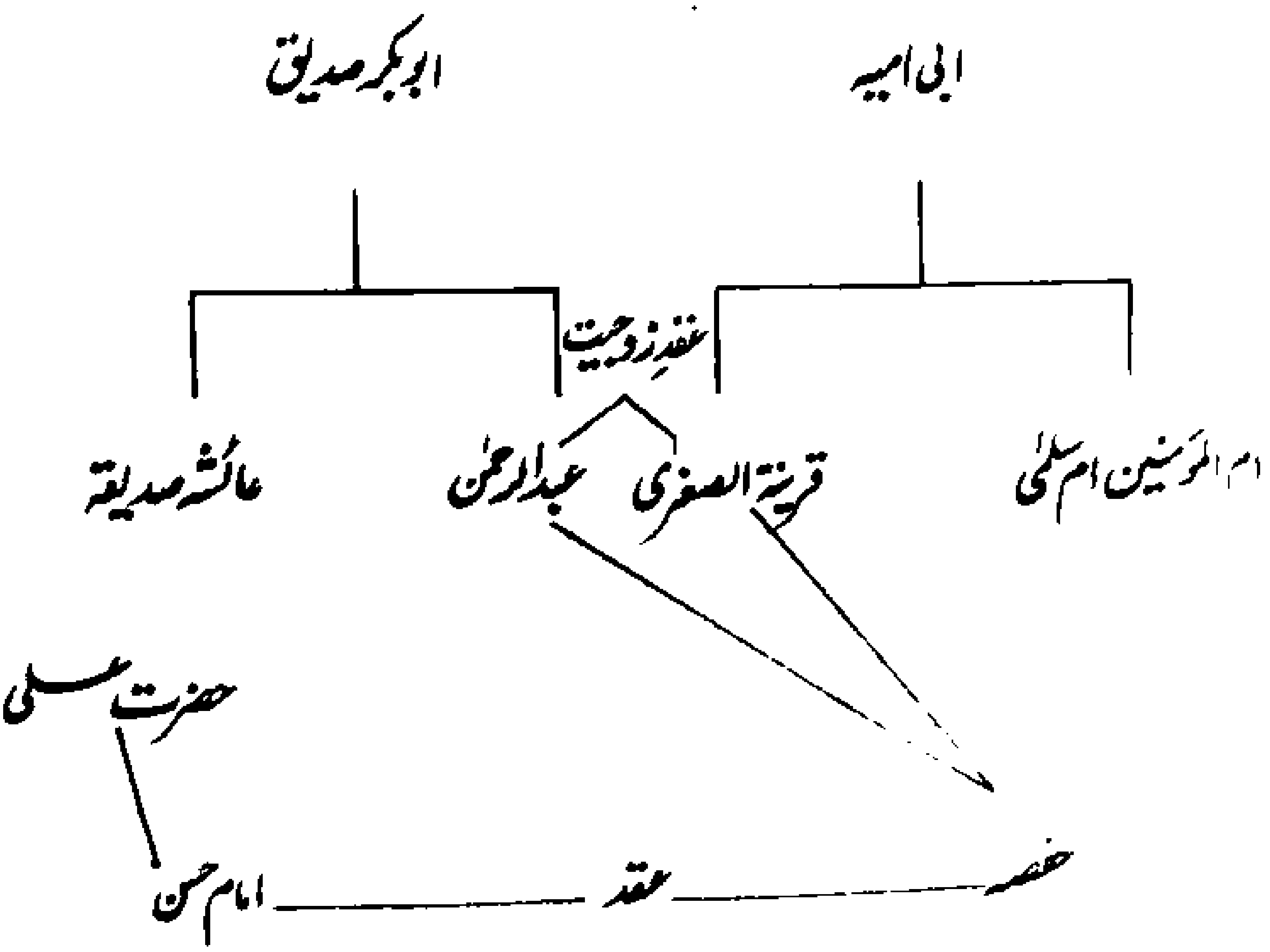
امام حسن رضی اللہ عنہ کے عقد میں عبدالرحمٰن بن ابو بکر کی یکے بعد دیگرے دو بیٹیاں آئیں "ابن حدید" میں "زوجات امام حسن" کے ضمن میں مذکور ہے :

وَتَزَوَّجَ هِنْدَ ابْنَةَ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ بَکْرٍ

امام حسن رضی اللہ عنہ نے ہند بنت عبد الرحمٰن" سے عقدِ زوجیت کیا

(شرح ابن حدید جلد ۴ صفحہ ۸ فی ذکر زوجات حسن)

اس کی تفصیل نقشہ سے ملاحظہ ہو :



رشتہ ہاشم

امام حسن کی بیٹی سے صدیق اکبر کے نواسے کا عقد ہوا

زید بن حسن پسر نخستین حسن علیہ السلام است..............

بعد از شہادتِ امام حسین علیہ السلام گاہیکہ عبد اللہ بن زبیر بن عوام دعویٰ دارِ خلافت گشت با وبیعت کرد، بنزد اد شتافت از بہر آنکہ خواہرش ام الحسن کہ از جانب مادر نیز با او برادر بود بعبد اللہ زبیر شوہر کرد چوں عبد اللہ زبیر را کشتند خواہرش را برداشتہ از مکہ بمدینہ آورد۔

(ناسخ التواریخ زندگانی حسن مجتبیٰ جلد دوم ص۲۷۱ طبع جدید ایران)

ترجمہ:۔

امام حسن رضی اللہ عنہ کا سب سے پہلا بیٹا زید ہے..........

جبکہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ خلافت کے دعوے دار ہوئے۔ تو زید بھاگ کر ان کے پاس گئے

اور ان کی بیعت کر لی کیونکہ زید کی بہن ام الحسن جو ماں کی طرف سے بھی زید ، ان کے بھائی تھے عبداللہ بن زبیر کی بیوی تھیں ، جب عبداللہ بن زبیر کو قتل کر دیا گیا ۔ تو زید اپنی بہن کو لے کر مکہ سے مدینہ آ گئے۔

ناسخ التواریخ کی مذکورہ عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ امام حسن کی صلبی بیٹی ام الحسن کا حضرت عبداللہ بن زبیر سے عقد ہوا اور کس کو نہیں معلوم کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ حضرت اسماء بنتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں اور آج بھی قبرستانِ شہر مکہ میں ماں بیٹا کی اکٹھی قبر ہے ۔

*

فصل دوم

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی رشتہ داریاں نبی پاک علیہ السلام اور آپ کی اہل بیت کے ساتھ :

رشتہ اوّل

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کے سسر تھے

تاریخ ائمہ :

خلیفہ دوم کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ابتدا میں "خنیس" کے نکاح میں تھیں۔ ان کے مرنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکر و عثمان رضی اللہ عنہما سے شادی کی درخواست کی مگر کسی نے منظور نہ کیا۔ بالآخر ۳ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آگئیں۔

(تاریخ ائمہ صفحہ ۱۴۸ مصنفہ سید علی حیدر نقوی مطبوعہ لاہور تذکرہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا)

نبی علیہ السلام نے فرمایا جو شخص میرا سُسر یا داماد بنے وُہ جنتی ہے

تفسیر لوامع التنزیل:

مردیہ شیعہ وسنی است کہ حضور رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرمود مَنْ زَوَّجَنِیْ وَتَزَوَّجَ مِنِّیْ مِنَ الْاُمَّۃِ اَحَدٌ لَا یَدْخُلُ النَّارَ لِاَنِّیْ سَئَلْتُ اللّٰہَ عَنْہُ وَوَعَدَنِیْ بِذَالِکَ۔

(تفسیر لوامع التنزیل جلد دوم صفحہ ۴۷ جزو ثانی در حدیث نبوی ہر کہ بمن دختر دہد مطبوعہ لاہور طبع قدیم)

ترجمہ: جس نے مجھ سے شادی کی اور جس کو مجھ سے شادی ملی وہ دوزخ میں نہ جائے گا کیونکہ میں نے اللہ تعالیٰ سے اس بارے میں سوال کیا تھا اور اس نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔

خلاصہ کلام:

ابوبکر صدیق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہما اپنے اپنے حالات کے پیش نظر جب فاروقِ اعظم کی دل جوئی نہ کر سکے تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اشک شوئی فرما کر ان کی بیٹی حفصہ کو اپنے عقدِ زوجیت میں لے لیا جس سے عمر بن الخطاب کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ بعض روایات میں ہے کہ شادی ہو جانے کے بعد ایک دن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فاروقِ اعظم کو جواب دینے کی وجہ سے جو دکھ ہوا اسے دور کرنے کی خاطر فرمایا اے عمر! تمہیں میرے جواب دے دینے سے پریشان نہ ہونا چاہیے کہ اس نے میری بیٹی کا رشتہ قبول نہ کیا کیونکہ میں پہلے سے جانتا تھا کہ "حفصہ" بہت جلد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آنے والی ہیں اور ام المؤمنین کا منصب انہیں ملنے والا ہے تو اس علم کے ہوتے ہوئے میری کیا مجال تھی کہ میں تمہاری پیشکش قبول کر لیتا۔

رشتہ دوم :-

ابحاث نکاح ام کلثوم

بحث اوّل

دلائل نکاح امِ کلثوم بنت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہا با فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ

سیدہ ام کلثوم بنت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا عقدِ زوجیت سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے کتب اہل سنت سے تو ثابت ہے ہی۔ ہم ان شاء اللہ کتب شیعہ سے ٹھوس دلائل پیش کریں گے اور آخر میں اس امر پر وارد شدہ کیے گئے شبہات کا ازالہ بھی انہی کی کتب سے کیا جائے گا۔

عمدۃ الطالب :

اُمُّ كُلْثُومٍ مِنْ فَاطِمَةَ وَاسْمُهَا رُقَيَّةُ خَرَجَتْ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَاَوْلَدَهَا زَيْدًا۔

(۱) عمدۃ الطالب صفحہ ۶۳ عقد امیر المؤمنین مطبوعہ نجف اشرف

(۲) بالفاظ مختلفہ ناسخ التواریخ تاریخ خلفاء جلد ۳ صفحہ ۵۰ طبع جدید تہران

ترجمہ: ام کلثوم بنت فاطمہ کا عمر رضی اللہ عنہ سے عقد ہوا ان سے ایک لڑکا بنام زید پیدا ہوا اور بروایت ناسخ التواریخ ایک لڑکی رقیہ بھی پیدا ہوئی۔

منتہی الآمال :

حضرت امیر المؤمنین "ع" را از ذکر روایات بقول شیخ مفید بیست و

ہفت تن فرزند بود چہار نفر از ایشاں امام حسن و امام حسین و زینب کبریٰ، ملقب بہ عقیلہ و زینب صغریٰ است کہ مکناۃ است بام کلثوم و مادر ایشاں حضرت فاطمہ زہرا سیدۃ النساء "ع" است۔ و شرح حال امام حسن و امام حسین 'ع' بیاید و زینب در حبالہ نکاح عبداللہ بن جعفر پسر عم خویش بود و از او فرزندان آورد کہ از جملہ محمد و عون بود ند کہ در کربلا شہید گشتند۔ و ابو الفرج گفتہ کہ محمد بن عبداللہ بن جعفر کہ در کربلا شہید شد۔ مادرش حوضا بنت حفصہ بن ثقیف است واز برادر اعیانی عبید اللہ است کہ او نیز در وقعہ طف شہید ند و اما ام کلثوم حکایت تزویج او با عمر در کتب مسطور است و بعد از او بضجیع عون بن جعفر و از پس زوجہ محمد بن جعفر گشت و ابن شہر آشوب از کتاب امامت ابو محمد نوبختی روایت کردہ کہ ام کلثوم را عمر بن الخطاب تزویج کرد۔

(منتہی الامال مصنفہ شیخ عباس قمی جلد اول مطبوعہ تہران صفحہ ۲۱۷ باب دوم فصل ششم در ذکر اولاد حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام)

ترجمہ: "شیخ مفید کی روایات کے مطابق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد ستائیس افراد پر مشتمل تھی ان میں سے چار یہ تھے امام حسن و حسین، زینب کبریٰ جن کا لقب عقیلہ تھا اور زینب صغریٰ جن کی کنیت ام کلثوم تھی ان کی والدہ حضرت فاطمۃ الزہرا تھیں۔ امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کے حالات زندگی آگے بیان ہوں گے اور زینب رضی اللہ عنہا اپنے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن جعفر کے عقد میں تھیں۔ ان سے "محمد، عون" کے علاوہ اور بھی اولاد ہوئی۔ یہ دونوں کربلا کے شہداء میں سے ہیں۔ ابو الفرج نے کہا ہے کہ محمد بن

عبداللہ بن جعفر جو کہ کربلا میں شہید ہوئے۔ ان کی والدہ کا نام حوضہ بنت حفصہ بن ثقیف ہے۔ عبیداللہ ان کے حقیقی بھائی تھے۔ جو "واقعہ طف" میں شہید ہوئے تھے۔ اور "ام کلثوم" کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ شادی بہت سی کتابوں میں آئی ہے۔ ان کے بعد یہ عون بن جعفر اور اس کے بعد محمد بن جعفر کی زوجہ بنیں۔ "ابن شہر آشوب" نے "ابو محمد نوبختی" کی کتاب "امامت" سے روایت کی۔ کہ ام کلثوم کی شادی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی۔

عمر فاروق کی وفات پر علی رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی کو گھر لے آئے

استبصار:

لَمَّا تُوُفِّيَ عُمَرُ اَتٰى اِلٰى اُمِّ كُلْثُوْمٍ فَانْطَلَقَ بِهَا اِلٰى بَيْتِهٖ.

(کتاب الطلاق باب المتوفی عنہا زوجہا الخ مصنفہ علامہ طوسی)

ترجمہ:

جب عمر بن خطاب فوت ہوئے۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ام کلثوم کے پاس آئے۔ اور انہیں اپنے گھر لے گئے۔

نبی نے اپنی بیٹی عثمان کو دی اور "ولی" نے عمر کو

مجالس المومنین:

واگر نبی دختر بعثمان داد ولی دختر خود را بعمر فرستاد۔

(مجالس المومنین مصنفہ نور اللہ شوشتری شیعی جلد اول ص۲۰۴

مطبوعہ تہران، طبقہ دوم تقریر لطیف فی علۃ توقف

امیر المومنینؑ فی محاربۃ القوم

ترجمہ: اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لڑکی حضرت عثمان کو دی۔ تو ولی

(حضرت علی) نے اپنی دختر حضرت عمر سے بیاہی

عمر کے کامل الایمان ہونے کے سبب علی نے

انہیں بیٹی دی

مجالس المومنین

دیگر پرسید کہ چرا آنحضرت دختر خود را بعمر بن خطاب داد گفت

بواسطہ آنکہ اظہار شہادتین می نمود۔ بزبان و اقرار بفضل حضرت

امیر میکرد۔

(۱) مجالس المومنین جلد اول ص ۵۱ مطبوعہ تہران

ذکر مناظرہ علی بن اسماعیل

(۲) مناقب ابن شہر آشوب جلد ۲ فی مسائل و اجوبۃ

طبع جدید (بیروت)

ترجمہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے معتمد شیعہ میں سے "علی بن اسماعیل"

سے پوچھا گیا۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی دختر کی شادی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کیوں کی؟ تو اس نے جواب دیا۔ کہ

دو شہادتوں کے اظہار کی خاطر ایسا کیا۔ (وہ اس طرح کہ) زبان سے

کلمہ شہادت بھی ادا کرتے تھے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فضیلت کا اقرار بھی کرتے تھے۔

(بوجہ رحلت فاروق اعظم دختر علی کرم اللہ وجہہ کے معتدہ ہونے سے امام جعفر کا استخراج مسائل)

فروع کافی:

عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ خَالِدٍ قَالَ سَئَلْتُ اَبَا عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنِ امْرَاَةٍ تُوُفِّيَ عَنْهَا زَوْجُهَا اَيْنَ تَعْتَدُّ فِيْ بَيْتِ زَوْجِهَا اَوْحَيْثُ شَاءَتْ قَالَ بَلْ حَيْثُ شَاءَتْ ثُمَّ قَالَ اِنَّ عَلِيًّا صَلٰوةُ اللهِ عَلَيْهِ لَمَّا مَاتَ عُمَرُ اَتٰى اِلٰى اُمِّ كُلْثُوْمٍ فَاَخَذَ بِيَدِهَا فَانْطَلَقَ بِهَا اِلٰى بَيْتِهٖ۔

(فروع کافی جلد ۲ ص ۳۱۱۔۳۱۲) طبع قدیم مطبوعہ نولکشور فروع کافی جلد ششم ص ۱۱۵ کتاب الطلاق باب المتوفی عنہا زوجھا الخ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: سلمان بن خالد نے حضرت امام جعفر رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے۔ وہ عدت خاوند کے گھر میں ہی گزارے۔ یا جہاں چاہے گزارے؟ فرمایا۔ جہاں اس کی مرضی ہو پھر فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمر بن خطاب کے فوت

ہونے کے بعد (ان کی بیوی اور اپنی بیٹی) ام کلثوم کا ہاتھ پکڑا۔ اور انہیں اپنے گھر لے آئے۔ (وہیں عدت پوری کی۔)

طراز المذہب

علی علیہ السلام ام کلثوم را بادی تزویج نمود و عباس بن عبد المطلب باجازت امیر المومنین علی بن ابی طالب متولی امر تزویج شد۔

(طراز المذہب مظفری مصنفہ مرزا عباسی ص ۳۳)

ترجمہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی بیٹی ام کلثوم کی شادی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کی۔ اور عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اجازت سے امر نکاح کے متولی بنے۔

دختر علی زوجۂ فاروق اعظم امّ کلثوم نے ملکۂ روم کو تحفۂ عطر بھیجا اور جوابی تحفہ قبول کیا

شرح نہج البلاغہ ابن ابی حدید

وَجَّهَ عُمَرُ اِلٰی مَلِكِ الرُّوْمِ بَرِيْدًا فَاشْتَرَتْ اُمُّ كُلْثُوْمٍ اِمْرَاَةُ عُمَرَ طِيْبًا بِدَنَانِيْرَ وَجَعَلَتْهُ فِیْ قَارُوْرَتَيْنِ وَاَهْدَتْهُمَا اِلٰی اِمْرَاَةِ مَلِكِ الرُّوْمِ فَرَجَعَ الْبَرِيْدُ اِلَيْهَا وَمَعَهٗ مِلْأُ الْقَارُوْرَتَيْنِ جَوَاهِرَ فَدَخَلَ عَلَيْهَا عُمَرُ وَقَدْ صَبَّتِ الْجَوَاهِرُ فِیْ حُجْرِهَا فَقَالَ مِنْ اَيْنَ لَكِ؟ فَاَخْبَرَتْهُ فَقَبَضَ عَلَيْهِ وَقَالَ هٰذَا

لِلْمُسْلِمِیْنَ قَالَتْ کَیْفَ وَهُوَ عِوَضُ هَدِیَّتِیْ فَقَالَ بَیْنِیْ وَبَیْنَكِ اَبُوْكِ. فَقَالَ عَلِیٌّ عَلَیْهِ السَّلَامُ لَكِ مِنْهُ بِقِیْمَةِ دِیْنَارِكِ وَالْبَاقِیْ لِلْمُسْلِمِیْنَ جُمْلَةً لِاَنَّ بَرِیْدَ الْمُسْلِمِیْنَ حَمَلَهٗ.

(شرح نہج البلاغہ ابن ابی حدید جلد چہارم ص ۵۷۵-۵۷۶
طبع بیروت ۱۳۷۵ھ)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روم کے بادشاہ کی طرف ایک ایلچی بھیجا ام کلثوم زوجہ عمر بن خطاب نے دو دینار کی خوشبو لے کر دو شیشیوں میں بھر کر روم کے بادشاہ کی بیوی کو بطور تحفہ بھیجی۔ جب ایلچی واپس لوٹا۔ تو اس کے پاس دو شیشی موتیوں کی بھری ہوئی تھیں۔ حضرت عمر نے انہیں دیکھا۔ جب کہ موتی ام کلثوم کی جھولی میں انڈیلے ہوئے تھے۔ پوچھا۔ یہ موتی تمہیں کہاں سے آئے ہیں؟ ام کلثوم نے ساری بات کہہ سنائی۔ تو آپ نے فرمایا۔ یہ سب کے سب مسلمانوں کے ہیں۔ ام کلثوم نے پوچھا۔ کیسے؟ حالانکہ یہ تو میرے بھیجے ہوئے تحفہ کے بدلے آئے ہیں۔ حضرت عمر نے فرمایا۔ اچھا اس کا فیصلہ میرے تیرے درمیان تمہارے والد (علی) کریں گے۔ حضرت علی نے فیصلہ فرمایا۔ کہ ان میں سے اپنے دینار کی قیمت کے برابر بیٹی تم موتی رکھ سکتی ہو۔ اور باقی تمام مسلمانوں کے ہیں۔ کیونکہ مسلمانوں کے ایلچی انہیں اٹھا کر لائے ہیں۔

بنوہاشم کی غیر بنوہاشم سے دیگر رشتہ داریوں میں معمول کے مطابق ایک رشتہ عقد ام کلثوم بھی ہے

مسالک الافہام:

وَزَوَّجَ النَّبِیُّ اِبْنَتَهٗ عُثْمَانَ وَزَوَّجَ اِبْنَتَهٗ زَیْنَبَ بِاَبِی الْعَاصِ بْنِ الرَّبِیْعِ وَلَیْسَا مِنْ بَنِیْ هَاشِمٍ وَ كَذٰلِكَ زَوَّجَ عَلِیٌّ اِبْنَتَهٗ اُمَّ كَلْثُوْمٍ مِّنْ عُمَرَ وَتَزَوَّجَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ فَاطِمَةَ بِنْتَ الْحُسَیْنِ وَتَزَوَّجَ مُصْعَبُ بْنُ الزُّبَیْرِ اُخْتَهَا سَكِیْنَةَ وَكُلُّهُمْ مِنْ غَیْرِ بَنِیْ هَاشِمٍ۔

(مسالک الافہام شرح "شرائع الاسلام"، کتاب النکاح باب لواحق العقد، جلد اول، مطبوعہ ایران، سن طباعت ۱۲۷۳ھ)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک صاحبزادی کی شادی حضرت عثمان بن عفان سے کی۔ اور دوسری دختر جناب زینب کا نکاح ابوالعاص بن الربیع سے کیا۔ اور یہ دونوں شخص بنی ہاشم میں سے نہ تھے۔ اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی بیٹی ام کلثوم کا نکاح عمر بن خطاب سے کیا تھا۔ اور عبداللہ بن عمرو بن عثمان کے ساتھ فاطمہ بنت حسین کی شادی ہوئی۔ اور ان کی ہمشیرہ جناب سکینہ بنت حسین

کی شادی مصعب بن زبیر سے ہوئی۔ یہ سب رشتے بھی غیر بنی ہاشم میں ہوئے

فاروق اعظم سے حضرت عباس نے عقد ام کلثوم کی حامی بھری اور عقد کر دیا۔

کتاب الشافی:

وَ مَا تَزْوِيجُهُ بِنْتَهُ فَلَمْ يَكُنْ ذٰلِكَ عَنِ اخْتِيَارٍ وَالْخِلَافُ فِيهِ مَشْهُورٌ فَاِنَّ الرِّوَايَةَ وَرَدَتْ بِاَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَطَبَهَا اِلَى اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ فَدَافَعَهُ مَلِيَّةً فَاسْتَدْعٰى عُمَرُ الْعَبَّاسَ فَقَالَ مَالِيْ اَبِيْ بَاْسٌ: فَقَالَ مَا حَمَلَكَ عَلٰى هٰذَا الْكَلَامِ فَقَالَ خَطَبْتُ اِلَى ابْنِ اَخِيْكَ فَمَنَعَنِيْ فَقَالَ الْعَبَّاسُ رُدَّ اَمْرَهَا اِلَيَّ فَفَعَلَ فَزَوَّجَهُ الْعَبَّاسُ اِيَّاهَا۔

(کتاب الشافی ص ۱۱۶ مع تلخیص الشافی قدیم مطبوعہ ایران ۱۳۰۱ھ سن طباعت)

ترجمہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اپنی لخت جگر ام کلثوم کی شادی کرنا اپنے اختیار سے نہ تھا۔ اور اس میں اختلاف مشہور ہے۔ روایت ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے رشتہ مانگا۔ تو انہوں نے ٹال دیا۔ پھر حضرت عمر نے حضرت عباس سے کہا۔ کہ میں نے آپ کے بھتیجے سے رشتہ طلب کیا۔ اس نے مجھے منع کر دیا۔ آخر کار حضرت عباس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا۔ آپ اس لڑکی کے نکاح کا اختیار مجھے دے دیں۔ تو انہوں نے اختیار دے دیا۔ پھر حضرت عباس نے شادی کر دی۔

لمحہ فکریہ :

۹ حوالہ جات سے ہم نے ثابت کیا ہے۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی لخت جگر ام کلثوم کی شادی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بلا اکراہ و جبر کی تھی۔ بلکہ بعض روایات میں بعض منکرین کا ردیوں کیا گیا۔ کہ ان دونوں کے درمیان رشتۂ زوجیت کوئی انوکھی بات نہیں۔ بلکہ یہ اسی طرح کا رشتہ ہے۔ جس طرح نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو صاحبزادیوں کا نکاح حضرت عثمان سے کیا تھا۔ اس کے علاوہ جب امام جعفر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا۔ کہ بعد از وفاتِ خاوند، عورت عدت کہاں گزارے۔ تو انہوں نے ام کلثوم کا حوالہ دے کر سمجھایا۔ کہ یہ ضروری نہیں۔ کہ خاوند کے گھر ہی عدت گزارے۔ بلکہ اپنے والدین کے گھر بھی گزار سکتی ہے۔ جس طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنی بیٹی کو ان کے خاوند کے فوت ہونے کے بعد اپنے گھر لے آئے۔ تو ان تمام باتوں سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوا۔ کہ ام کلثوم کی شادی حضرت فاروق اعظم سے ہوئی تھی۔ اگر یہ فرضی واقعہ ہو تو امام جعفر رضی اللہ عنہ کا عدت کے مسئلہ میں اس واقعہ سے استدلال بے معنی اور باطل ہو جائے گا۔

ضروری نوٹ :

جیسا کہ ان تمام روایات و واقعات سے ثابت ہوا۔ کہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی فاروق اعظم سے ہوئی۔ اور یہ عقد کرانے والے حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہیں۔ اسی طرح اس عقد سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ حضرت علی کو حضرت عمر سے بہت محبت تھی۔ باوجود اس کے کہ حضرت علی عمر میں فاروق اعظم سے تقریباً ستر ہ سال چھوٹے تھے۔ پھر بھی یہ رشتہ کر دیا۔ جنہیں اس قدر پیار تھا۔ کہ عمر کے ظاہر فرق

کے ہوتے ہوئے بھی رشتہ دے دیا۔ تو پھر ان دونوں میں ناراضگی کیونکر متصور ہو سکتی ہے۔

لہذا غصب خلافت اور غصب فدک کے سب واقعات اس واقعہ کے پیش نظر "ھباءً منثورا" ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ شیعہ لوگوں کو اس رشتہ کے ہونے میں نہایت سخت انکار ہے۔ کیونکہ اقرار کی صورت میں ان کے مسلک کا دیوالیہ ہو جاتا ہے۔

لہذا وہ اس کے لیے تین حیلے تراشتے ہیں۔ جو ہم آخر میں ذکر کریں گے۔

اس سے قبل ہم واضح کرنا چاہتے ہیں کہ عمر فاروق سے سیدہ ام کلثوم کا عقد مسرت اور اخوت کے ماحول میں منعقد ہوا تھا۔ وہاں کوئی جبر و اکراہ کی بات نہ تھی۔ اور ساتھ ساتھ یہ بھی شیعہ کتب سے واضح ہو گا کہ جناب عمر نے اس رشتہ کی طلب کس عظیم مقصد کے پیش نظر کی تھی۔

نکاحِ ام کلثوم بنت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بلا جبر واکراہ ہوا

ابن ابی حدید:

فَجَآءَ عُمَرُ اِلٰی مَجْلِسِ الْمُهَاجِرِیْنَ فِی الرَّوْضَةِ وَكَانَ يَجْلِسُ فِيْهَا الْمُهَاجِرُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ فَقَالَ رَفِّئُوْنِیْ رَفِّئُوْنِیْ فَقَالُوْا بِمَاذَا يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ تَزَوَّجْتُ اُمَّ كُلْثُوْمٍ بِنْتَ عَلِيِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاٰلِهٖ يَقُوْلُ كُلُّ سَبَبٍ وَّنَسَبٍ وَصِهْرٍ يَنْقَطِعُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِلَّا سَبَبِیْ وَنَسَبِیْ وَصِهْرِیْ۔

(۱) (شرح نہج البلاغۃ ابن ابی حدید جلد سوم ص ۱۲۴ تزویج عمر بام کلثوم بنت علی مطبوعہ بیروت بڑا سائز)

(۲) ناسخ التواریخ تاریخ خلفا جلد ۲ ص ۱۲۹۶ (مرزا تقی)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ ام کلثوم کا رشتہ ملنے کے بعد ایک باغ میں گئے۔ جس میں اولین مہاجرین بیٹھے تھے۔ انہیں فرمایا۔ مجھے مبارک دو۔ انہوں نے کہا۔ کس چیز کی؟ فرمایا۔ میں نے ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہ سے شادی کرلی ہے۔ اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کل قیامت کو ہر سبب، نسب اور سسرال منقطع ہو جائے گا۔ صرف میرا سبب، نسب اور سسرال باقی رہے گا۔

ثابت ہوا:

اس حوالہ سے ثابت ہوا۔ کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی شادی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی دختر نیک اختر سے ہی ہوئی تھی۔ ورنہ "ام کلثوم بنت علی" نہ کہتے۔ اور یہ بھی ثابت ہوا۔ کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ شادی کوئی خواہشات نفسانی کے تحت نہیں کی۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبی تعلق قائم کرنے کی خاطر ایسا کیا۔ جس کی وجہ خود اس حدیث سے واضح فرمائی جس میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے نسب کی فضیلت بیان فرمائی۔

ام کلثوم سے عمر فاروق کے دو بچے ہوئے اور یہ ام کلثوم بنت سیدہ فاطمہ رض ہیں

منتخب التواریخ:

وایں مخدرہ در وقعۂ طف حاضر نبود در ہمیں کتاب حجۃ السعادت

میفرمائد۔ نقلۂ حدیث از طرق معتبرہ نقل نمودہ اند۔ کہ جناب ام کلثوم دختر امیر المومنین "ع" و فاطمہ زہرا "ع"، والدۂ زید بن عمر و رقیہ بنت عمر در حیٰوۃ حضرت مجتبیٰ "ع" در مدینہ طیبہ از دنیا رحلت فرمود، رحلت او و فرزندش زید در یک روز اتفاق افتاد۔ و تقدم و تاخر موت احدہما معلوم نشد الی ان قال ام کلثوم بنت علی کہ نام شریفش در وقعۂ طف در ہمہ جا مذکور می شود خطب و اشعار باو منسوب می گردد۔ ام کلثوم دیگریست از سائر از زوجات امیر المومنین علیہ السلام چوں علی القول الصحیح امیر المومنین "ع" را از بنات دو زینب بود۔ و دو ام کلثوم زینب کبریٰ زوجہ عبد اللہ بن جعفر بود و ام کلثوم کبریٰ زوجہ عمر بن الخطاب بود۔ و ہر دو از صدیقہ طاہرہ بودند۔ و زینب صغریٰ و ام کلثوم صغریٰ از سائر امہات بوجود آمدند۔ و شیخ حر در وسائل شیعہ از عمار بن یاسر روایت کردہ۔ اُخْرِجَتْ جَنَازَةُ أُمِّ كُلْثُومٍ بِنْتِ عَلِيٍّ وَابْنِهَا زَيْدِ بْنِ عُمَرَ وَفِي الْجَنَازَةِ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ وَأَبُو هُرَيْرَةَ۔ فَوَضَعُوا جَنَازَةَ الْغُلَامِ مِمَّا يَلِي الْإِمَامَ وَالْمَرْأَةِ وَرَاءَهُ وَقَالُوا هٰذَا هُوَ السُّنَّةُ۔

پس معلوم شد کہ جناب ام کلثوم بنت فاطمہ در وقعہ طف اصلا در دنیا نبود و مستفاد از روایت مذکورہ آنکہ جناب ام کلثوم کبریٰ در مدینہ طیبہ از دنیا مفارقت کرد۔ و ظاہر قبر شریف شاں در مدینہ طیبہ باشد۔

(منتخب التواریخ مصنفہ ہاشم خراسانی شیعی ص ۹۵ مطبوعہ تہران در حالات مخدرہ باب دوم فصل ششم)

ترجمہ: (محمد ہاشم خراسانی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے متعلق لکھتا ہے۔) کہ یہ پردہ نشین واقعہ کربلا میں شریک نہ ہوئیں۔ اور "حجۃ السعادۃ"

کتاب میں سند معتبر کے ساتھ منقول ہے۔ کہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا جو کہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی تھیں۔ ان سے دو بچے زید بن عمر اور رقیہ بنت عمر پیدا ہوئے۔ اور ام کلثوم کا امام حسن رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں مدینہ میں انتقال ہوا۔ اور اتفاق کی بات ہے۔ کہ اسی روز ان کے بیٹے زید بن عمر کا بھی انتقال ہوا۔ اگرچہ دونوں کے وقت کا تقدم اور تاخر معلوم نہیں ہو سکا۔ آگے چل کر اس کتاب میں مزید لکھا ہے کہ "ام کلثوم بنت علی،، جن کا نام گرامی واقعہ کربلا میں تمام جگہ لکھا گیا ہے۔ اور خطاب اور اشعار ان کی طرف منسوب ہیں۔ یہ ام کلثوم۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی کسی اور زوجہ سے ہیں۔ کیونکہ صحیح قول یہ ہے۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد میں دو بچیاں زینب نامی اور دو ہی ام کلثوم نامی تھیں۔ زینب کبریٰ عبداللہ بن جعفر کی زوجہ تھیں۔ اور ام کلثوم کبریٰ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں۔ یہ دونوں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے بطن اقدس سے تھیں۔ اور زینب صغریٰ و ام کلثوم صغریٰ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دوسری بیویوں کے بطن سے تھیں۔ اور "شیخ حر،، وسائل شیعہ میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے۔ کہ ام کلثوم اور ان کے فرزند زید بن عمر کا جنازہ اٹھایا گیا۔ اور نماز جنازہ میں امام حسن، حسین، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم شریک تھے۔ امام کے بالکل قریب لڑکے کی میت رکھی۔ اور اس کے پیچھے ام کلثوم کی میت رکھی گئی۔ اور کہا۔ کہ یہی سنت طریقہ ہے۔

لہذا معلوم ہوا۔ کہ ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا واقعہ کربلا میں

ہرگز شریک نہ تھیں۔ کیونکہ وہ اس وقت دنیا سے رخصت (انتقال) ہو چکی تھیں۔ روایت مذکورہ سے بھی یہی حاصل ہوتا ہے۔ کہ:
ام کلثوم کبریٰ مدینہ منورہ میں فوت ہوئیں۔ اور دفن بھی وہیں ہوئیں۔

مذکورہ حوالہ سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے

۱۔ ام کلثوم جن کی والدہ حضرت فاطمۃ الزہراء ہیں۔ زید بن عمر اور رقیہ بنت عمر کی یہی والدہ ماجدہ تھیں۔

۲۔ زینب کبریٰ اور ام کلثوم کبریٰ دونوں صاحبزادیاں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن اقدس سے تھیں۔ اور زینب صغریٰ و ام کلثوم صغریٰ ان کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کسی اور بیوی کے بطن سے تھیں۔

۳۔ ام کلثوم کبریٰ واقعہ کربلا میں موجود نہ تھیں۔ کیونکہ اس واقعہ سے قبل ہی، مدینہ منورہ میں ان کا انتقال ہو چکا تھا۔

۴۔ ام کلثوم کبریٰ اور ان کے بیٹے زید بن عمر کا انتقال ایک ہی دن ہوا۔ دونوں کا جنازہ بھی اکٹھا اٹھایا گیا۔

۵۔ ام کلثوم کبریٰ جو کہ فاروق اعظم کی زوجہ تھیں۔ ان کی نماز جنازہ میں ان کے دونوں حقیقی بھائی امام حسن اور امام حسین بھی شریک تھے۔ اور ان کے علاوہ عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم بھی شریک تھے۔

❁ ❁ ❁

مقام غور:

"محمد ہاشم خراسانی" نے ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے نکاح کو فاروق اعظم کے ساتھ بالکل واضح کر دیا۔ جس کے پڑھنے کے بعد کسی صاحب انصاف کو کوئی شبہ باقی نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ اس مصنف نے ثابت کر دیا ہے۔ کہ جس ام کلثوم کی شادی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ وہ سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے بطن اقدس سے تھیں۔ تو اب اس زوجۂ عمر کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ ابو بکر صدیق کی دختر تھیں۔ یا بجران کی جنّیہ (جن کی مونث) اس شکل میں متشکل ہو کر حضرت عمر کی زوجیت میں آئی تھی۔ یہ سب بہانے اور حیلے باطل ہو جاتے ہیں۔ پھر اس سے بڑھ یہ کہ امام حسن و حسین اور حضرت عمر کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کا ان کے جنازہ میں شریک ہونا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ اگر مرنے والی "قوم جن" سے تعلق رکھتی۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ ان اصحاب کی جنازہ میں شرکت بتلاتی ہے۔ کہ جبر و اکراہ کے تمام واقعات من گھڑت ہیں۔ ایسے آڑے وقت وہی لوگ اہتمام کرتے ہیں۔ جو باہمی محبت اور اخوت رکھتے ہوں۔ اور ان کی دوستی حقیقت پر مبنی ہو۔

فاعتبروا یا اولی الابصار۔

علی رضی اللہ عنہ نے عمر سے اپنی بیٹی کا عقد بڑی خوشی سے خود کیا مہر وصول کیا اور بیٹی کو اپنے شوہر کی اتباع کی وصیت کی

ناسخ التواریخ:

عمر گفت یا ابا الحسن من آرزومندم کہ بدیں کرامت مخصوص شوم۔ چندانکہ ہیچکس را ایں آرزو نیست، پس علی علیہ السلام فرمود من او را با تو تزویج کنم و بسوئے تو فرستم، تا اگر در خور ایں مقام باشد ترا باشد وام کلثوم را عقد بستہ بسرائے عمر فرستاد کابین او را چہار ہزار درہم بروایت صاحب الغی مقرر داشت عمر بن خطاب با چشم ملاطفت بام کلثوم نگریست و دست بردہ ساق او را از جامہ مکشوف داشت، ام کلثوم در خشم شد و فرمود اگر نہ ایں بود کہ امیر المومنین باشی بینی ترا در ہم میشکستم، و بروایتے فرمود چشم تو را بر میآوردم و از نزد او بیروں شدہ بحضرت پدر آمد۔ فَقَالَتْ بَعَثْتَنِي اِلٰی شَیْخِ السُّوْءِ یعنی مرا بنزد پیر زشت کیش فرستادی علی علیہ السلام فرمود اے فرزند او شوہر تست الجملہ روز دیگر وجوہ مہاجر و انصار نزد عمر حاضر شدند گفت مرا ترحیب و ترحیب بگوئید و مبارک باد فرستید، گفتند از چہ روئے؟ گفت ام کلثوم دختر علی را تزویج کردم، سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

يَقُوْلُ كُلُّ نَسَبٍ وَّسَبَبٍ تَنْقَطِعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا نَسَبِيْ وَسَبَبِيْ وَصِهْرِيْ فَكَانَ لِيْ بِهِ النَّسَبُ وَالسَّبَبُ وَاَرَدْتُّ اَنْ اَجْمَعَ اِلَيْهِ الصِّهْرَ۔

(ناسخ التواریخ تاریخ خلفا جلد دوم ص ۲۹۶ طبع جدید
تہران مصنفہ مرزا محمد تقی شیعی)

ترجمہ: عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اے ابوالحسن علی رضی اللہ عنہ! میری آرزو ہے کہ اس کرامت (نکاحِ ام کلثوم) سے مخصوص ہو جاؤں۔ اس قدر یہ آرزو کسی کو نہیں۔ چنانچہ علی علیہ السلام نے فرمایا میں اسے (ام کلثوم کو) آپ کے ساتھ بیاہتا ہوں۔ اور آپ کے پاس بھیج دیتا ہوں۔ تاکہ اگر وہ اس مقام (نکاح و مجامعت) کے لائق بنے تو وہ آپ کے ہی لیے ہو۔ اور پھر نکاح کر کے ام کلثوم کو عمر رضی اللہ عنہ کی طرف بھیج دیا اور صاحب الفی کی روایت کے مطابق ام کلثوم کا چار ہزار درم مہر مقرر کیا۔ (ام کلثوم کے عمر رضی اللہ عنہ کے گھر بھیج دیئے جانے کے بعد کا واقعہ ہے کہ) عمر رضی اللہ عنہ نے بنگاہِ شوق ام کلثوم کو دیکھا اور اپنے ہاتھ سے اُس کی پنڈلی برہنہ کی، ام کلثوم کو غصہ آیا اور کہا اگر آپ امیرالمومنین نہ ہوتے تو تمہارا ناک توڑ دیتی۔ ایک روایت میں ہے۔ آنکھیں نکال دیتی، یہ کہہ کر گھر سے باہر نکل آئی اور اپنے باپ (علی رض) کے پاس آ پہنچی اور کہا کہ اے باپ تو نے مجھے ایک شیخ زشت کیش کے پاس بھیج دیا ہے؟ علی علیہ السلام نے فرمایا اے فرزند وہ تمہارے شوہر ہیں، بالجملہ۔ دوسرے روز انصار و مہاجرین کے سرداران عمر رض کے پاس حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا مجھے آفرین کہو مجھے مبارک باد دو۔

کہنے لگے کس بات کی؟ فرمایا ام کلثوم دختر علی سے میں نے نکاح کیا ہے۔ اور میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا۔ ہر نسب و سبب روز قیامت کٹ جائے گا۔ (کچھ فائدہ نہ رہے گا) سوا میرے نسب و سبب اور دامادی کے، تو میرا نسب و سبب تو نبی علیہ السلام کے ساتھ پہلے سے تھا۔ (بوجہ آپ کے سسر ہونے اور قریشی ہونے کے) اب میں نے چاہا کے اس کے ساتھ آپ کے داماد ہونے کا شرف بھی ملا لوں۔

لمحہ فکریہ :

قارئین کرام! غور فرمائیں جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی آرزو کو پورا کرتے ہوئے۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا ولی (باپ) ہونے کی وجہ سے ان کا نکاح عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ اور اپنی لخت جگر کو ان کے پاس بھیج دیا۔ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایک جائز عمل پر ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شکایت پر آپ نے فرمایا کہ انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ انہیں زیبا ہے کیونکہ وہ تمہارے شوہر ہیں۔ تو یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ حضرت علی نے یہ عقد برضا و تسلیم کیا۔

اس قدر واضح اور صاف عبارت کے بعد بھی اگر کوئی شیعہ اپنا منہ کالا کرتے ہوئے یہ بات کہے کہ معاذ اللہ ہم سے ایک فرج غصب ہو گیا تو اس سے بڑھ کر اولاد علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کا بڑا دشمن اور گستاخ کون ہو سکتا ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

حوالہ نمبر ۱۳:

عمدۃ الطالب:

وَقَدْ عَدَّدَ بَنَاتِ الْإِمَامِ (ع) اَبُوالْحَسَنِ الْعَمْرِیُّ فِی (الْمَجْدِیِّ) كَمَا يَلِیْ (۱) اُمُّ كُلْثُوْمٍ مِّنْ فَاطِمَةَ (ع) وَ اِسْمُهَا رُقَيَّةُ خَرَجَتْ اِلٰی عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ فَاَوْلَدَهَا زَيْدًا الخ

(عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب مصنفہ جمال الدین ابن عنبہ ص ۶۳ عقب امیر المومنین علیہ السلام)

ترجمہ:۔ ابوالحسن عمری نے اپنی کتاب المجدی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادیوں کو یوں شمار کیا ہے۔ ام کلثوم بنتِ فاطمہ رضی اللہ عنہا ان کا اسم گرامی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا تھا (اور ام کلثوم کنیت تھی۔) وہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں ان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت زید رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ الخ

حوالہ نمبر ۱۴:

قرب الاسناد:

اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدٌ حَدَّثَنِیْ مُوْسٰی قَالَ حَدَّثَنَا اَبِیْ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ جَعْفَرَبْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ عَلِيًّا(ع) نَقَلَ اِبْنَتَهٗ

أُمَّ كُلْثُوْمٍ فِيْ عِدَّتِهَا حَيْثُ مَاتَ زَوْجُهَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِاَنَّهَا كَانَتْ فِيْ دَارِ الْاِمَارَةِ ۔

(قرب الاسناد مصنفہ ابی عباس عبداللہ بن جعفر قمی شیعی جزدوم ص ۱۰۹ کتاب النفقات باب النفقہ علی الحامل المتوفی عنہا زوجہا مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:۔ (بحذف اسناد) جعفر بن محمد اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی صاحبزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو اپنے گھر لے گئے جب کہ ان کے خاوند حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وصال کر گئے۔ کیونکہ وہ اس وقت دار الامارۃ میں اپنی عدت گزار رہی تھیں۔

حوالہ نمبر ۱۵:۔

اعلام الوریٰ:۔

وَ اَمَّا اُمُّ كُلْثُوْمٍ فَهِيَ الَّتِيْ تَزَوَّجَهَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَ قَالَ اَصْحَابُنَا اَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنَّمَا زَوَّجَهَا مِنْهُ بَعْدَ مُدَافَعَةٍ كَثِيْرَةٍ وَ امْتِنَاعٍ شَدِيْدٍ وَ اِعْتِدَالٍ عَلَيْهِ بِشَيْءٍ بَعْدَ شَيْءٍ حَتّٰى اَلْجَاَتْهُ الضَّرُوْرَةُ اِلٰى اَنْ رَدَّ اَمْرَهَا اِلَى الْعَبَّاسِ بْنِ

عبد المطلب تزوجها ایاہ۔

(اعلام الوری با علام الھدیٰ مولفہ ابی علی فضل بن حسن طبرسی ص ۲۰۴ اولاد امیر المومنین علیہ السلام وعددا ھم واسماؤھم مطبوعہ بیروت طبع جدید۔)

ترجمہ:۔ البتہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا تو وہ ہیں جن سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عقد فرمایا۔ اور ہمارے اصحاب (شیعہ علماء) نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بڑی مدافعت، شدید رکاوٹ اور متعدد دلائل (عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے نکاح نہ کرنے پر) کے بعد کیا حتیٰ کہ ضرورت نے آپ کو مجبور کر دیا۔ تو آپ نے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا معاملہ حضرت عباس بن عبد المطلب کے سپرد کر دیا۔ پس انہوں نے سیدہ کا نکاح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔

حوالہ نمبر ۱۶:۔

تہذیب المتین:۔

کسی نے علی بن ہیثم سے پوچھا کہ علی علیہ السلام نے ..... کس لیے اپنی بیٹی کو عمر سے تزویج کیا۔ جواب میں کہا کہ عمر ظاہراً مسلمان، کلمہ گو اور رسول اللہ کی فضیلت کے قائل تھے۔

(تہذیب المتین فی تاریخ امیر المومنین جلد ۱ حصہ دوم ص ۲۸۷ مطبوعہ مطبع یوسفی دہلی طبع قدیم)

اصول کافی :۔

قَالَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَیْہِ السَّلَامُ فَصَعِقْتُ فَہِمْتُ الْکَلِمَۃَ مِنَ الْاَمِیْنِ جِبْرَئِیْلَ عَلَیْہِ السَّلَامُ حَتّٰی سَقَطْتُ عَلٰی وَجْہِیْ فَقُلْتُ نَعَمْ وَرَضِیْتُ ۔

(اصول کافی جلد اول ص ۲۸۲ کتاب الحجۃ مطبوعہ تہران طبع جدید۔

صافی شرح اصول کافی :۔

گفت امیر المومنین پس بغایت مضطرب شدم وقتیکہ فکر کردم وفہمیدم آن سخن را از امین الٰہی جبرئیل علیہ السلام کہ مراد شکستن تن عہد نیست بلکہ مراد غصب دختر من است کہ بزور خواہند گرفت اشارت است بغصب عمر ام کلثوم فاطمہ علیہا السلام را تا آنکہ افتادم بر روئے خود گفتم آری۔ قبول کردم وراضی شدم۔

(صافی شرح اصول کافی مصنفہ ملا خلیل قزوینی جلد سوم ص ۲۸۲ باب شصت ودیکم مطبوعہ نولکشور طبع قدیم۔)

ترجمہ: (جبرئیل امین نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کی آپ کی آل کا پردہ چاک کیا جائے گا۔) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ جب میں نے اس پر غور کیا۔ تو مجھے بڑی پریشانی لاحق ہوئی ۔ اور میں نے اس قول کو سمجھا جو کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے

فرمایا تھا کہ اس سے مراد عہد کا توڑنا نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مراد میری دختر کا غصب کرنا ہے کہ وہ اسے زبردستی غصب کریں گے۔ یہ اشارہ ہے حضرت عمر کے ام کلثوم بنت فاطمہ کو غصب کرنے کی طرف (حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر) میں منہ کے بل گر پڑا اور میں نے کہا ہاں میں نے قبول کیا اور میں راضی ہو گیا۔

لمحہ فکریہ:۔

اصول کافی کی مذکورہ حدیث کی ملا خلیل قزوینی مجتہد شیعہ نے جو شرح لکھی ہے اس میں اس نے بقولِ حضرت علی رضی اللہ عنہ ثابت کیا ہے کہ ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ عقد کی پیش گوئی جبرئیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی بیان فرما دی تھی۔ جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے ہی قبول کر چکے تھے۔

لہٰذا اس نکاح کا انکار کرنا تو اللہ تعالیٰ کے حکم کا انکار کرنا ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس رشتہ کی رضا کا اظہار کیا ہے۔ اس عہد کو توڑنا ہے۔ اللہ تعالےٰ ان شیعوں کو ہدایت دے۔ کہ یہ ایسی زور آزمائی نہ کریں جس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خدا سے عہد ٹوٹنا لازم آئے۔

نوٹ:۔

مذکورہ حدیث میں جو یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرمایا کہ تمہاری آل کی عزت کی ہتک کی جائے گی اور اس سے مراد ام کلثوم کا عقد ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا یہ مطلب سمجھا کہ میری لڑکی مجھ سے زبردستی

غصب کی جائے گی۔ یہ اصل حقیقت کو چھپانے کے لیے شیعوں کی اپنی وضعی اور من گھڑت عبارت ہے۔ جس کو عقل و نقل قبول نہیں کرتے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو شیر خدا ہیں کسی کم درجہ کے آدمی کی لڑکی کا غصب کر لینا بھی کوئی آسان مسئلہ نہیں ہوتا چہ جائیکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہو جن کا دعوی ہے کہ اگر پورا عرب بھی میرے مقابلہ میں آجائے تو میں ان کی گردنیں اتارنے میں دیر نہیں کروں گا۔ (نہج البلاغہ) تو اس شیر خدا کے متعلق ایسی لغو اور بزدلانہ عبارت منسوب کرنا ان کی بہت بڑی توہین ہے۔

حوالہ نمبر ۱۸:۔

تاریخ یعقوبی :۔

وَ فِي هٰذِهِ السَّنَةِ خَطَبَ عُمَرُ إِلَى عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أُمَّ كُلْثُومٍ بِنْتَ عَلِيٍّ، وَ أُمُّهَا فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُولِ اللهِ. فَقَالَ عَلِيٌّ: إِنَّهَا صَغِيرَةٌ! فَقَالَ: إِنِّي لَمْ أُرِدْ حَيْثُ ذَهَبْتَ. لٰكِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ يَقُولُ كُلُّ نَسَبٍ وَّ سَبَبٍ يَنْقَطِعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا سَبَبِيْ وَ نَسَبِيْ وَصِهْرِيْ فَأَرَدْتُ أَنْ يَكُوْنَ لِيْ سَبَبٌ وَّصِهْرٌ بِرَسُوْلِ اللهِ فَتَزَوَّجَهَا وَ أَمْهَرَهَا عَشَرَةَ آلَافِ دِيْنَارٍ۔

(تاریخ یعقوبی جلد ثانی ص۱۴۹ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ:۔ اسی سال عمر فاروق نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ام کلثوم بنت علی جن کی ماں فاطمہ بنت رسول صلے اللہ علیہ وسلم ہیں کا رشتہ طلب کیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا وہ چھوٹی ہیں حضرت عمر فاروق

نے فرمایا کہ میں اس چیز کا ارادہ نہیں رکھتا جس کا آپ نے خیال فرمایا۔ میں تو صرف اس لیے یہ رشتہ طلب کر رہا ہوں۔ کہ میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ فرما رہے تھے۔ تمام نسبتیں اور سبب قیامت میں منقطع ہو جائیں گے مگر میرا سبب اور نسب اور صہریت منقطع نہ ہوگی۔ پس میں نے ارادہ کیا کہ میرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صہریت۔ (یعنی دامادی) کا تعلق پیدا ہو جائے۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (عمر فاروق کی بات کو قبول کرتے ہوئے) اپنی بیٹی ام کلثوم کا ان سے عقد کر دیا۔ اور دس ہزار دینار اُن کا حق مہر باندھا۔

حوالہ نمبر ۱۹:-

تہذیب الاحکام:-

عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدِ الْقُمِّيِّ عَنِ الْقَدَّاحِ عَنْ جَعْفَرَ عَنْ اَبِيْهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ مَاتَتْ اُمُّ كُلْثُوْمٍ بِنْتُ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ اِبْنُهَا زَيْدُ بْنُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِيْ سَاعَةٍ وَّاحِدَةٍ لَا يُدْرٰى اَيُّهُمَا هَلَكَ قَبْلُ فَلَمْ يُوَرَّثْ اَحَدُهُمَا مِنَ الْاٰخَرِ وَ صُلِّيَ عَلَيْهِمَا جَمِيْعًا۔

(تہذیب الاحکام جلد نمبر ۹ ص ۳۶۲ -

(کتاب الفرائض والمواریث)

ترجمہ:- جعفر بن محمد نے قداح سے اس نے امام جعفر سے اور انہوں نے امام باقر سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی کی بیٹی ام کلثوم اور ام کلثوم کا بیٹا زید بن عمر بن الخطاب ایک گھڑی ایک ساتھ فوت ہوئے۔ یہ معلوم نہ ہوا کہ دونوں میں پہلے کون فوت ہوا اس لیے کوئی ایک بھی دونوں میں سے دوسرے کا وارث نہ بن سکا اور دونوں پر اکٹھے جنازہ پڑھا گیا۔

حوالہ نمبر ۲۰:-

مناقب آل ابی طالب:-

قَالَ الشَّيْخُ الْمُفِيْدُ فِي الْاِرْشَادِ وَ اَوْلَادُهُ

خَمْسَةٌ وَعِشْرُوْنَ وَرُبَمَا يَزِيْدُوْنَ عَلٰى ذٰلِكَ اِلٰى خَمْسَةٍ وَثَلَاثِيْنَ ذَكَرَهُ النَّسَّابَةُ الْعُمَرِيُّ فِي الشَّافِيْ وَصَاحِبُ الْاَنْوَارِ اَلْبَنُوْنُ خَمْسَةَ عَشَرَ وَالْبَنَاتُ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ .... وَاُمُّ كُلْثُوْمِ الْكُبْرٰى تَزَوَّجَهَا عُمَرُ۔

(مناقب آل ابی طالب المعروف مناقب شہر آشوب جلد ۳ ص ۳۰۴)

ترجمہ:۔ شیخ مفید نے ارشاد میں کہا کہ حضرت علی کی اولاد پچیس تک ہے بلکہ اس سے زائد بھی ہو سکتی ہے یعنی ۳۵ تک، اسے نسابہ عمری نے شافی میں نقل کیا۔ اور صاحب الانوار نے لکھا کہ آپ کے بیٹے پندرہ اور بیٹیاں اٹھارہ ہیں جن میں بڑی ام کلثوم ہے جن کا نکاح حضرت عمر سے ہوا۔

بحث دوم

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ سیدہ امّ کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے متعلق اہل سنت کے دلائل پر عبدالکریم صاحب مشتاق شیعہ کی جاہلانہ جرح و تنقید اور اس کے جوابات

سیدہ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما جو سیدہ خاتون جنّت رضی اللہ عنہا کے بطن سے ہیں ان کے ساتھ سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نکاح پر علمائے اہل سنّت نے کتب شیعہ سے جو دلائل پیش کئے ہیں ان پر ایک شیعہ ذاکر عبدالکریم صاحب مشتاق نے جرح و تنقید کی ہے۔ مشتاق صاحب کہنا یہ چاہتے ہیں ان (شیعہ) کی کتب سے جو روایات بطور حجت پیش کی گئی ہیں ان کے راوی مجروح، مقدوح اور فاسد العقیدہ ہیں۔ لہٰذا ایسی کوئی روایت ان کو قابل قبول نہیں ہے۔ اہل سنت نے ام کلثوم بنت فاطمۃ الزہراء کے عمر فاروق کے ساتھ عقد کو جو مشہور کر رکھا ہے۔ اس کی حقیقت ایک افسانہ سے زیادہ نہیں ہے۔

پچھلے صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ شیعہ مسلک کی معتبر اور صحاح کتب حدیث استبصار، تہذیب الاحکام اور فروع کافی میں امام جعفر صادق سے روایات موجود ہیں کہ جب عمر فاروق شہید ہو گئے تو علی مرتضےٰ گئے اور اپنی بیٹی ام کلثوم کو اپنے گھر لے آئے

خَمْسَةٌ وَعِشْرُوْنَ وَرُبَمَا يَزِيْدُوْنَ عَلٰى ذٰلِكَ اِلٰى خَمْسَةٍ وَثَلَاثِيْنَ ذَكَرَهُ النَّسَّابَةُ الْعَمْرِيُّ فِي الشَّافِيْ وَصَاحِبُ الْاَنْوَارِ الْبُنُوْنُ خَمْسَةَ عَشَرَ وَالْبَنَاتُ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ .... وَاُمُّ كُلْثُوْمِ الْكُبْرٰى تَزَوَّجَهَا عُمَرُ۔

(مناقب آل ابی طالب المعروف مناقب شہر آشوب جلد ۳ ص ۳۰۴)

ترجمہ:۔ شیخ مفید نے ارشاد میں کہا کہ حضرت علی کی اولاد پچیس تک ہے بلکہ اس سے زائد بھی ہو سکتی ہے یعنی ۳۵ تک، اسے نسابہ عمری نے شافی میں نقل کیا۔ اور صاحب الانوار نے لکھا کہ آپ کے بیٹے پندرہ اور بیٹیاں اٹھارہ ہیں جن میں بڑی ام کلثوم ہے جن کا نکاح حضرت عمر سے ہوا۔

بحث دوم

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ سیدہ اُم کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے نکاح کے متعلق اہل سنت کے دلائل پر عبدالکریم صاحب مشتاق شیعہ کی جاہلانہ جرح و تنقید اور اس کے جوابات

سیدہ اُم کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما جو سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے بطن سے ہیں ان کے ساتھ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نکاح پر علمائے اہل سنت نے کتب شیعہ سے جو دلائل پیش کئے ہیں ان پر ایک شیعہ ذاکر عبدالکریم صاحب مشتاق نے جرح و تنقید کی ہے۔ مشتاق صاحب کہنا یہ چاہتے ہیں ان (شیعہ) کی کتب سے جو روایات بطور حجت پیش کی گئی ہیں ان کے راوی مجروح، مقدوح اور فاسد العقیدہ ہیں۔ فلہٰذا ایسی کوئی روایت ان کو قابل قبول نہیں ہے۔ اہل سنت نے اُم کلثوم بنت فاطمہ الزہراء کے عمر فاروق کے ساتھ عقد کو جو مشہور کر رکھا ہے۔ اس کی حقیقت ایک افسانہ سے زیادہ نہیں ہے۔

پچھلے صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ شیعہ مسلک کی معتبر اور صحاح کتب حدیث استبصار، تہذیب الاحکام اور فروع کافی میں امام جعفر صادق سے روایات موجود ہیں کہ جب عمر فاروق شہید ہو گئے تو علی مرتضے گئے اور اپنی بیٹی ام کلثوم کو اپنے گھر لے آئے

اس سے امام جعفر نے یہ مسئلہ ثابت کیا کہ بیوہ جہاں چاہے عدت گزار سکتی ہے ضروری نہیں کہ شوہر کے گھر میں ہی عدت گزارے ۔ ان روایات سے اظہر من الشمس ہو جاتا ہے کہ علی مرتضیٰ کی بیٹی ام کلثوم کا عقد حضرت عمر فاروق سے تھا اور یہ بات اتنی مضبوط ہے کہ امام جعفر اس سے متعدد دینی مسائل ثابت کرتے ہیں ۔ ہم ذیل میں ایسی روایات دوبارہ پیش کرتے ہیں اور پھر ان کے راویوں پر عبدالکریم مشتاق شیعہ نے جو غلط جرح کی ہے اسے پیش کریں گے ۔

روایت اوّل :۔

فروع کافی :۔

حُمَيْدُ بْنُ زِيَادٍ عَنْ اِبْنِ سَمَاعَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَنَانٍ وَّمُعَاوِيَةَ بْنِ عَمَّارٍ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ سَئَلْتُهُ عَنِ الْمَرْاَةِ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا اَتَعْتَدُّ فِيْ بَيْتِهَا اَوْ حَيْثُ شَاءَتْ قَالَ بَلْ حَيْثُ شَاءَتْ اِنَّ عَلِيًّا عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا تُوُفِّيَ عُمَرُ اَتٰى اُمَّ كُلْثُوْمٍ وَانْطَلَقَ بِهَا اِلٰى بَيْتِهٖ ۔

(فروع کافی جلد پنجم ص ۱۱۵ کتاب الطلاق)

ترجمہ :۔ حمید بن زیاد نے ابن سماعہ سے اس نے محمد بن زیاد سے اس نے عبداللہ بن سنان اور معاویہ بن عمار سے اور انہوں نے امام جعفر سے روایت کیا کہتے ہیں میں نے آپ سے اس عورت کے بارہ میں

پوچھا جس کا شوہر فوت ہو جائے کیا وہ اپنے گھر (شوہر کے گھر) عدت گزارے یا جہاں چاہے فرمایا ہاں جہاں چاہے جب عمر کی وفات ہو گئی تو علی علیہ السلام ام کلثوم کو اپنے گھر لے آئے۔

روایت دوم:۔

فروع کافی:۔

مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى وَغَيْرُهٗ عَنْ اَحْمَدِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عِيْسٰى عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ سَعِيْدٍ عَنِ النَّضْرِ بْنِ سُوَيْدٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ سَالِمٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ خَالِدٍ قَالَ سَاَلْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنِ امْرَاَةٍ تُوُفِّيَ عَنْهَا زَوْجُهَا اَيْنَ تَعْتَدُّ اَفِيْ بَيْتِ زَوْجِهَا اَوْ حَيْثُ شَاءَتْ قَالَ بَلٰى حَيْثُ شَاءَتْ ثُمَّ قَالَ اِنَّ عَلِيًّا عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا مَاتَ عُمَرُ اَتٰى اُمَّ كُلْثُوْمٍ وَاَخَذَ بِيَدِهَا فَانْطَلَقَ بِهَا اِلٰى بَيْتِهٖ۔

(فروع کافی جلد پنجم ص ۱۱۵ کتاب الطلاق)

ترجمہ:۔ محمد بن یحییٰ وغیرہ احمد بن محمد سے وہ حسین بن سعید سے وہ نضر بن سوید سے وہ ہشام بن سالم سے اور وہ سلیمان بن خالد سے روایت کرتا ہے کہ میں نے امام جعفر سے اس عورت کے متعلق پوچھا جس کا شوہر فوت ہو چکا ہو وہ عدت کہاں گزارے شوہر کے گھر

میں یا جہاں چاہے، فرمایا ہاں جہاں چاہے، جب عمر فوت ہوئے۔ تو علی علیہ السلام ام کلثوم کے پاس گئے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے گھر لے آئے۔

یاد رہے یہی دونوں روایتیں بعینہ تہذیب الاحکام اور استبصار میں انہی راویوں کے ساتھ موجود ہیں۔

اب ہم مشتاق صاحب کی جاہلانہ تنقید کو ان کے رسالہ افسانہ عقد ام کلثوم سے ترتیب وار مع جواب پیش کرتے ہیں تاکہ ان کی جہالت کھل کر آپ کے سامنے آجائے

افسانہ عقد ام کلثوم

شیعہ روایات کا جواب

عدّت گزارنے کا مسئلہ

فروع کافی، استبصار تہذیب کی جو روایت عدت گزارنے کے مسئلہ میں مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے نشان کروائی ہے۔ اس کے راوی مجروح، مقدوح اور فاسد العقیدہ ہیں۔

فروع کافی کے راوی حمید بن زیاد اور ابن سماعہ ہیں ان دونوں کا تعلق مذہب واقفی سے ہے۔ جن کو کفر و زندقہ تک مماثلت ہے۔ جیسا کہ رجال مامقانی جلد اول ص ۳۷۸ پر امام رضا علیہ السلام کی احادیث سے ثابت ہے۔ اسی روایت کا ایک راوی حسن بن محمد بن سماعہ ہے جو علماء رجال کے نزدیک بالاتفاق واقفی المذہب

تھا۔ (رجال کشی ص ۲۹۳) (ماخوذ از رسالہ افسانہ عقد ام کلثوم مصنفہ عبدالکریم مشتاق ص ۵۸-۵۹ مطبوعہ کراچی)

جواب:-

عبدالکریم صاحب مشتاق شیعہ نے فروع کافی کی پہلی روایت کے دو راویوں حمید بن زیاد اور حسن بن محمد بن سماعہ کو واقفی المذہب ٹھہرا کر روایت کو ناقابل اعتماد قرار دیا ہے یہ ان کی جہالت کی منہ بولتی تصویر ہے۔ ہم سب سے پہلے کتب شیعہ سے واقفی مذہب کی تعریف پیش کرتے ہیں تاکہ مشتاق صاحب کا پیدا کردہ ابہام رفع ہو سکے۔

فرق الشیعہ:-

اَلْوَاقِفَةُ لَمْ تَرُدَّ فِيْهِمْ عَلٰى مُوْسَى بْنِ جَعْفَرٍ اَنَّهُ الْاِمَامُ الْقَائِمُ۔

(فرق الشیعہ لابی محمد الحسن بن موسیٰ النوبختی شیعی ص ۸۱ مطبوعہ نجف اشرف طبع جدید)

ترجمہ:- واقفی شیعوں کا وہ فرقہ ہے جو امام موسیٰ کاظم کو امام قائم سمجھتے ہیں۔
کتاب مذکور کے اسی صفحہ کے حاشیہ پر لکھا ہے

اِنَّهُ لَا يَمُوْتُ لِاَنَّهُ الْقَائِمُ فَاعْتَمَدَتْ عَلَيْهَا طَائِفَةٌ مِّنَ الشِّيْعَةِ۔

یعنی وہ (امام موسیٰ کاظم) فوت نہیں ہوں گے کیونکہ وہ امام قائم ہیں شیعوں کے ایک گروہ نے اس پر اعتماد کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ "واقفہ" بھی شیعہ ہی کا ایک گروہ ہے۔ اس گروہ پر مشتاق صاحب

نے مشرک ہونے کا بحوالہ رجال مامقانی جو فتویٰ لگایا ہے وہ بھی از سرتاپا غلط و بے بنیاد ہے۔ لیجئے عقد ام کلثوم کی روایت کے ایک راوی حمید بن زیاد کا حال عبداللہ مامقانی کی زبانی ہی ہم آپ کو سنوائے دیتے ہیں۔

تنقیح المقال :-

حُمَيْدُ بْنُ زِيَادٍ النَّيْنَوِيُّ عَالِمٌ جَلِيلٌ وَاسِعُ الْعِلْمِ كَثِيرُ التَّصَانِيفِ قَدْ ذَكَرْنَا طَرَفًا مِنْ كُتُبِهِ فِي الْفِهْرِسْتِ وَقَالَ فِي الْفِهْرِسْتِ حُمَيْدُ بْنُ زِيَادٍ مِنْ أَهْلِ النَّيْنَوٰى قَرْيَةٌ إِلَى جَنْبِ الْحَائِرِ عَلٰى صَاحِبِهِ السَّلَامُ ثِقَةٌ كَثِيرُ التَّصَانِيفِ۔

(تنقیح المقال لعبداللہ مامقانی جلد اول ص ۳۷۸ باب حمید مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: حمید بن زیاد نینوی۔ عالم جلیل، صاحب علم وسیع اور کتب کثیرہ کا مصنف تھا۔ اس کی بعض کتب کا ہم نے فہرست میں ذکر کیا ہے۔ اور فہرست میں کہا کہ حمید بن زیاد نینوای کا باشندہ تھا۔ جو کہ شہر حائر کے قریب ایک قریہ کا نام ہے۔ وہ ثقہ راوی تھا اور بہت سی کتابوں کا مصنف بھی۔

نوٹ :-

حمید بن زیاد کے بارے میں شیخ طوسی اور نجاشی میں اختلاف ہے جو اسی

جگہ عبداللہ مامقانی نے بڑے بسط کے ساتھ نقل کیا ہے اختلاف یہ ہے کہ نجاشی توحمید کو واقفی المذہب مانتا ہے مگر شیخ طوسی اس کا منکر ہے۔ دونوں کے دلائل نقل کرنے کے بعد عبداللہ مامقانی اپنی تحقیق یوں پیش کرتے ہیں۔ اصل عبارت ملاحظہ ہو۔

تنقیح المقال:۔

وَ اَقُوْلُ لَوْ لَا اَنَّ النَّجَاشِیَّ فِیْ غَایَۃِ الضَّبْطِ لَاَمْکَنَ مَنْعُ وَقْفِ الرَّجُلِ بِعَدَمِ ذِکْرِ الشَّیْخِ لِذٰلِکَ وَلٰکِنَّ النَّجَاشِیَّ لَا مَعْدَلَ عَنْ قَوْلِہٖ لِغَایَۃِ ضَبْطِہٖ فَالْحَقُّ اَنَّ الرَّجُلَ مُوَثَّقٌ وَقَدْ عَدَّہٗ فِی الْحَاوِیْ اَیْضًا فِیْ بَابِ الْمُوَثَّقِیْنَ وَعَدَّہٗ فِی الْوَجِیْزَۃِ وَالْبُلْغَۃِ اَیْضًا مُوَثَّقًا وَفِی الْمُشْتَرَکَاتِ اِنَّہٗ ثِقَۃٌ وَاقِفِیٌّ

(تنقیح المقال جلد اول ص۳۷۹ باب حمید مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:۔ اور میں (عبداللہ مامقانی) کہتا ہوں کہ اگر نجاشی نہایت قوی الحافظ نہ ہوتا تو آدمی (حمید بن زیاد) کا واقفی نہ ہونا شیخ کے ذکر نہ کرنے کے مطابق ممکن تھا۔ لیکن قوی الحافظ ہونے کی وجہ سے نجاشی کے قول سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ حق یہ ہے کہ وہ (حمید بن زیاد)

ثقہ ہے۔ اور "الحادی" میں بھی اسے ثقہ لوگوں میں شمار کیا گیا ہے اور "وجیزہ اور بلغہ" (کتابوں کے نام) میں بھی انسے ثقہ ہی لکھا گیا ہے، اور "مشترکاتین (نام کتاب) میں ہے کہ وہ ثقہ اور واقفی المذہب ہے۔

قارئین محترم! آپ نے معلوم کر لیا کہ پہلے راوی حمید بن زیاد کے واقفی ہونے پر اول تو علمائے شیعہ کے ہاں واقفی ہونا راوی کے ثقہ ہونے اور اس کی روایت کے قابل اعتماد ہونے میں مضر نہیں۔ لہٰذا عبدالکریم کا واویلا کر حمید کو تنقیح المقال میں مشرک و زندیق کہا گیا ہے۔ بالکل غلط اور جھوٹ ہے۔ بلکہ صاحب تنقیح المقال نے تو اپنا فیصلہ یہ سنایا ہے کہ حمید ثقہ اور قابل اعتماد آدمی ہے

دوسرے راوی "حسن بن محمد بن سماعہ" کا حال از کتب شیعہ

اس راوی پر بھی ملا عبدالکریم صاحب مشتاق کی وہی تنقید ہے کہ یہ واقفی المذہب ہے۔ اس لیے قابلِ اعتماد نہیں۔ گذشتہ اوراق میں ہم ثابت کر چکے ہیں کہ علمائے شیعہ کے نزدیک کسی راوی کا واقفی ہونا۔ اس کے ثقہ ہونے کو مانع نہیں۔ تاہم اس راوی کے متعلق تنقیح المقال کی عبارت پیش خدمت ہے۔

تنقیح المقال:۔ اَلْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سَمَاعَةَ الْكِنْدِيُّ .... فِي الْوَجِيْزَةِ وَ الْبُلْغَةِ وَالْمُشْتَرَكَاتَيْنِ وَ الْحَاوِيْ وَغَيْرِهَا اَنَّهٗ مُوَثَّقٌ مِمَّا لَا كَلَامَ فِيْهِ۔

(تنقیح المقال جلد اول ص ۳۰۷ باب الحسن مطبوعہ تہران طبع جدید)

نمبر ۸۔ حسن بن محمد بن سماعہ الکندی ——— وجیزہ ، بلغہ ، مشترکاتین اور حادی وغیرہ میں ہے کہ وہ ثقہ ہے۔ پس اس آدمی (ابن سماعہ) کے ثقہ ہونے میں کچھ کلام نہیں ہے۔

قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا کہ وجیزہ ، بلغہ ، مشترکاتین اور حادی وغیرہ ان تمام اہل تشیع کی کتب اسمائے رجال نے ابن سماعہ کے واقفی ہونے کے باوجود اس کے ثقہ ہونے پر اتفاق کیا ہے۔ آگے چل کر تنقیح المقال نے ان مصنفین پر سخت تنقید کی ہے جنہوں نے اپنی کتب میں ابن سماعہ کی تعریف و توصیف کرنے کے باوجود اسے درجہ اول کے راویوں میں شمار نہیں کیا۔ حالانکہ اس سے کم درجہ کے لوگوں کو درجہ اول میں شامل کیا گیا ہے۔

گویا صاحب تنقیح المقال نے ایسے مصنفین پر جرح کی ہے۔ کیونکہ مذکورہ تمام کتب اسمائے رجال نے اتفاق کیا ہے کہ ابن سماعہ کے ثقہ ہونے پر کوئی کلام نہیں ہے۔ الغرض ابن سماعہ کو تمام شیعہ کتب کے اسمائے رجال نے ثقہ لکھا ہے اگرچہ بعض نے درجہ دوم میں اور بعض نے درجہ اول میں شمار کیا ہے۔ اور تنقیح کے مصنف کے نزدیک یہ راوی درجہ اول کے راویوں میں سے ہے۔

معلوم ہوا کہ فروع کافی کی پہلی روایت، جس میں جناب علی رضی اللہ عنہ کے ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو دارالامارت سے حضرت عمر کے وصال کے بعد اپنے گھر لے جانے کا ذکر ہے۔ بالکل صحیح اور قابل اعتماد ہے۔ کیونکہ اس کے رواۃ کا حال بے غبار ہو کر آپ کے سامنے آگیا ہے۔

✥ ✥ ✥

✥

فروع کافی کی روایت دوم پر عبدالکریم صاحب مشتاق کی تنقید جاہلانہ:۔

فروع کافی کی اس دوسری روایت کا مضمون بھی وہی ہے جو پہلی روایت میں مذکور ہے۔ اس پر عبدالکریم صاحب مشتاق کی تنقید ملاحظہ ہو۔

افسانہ عقدِ ام کلثوم:۔

اسی طرح دوسری روایت کا راوی ہشام بن سالم ہے جو فاسد العقیدہ تھا اور اللہ کی صورت مانتا تھا (رجال کشی ص ۱۸۴)

(ماخوذ از "افسانہ عقد ام کلثوم"، ص ۵۹)

جواب:۔

عبدالکریم مشتاق شیعہ نے ہشام بن سالم کو رجال کشی کے جس قول کی بنا پر فاسد العقیدہ اور اللہ تعالےٰ کی صورت ماننے والا قرار دیا ہے۔ یہ رجال کشی کا روایت ضعیف کی بنا پر قول ہے ورنہ حقیقت حال یہ نہیں ہم شیعہ کی مضبوط ترین اسمائے رجال کی کتاب جامع الرواۃ سے ہشام بن سالم کا حال آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

اصل عبارت ملاحظہ کریں۔

۞ ۞ ۞

۞

فروع کافی کی دوسری روایت کے پہلے راوی "ہشام بن سالم کا حال":۔

جامع الرواۃ:۔

هَشَّامُ بْنُ سَالِمٍ ـــ رَوٰى عَنْ اَبِي عَبْدِاللهِ وَ اَبِي الْحَسَنِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ ثِقَةٌ ثِقَةٌ (صه ـ جش) لَهٗ كِتَابٌ عَنْهُ ابْنُ اَبِي عُمَيْرٍ (جش) لَهٗ اَصْلٌ عَنْهُ ظَاهِرٌ اَنَّهٗ صَحِيْحُ الْعَقِيْدَةِ مَعْرُوْفُ الْوِلَايَةِ غَيْرُ مُدَافِعٍ قَالَهٗ ابْنُ طَاوُوْسٍ قُدِّسَ سِرُّهٗ وَمَا رَوَاهُ الْكَشِّيُّ مِنْ اَنَّهٗ زَعَمَ اَنَّ لِلّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ صُوْرَةً وَّ اَنَّ اٰدَمَ خُلِقَ عَلٰى مِثَالِ الرَّبِّ فَفِي الطَّرِيْقِ مُحَمَّدُ بْنُ مُوْسٰى بْنِ عِيْسٰى الْهَمْدَانِيْ وَهُوَ ضَعِيْفٌ وَ اَسْكِيْبُ بْنُ عَبْدِكَ الْكَيْسَانِيْ وَ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ هَشَّامٍ الْخَيَّاطُ وَهُمَا مَجْهُوْلَانِ۔

(جامع الرواۃ مصنفہ محمد بن علی اردبیلی شیعی
جلد دوم ص ۳۱۴-۳۱۵ باب الھاء بعدہ
الشین مطبوعہ قم ایران طبع جدید سن طباعت
۱۴۰۳ھ)

ترجمہ:۔ ہشام بن سالم۔ جس نے امام جعفر صادق اور ابوالحسن سے روایت کی ہے۔ ثقہ ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ وہ صحیح العقیدہ اور صاحب ولایت ہے اور اس کا کوئی مدافع نہیں۔ یہ ابن طاؤس نے کہا ہے۔ اور جو رجال کشی میں روایت کیا گیا ہے کہ وہ عقیدہ رکھتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی صورت ہے۔ اور آدم علیہ السلام کو اللہ کی صورت پر پیدا کیا گیا۔ تو اس روایت کے طریق (اسناد) میں محمد بن موسیٰ بن عیسیٰ ہمدانی ضعیف راوی ہے۔ اور اسکیب بن عبدک الکیسانی اور عبدالملک بن ہشام الخیاط بھی دونوں مجہول راوی ہیں۔

تنقیح المقال:۔

هِشَامُ بْنُ سَالِمٍ الْجَوَالِيقِيْ .... ثِقَةٌ
ثِقَةٌ فِي الْقِسْمِ الْاَوَّلِ مِنَ الْخُلَاصَةِ
قَالَ ابْنُ دَاوُدَ فِي الْبَابِ الْاَوَّلِ هِشَامُ بْنُ
سَالِمٍ الْجَوَالِيقِيْ مَوْلٰى بِشْرِ بْنِ مَرْوَانَ اَبِي الْحَكَمِ
ق م حج ثِقَةٌ ثِقَةٌ وَ وَثَّقَهٗ فِي الْوَجِيْزَةِ
وَالْبُلْغَةِ وَ فِي التَّحْرِيْرِ اَنَّهٗ صَحِيْحُ الْعَقِيْدَةِ

مَعْرُوْفُ الْوِلَایَۃِ غَیْرُ مُدَافِعٍ۔

(تنقیح المقال جلد سوم ص۳۰۱ باب ہشام مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:۔ ہشام بن سالم جوالیقی .... ثقہ ہے، (کتاب) الخلاصہ کے قسم اوّل کے راویوں میں سے ہے۔ اور ابن داؤد نے باب اول میں کہا کہ ہشام بن سالم جوالیقی بشر بن مروان ابوالحکم کا آزاد کردہ غلام) مولیٰ ہے۔ ثقہ ہے، بہت ثقہ ہے۔ (اس کے علاوہ) اسے وجیزہ اور بلغہ نامی کتابوں نے ثقہ قرار دیا ہے۔ اور تحریر (نام کتاب) میں ہے کہ وہ صحیح العقیدہ، معروف الولایہ ہے اور اس کا کوئی مدافع نہیں ہے۔ (جو اسے ضعیف ثابت کر سکے۔)

قارئین کو عبدالکریم مشتاق کی وسعتِ علمی کا اچھی طرح اندازہ ہو چکا ہوگا۔ ان بے چارے کو اپنی ہی اسمائے رجال کی کتب کا علم نہیں ورنہ اس قدر بے معنی دوڑ دھوپ اور لایعنی تنقید نہ کرتے۔ آپ نے دیکھا کہ شیعہ اسمائے رجال کی مذکورہ کتب نے راوی مذکور کا جہاں ذکر کیا ہے اسے دو دفعہ ثقہ ثقہ تحریر کیا ہے۔ بلکہ اس راوی (ہشام بن سالم) کے متعلق ان کتابوں نے یہاں تک لکھا ہے کہ وہ نہ صرف صحیح العقیدہ تھا بلکہ صاحب الولایہ بھی تھا۔

معلوم ہوا کہ جناب مشتاق صاحب نے اس کے متعلق جو فاسد العقیدہ ہونے کا فتویٰ ارشاد فرمایا ہے وہ سراسر جھوٹ بے بنیاد اور ان کی جہالت پر مبنی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ فروع کافی کی مذکورہ روایت دوم بالکل درست ہے اور امام جعفر کا یہ قول بجا ہے کہ ام کلثوم دختر علی کا عمر فاروق سے نکاح تھا اور جب عمر فاروق فوت ہوئے تو علی اپنی بیٹی کو اپنے گھر لے آئے اور انہوں نے اپنے باپ کے گھر عدت گزاری اور یہ امر اس قدر مضبوط ہے کہ امام جعفر اس سے مسائل اخذ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ معلوم ہوا شوہر کے فوت ہونے کے بعد عورت جہاں چاہے عدت گزار سکتی ہے۔

دوسری روایت کے راوی سلیمان بن خالد کے حالات

نکاح ام کلثوم رضی اللہ عنہا بعمر فاروق رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت کے راوی سلیمان ثانی بن خالد کے متعلق عبدالکریم مشتاق نے لکھا ہے کہ وہ زیدیہ فرقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اور نجاشی اور شیخ طوسی نے اس کو ثقہ تسلیم نہیں کیا۔
لہذا شیعہ معترض کی اصل عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

یہ روایت سلیمان بن خالد سے بھی مروی ہے۔ جو زیدیہ فرقہ سے تھا۔ تنقیح المقال جلد ۲ ص ۵ پر ہے نجاشی اور شیخ طوسی نے اسے ثقہ تسلیم نہیں کیا۔ ابن داؤد نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اور مقیاس الدرایہ ص ۸۴ پر ہے کہ زیدی واقفی، ناصبی ایک ہی منزلت پر ہیں (ماخوذ از رسالہ افسانہ عقد ام کلثوم ص ۵۹)

جواب:۔

شیعہ ملاں نے جو کچھ لکھا ہے یہ اپنی کم علمی کی وجہ سے لکھا ہے اس نے یا تو تنقیح المقال کی عبارت کو نہیں سمجھا یا پھر بڑی بددیانتی سے کام لیا ہے کیونکہ شیخ طوسی اور نجاشی نے اس کی اس قدر تعریف کی ہے۔ کہ شیخ طوسی نے

ثقہ اور فقہائے صالحین سے قرار دیا اور نجاشی نے قاری۔ وجیہہ۔ فقیہ لکھا۔ اور یہ کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو اس کے مرنے کا بڑا دکھ ہوا اور کہا کہ یہ اس کے ثقہ ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے جیسا کہ اسی طرح صاحب تنقیح المقال نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ نجاشی نے اگرچہ صرف لفظ ثقہ اس کے متعلق نہیں کہا جس قدر اس کے حالات لکھے ہیں اس سے اس کا ثقہ ہونا بالکل واضح اور عیاں ہے۔

لہذا تنقیح المقال سے شیخ طوسی کی اصل عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

تنقیح المقال:-

سُلَيْمَانُ بْنُ خَالِدٍ اَبُو الرَّبِيْعِ الْهَلَالِي الْبَجَلِي الْاَقْطَعِ .... عَدَّهُ الشَّيْخُ فِي رِجَالِهِ مِنْ اَصْحٰبِ الصَّادِقِ قَائِلاً سُلَيْمَانُ بْنُ خَالِدٍ اَبُو الرَّبِيْعِ الْهَلَالِي مَوْلاهُمْ كُوْفِيٌّ مَاتَ فِي حَيَاةِ اَبِي عَبْدِ اللهِ خَرَجَ مَعَ زَيْدٍ فَقُطِعَتْ اِصْبَعُهُ مَعَهُ لَمْ يَخْرُجْ مِنْ اَصْحَابِ اَبِي جَعْفَرَ عَلَيْهِ السَّلَامُ غَيْرُهُ صَاحِبُ قُرْاٰنٍ اِنْتَهٰى وَقَدْ اَسْبَقْنَا فِي الْفَائِدَةِ الثَّانِيَةِ وَ الْعِشْرُوْنَ مِنْ مُقَدَّمَةِ الْكِتَابِ نَقْلَ عِبَارَةِ اِرْشَادِ الْمُفِيْدِ الْعَادَةِ لِجَمَاعَةٍ مِنْهُمْ سُلَيْمَانُ بْنُ خَالِدٍ هٰذَا مِنْ شُيُوْخِ اَصْحَابِ اَبِي عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَخَاصَّتِهِ وَ ثِقَاتِهِ

الْفُقَهَآءِ الصَّالِحِيْنَ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَدْ اَخَذَ ذٰلِكَ مِنْهُ الْفَاضِلُ الْاَرْبَلِيُّ حَيْثُ قَالَ مِنْ شُيُوْخِ اَصْحَابِ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَخَاصَّتِهٖ وَ ثِقَاتِهِ الْفُقَهَآءِ الصَّالِحِيْنَ سُلَيْمَانُ بْنُ خَالِدٍ اِنْتَهٰى۔ وَ قَالَ النَّجَاشِيُّ سُلَيْمَانُ بْنُ خَالِدِ ابْنِ دَهْقَانِ بْنِ نَافِلَةَ مَوْلٰى عَفِيْفِ بْنِ مَعْدِيْكَرَبَ .... كَانَ قَارِيًا فَقِيْهًا وَجْهًا رَوٰى عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ وَ اَبِيْ جَعْفَرَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ .... وَ مَاتَ فِيْ حَيَاةِ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ فَتَوَجَّعَ لِفَقْدِهٖ وَ دَعَا لِوَلَدِهٖ وَاَوْصٰى بِهِمْ اَصْحَابَهٗ۔

(تنقیح المقال جلد دوم ص۵۷ باب سلیمان مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:۔ سلیمان بن خالد ابوالربیع الھلالی البجلی .... اس کو شیخ طوسی نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں شمار کیا ہے۔ یہ کہتے ہوئے کہ سلیمان بن خالد ابوالربیع الھلالی امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی زندگی میں فوت ہوا اور اس نے زید کے ساتھ خروج کیا۔ اور اس کی انگلی کاٹی گئی۔ اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے اس کے سوا کسی نے خروج نہیں کیا۔ ہم (صاحب تنقیح) فائدہ الثلثیہ والعشرون میں کتاب کے مقدمہ میں ارشاد شیخ مفید کی عبارت نقل کر

چکے ہیں جس میں ایک جماعت کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے سلیمان بن خالد بھی ہے۔ اور یہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے مشائخ اصحاب میں سے تھا۔ اور ان کا خاص صاحب تھا۔ اس کو فقہائے صالحین نے ثقہ قرار دیا ہے یہ شیخ مفید سے اس عبارت کو فاضل اربلی نے لیا اور کہا کہ وہ (سلیمان بن خالد) امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے مشائخ اصحاب میں سے تھا اور آپ کا خاص صاحب تھا۔ اور اس کو فقہائے صالحین نے ثقہ قرار دیا۔ یعنی سلیمان بن خالد کو۔ انتہیٰ۔

اور نجاشی نے کہا کہ سلمان بن خالد بن دھقان بن نافلہ مولیٰ عفیف بن معدیکرب قاری، وجیہہ اور فقیہہ تھا، اس نے امام جعفر صادق اور امام باقر علیہما السلام سے روایت کی۔ اس نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی زندگی میں وفات پائی۔ امام موصوف کو اس کی وفات کا گہرا رنج پہنچا آپ نے اس کی اولاد کو بلایا اور اپنے اصحاب کو ان کے متعلق وصیت فرمائی۔

جامع الرواۃ وَفِیْ کِتَابِ سَعْدٍ اَنَّهٗ تَابَ مِنْ ذٰلِكَ وَرَجَعَ اِلَى الْحَقِّ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَرَضِیَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ عَنْهُ بَعْدَ سَخَطِهٖ وَتَوَجَّعَ بِمَوْتِهٖ (صه۔ق) كَانَ قَارِیًا فقیها وجیها روی عن الباقر والصادق علیهما السلام (جش۔صه) ثِقَةٌ (صه) مَاتَ فِیْ حَیَاةِ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَتَوَجَّعَ لِفَقْدِهٖ وَدَعَا لِوَلَدِهٖ وَ اَوْصٰی بِهِمْ اَصْحَابَهٗ وَلَهٗ كِتَابٌ عَنْهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مسكان

(جش) حمدویہ قَالَ سَأَلْتُ اَبَا الْحَسَنِ اَيُّوبَ بْنَ نُوْحِ بْنِ دَرَّاجِ النَّخَعِي عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ خَالِدِ النَّخَعِيِّ اَثِقَةٌ هُوَ فَقَالَ كَمَا يَكُوْنُ الثِّقَةُ۔

(جامع الرواۃ جلد اول ص۳۷۸ باب السین بعدہ اللام مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:۔ کتاب سعد میں ہے اس (سلیمان بن خالد) نے اس (زیدیہ عقیدہ) سے توبہ کرلی اور حق کی طرف رجوع کرلیا۔ اپنی موت سے پہلے اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اس سے راضی ہوگئے اگرچہ پہلے ناراض تھے۔ آپ کو اس کی موت کا بڑا صدمہ ہوا۔ وہ قاری فقیہ اور وجیہ تھا۔ اس نے امام باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام سے روایت کی۔ وہ ثقہ راوی تھا۔ اس نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی زندگی میں وفات پائی۔ آپ کو اس کی موت کا بڑا صدمہ ہوا۔ آپ نے اس کی اولاد کو بلایا اور اپنے اصحاب کو ان کے متعلق وصیت فرمائی۔ اس کی ایک کتاب بھی ہے۔ یہ عبداللہ بن مسکان نے کہا اور حمدویہ نے کہا کہ میں نے ابوالحسن ایوب بن نوح سے سلیمان بن خالد کے متعلق دریافت کیا کہ آیا وہ ثقہ تھا یا نہیں؟ تو اس نے جواب دیا کہ وہ۔ (ثقہ تھا) جیسے کہ ثقہ ہوتا ہے۔

مذکورہ دونوں عبارتوں سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے

۱۔ سلیمان بن خالد نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے چچا حضرت زید کے ساتھ مل کر خروج تو کیا کہ جس کی وجہ سے امام جعفر ناراض ہوئے مگر بعد میں اس

(سلیمان) نے توبہ کر لی۔ تو امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اس پر راضی ہو گئے۔

۳۔ امام جعفر صادق کو سلیمان بن خالد کی وفات کا بڑا دکھ ہوا۔ آپ نے اپنے صحابہ کو اس کی اولاد کے متعلق خیر کی وصیت فرمائی۔

۴۔ ایوب بن نوح سے جب سلیمان بن خالد کے ثقہ ہونے کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ وہ ثقہ ہے۔

لمحہ فکریہ :۔

قارئین کرام! ہم نے طولِ کلام کے خوف سے دونوں کتابوں سے تھوڑا تھوڑا نقل کیا ہے۔ ورنہ سلیمان بن خالد کے متعلق بہت زیادہ شیعہ کتابوں میں تعریف موجود ہے اور جو عبدالکریم مشتاق نے کہا ہے کہ شیخ طوسی اور نجاشی نے سلیمان بن خالد کو ثقہ تسلیم نہیں کیا۔ یہ حقیقت میں ان شیعوں کے ایک آدمی کا قول ہے۔ اور جہاں یہ قول لکھا ہے۔ ساتھ ہی صاحب تنقیح المقال نے تردید کر دی۔ اور شیخ طوسی کا تو ذکر ہی چھوڑ دیا کیونکہ طوسی کا سلیمان بن خالد کے متعلق ثقہ ہونے کا فتوٰے واضح الفاظ میں صاحب تنقیح المقال نے پہلے ذکر کر دیا تھا۔ باقی رہا نجاشی تو اس کے متعلق بھی صاحب تنقیح المقال نے اس معترض کا رد کرتے ہوئے کہا کہ اس نے سلیمان بن خالد کے ثقہ ہونے کی نفی نہیں کی بلکہ صرف نجاشی کے کلام میں اس کے ثقہ ہونے کی تصریح موجود نہیں ہے اگرچہ نجاشی کی کلام اس پر دلالت کرتی ہے۔ کہ وہ ثقہ ہے۔

یاد رہے کہ جب ایوب بن نوح سے سلیمان بن خالد کے ثقہ ہونے کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے بطور تشبیہ اس کے ثقہ ہونے کا ذکر کیا اس پر صاحب تنقیح المقال نے بسط کے ساتھ بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ اس

تشبیہ سے اس کا کمال ثقہ ہونا مراد ہے۔ اصل عبارت ملاحظہ ہو۔

تنقیح المقال:۔

فَاِنَّ الْکَافَ وَاِنْ کَانَ لِلتَّشْبِیْہِ۔ اِلَّا اَنَّہٗ قَدْ شَاعَ اِسْتِعْمَالُ التَّشْبِیْہِ فِیْ اَمْثَالِ الْمَقَامِ فِیْ اِثْبَاتِ اَکْمَلِ الْمَرَاتِبِ فَمُرَادُہٗ بِقَوْلِہٖ کَمَا یَکُوْنُ الثِّقَۃُ اِنَّہٗ فِیْ کَمَالِ الْوَثَاقَۃِ وَاِنَّ مَا یُرَادُ مِنَ الثِّقَۃِ مِنَ الصِّفَاتِ مَوْجُوْدَۃٌ فِیْہِ جُزْءً فَجُزْءً۔

(تنقیح المقال جلد دوم ص۵۸ باب سلیمان مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:۔ بے شک کاف (کمایکون الثقۃ میں) اگرچہ تشبیہ کے لیے ہے۔ مگر اس قسم کے مقام پر تشبیہ کا استعمال اکمل مراتب کو ثابت کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ پس اس کی مراد اس قول (کمایکون الثقۃ) سے یہ ہے کہ ثقہ ہونے میں اس کو کمال حاصل ہے۔ اور جو ثقہ آدمی کی صفات ہوتی ہیں وہ اس میں ایک ایک پائی جاتی ہیں۔

نوٹ:۔

یہ جو عبدالکریم مشتاق نے کہا ہے کہ سلیمان بن خالد فرقہ زیدیہ سے تعلق رکھتا تھا اور فرقہ زیدیہ، ناصبیوں کی شکل ہے۔ یہ بھی اس کا کہنا سراسر غلط اور دھوکا ہے۔ کیونکہ شیعوں کے نزدیک فرقہ ناصبیہ تو کائنات میں سب فرقوں سے

بدترین فرقہ ہے۔ جیسا کہ شیعہ کتب میں موجود ہے۔

جب کہ فرقہ زیدیہ وہ ہے جس کی نسبت زید بن امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی طرف ہے اور ان کے متعلق امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے جو اپنے خیال کا اظہار فرمایا ہے اس کو شیخ صدوق نے عیون الاخبار میں لکھا ہے، اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

عیون الاخبار :۔

ایک آدمی فضیل نامی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا آپ نے پوچھا کہ میرے چچا زید کے ساتھ کیا ہوا؟ وہ کہتا ہے میں نے کہا لوگوں نے انہیں شہید کر دیا اس پر امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے رخساروں پر مثل لڑیوں کے آنسو بہنے لگے اس کے بعد آپ نے فرمایا کیا تو میرے چچے کے ساتھ شام کی لڑائی میں شامل تھا؟ اس نے کہا ہاں آپ نے فرمایا تو نے کتنے آدمیوں کو قتل کیا اس نے کہا چھ آدمیوں کو آپ نے فرمایا کیا تو ان کے خون میں شک کرتا ہے، اس نے کہا اگر میں شک کرتا تو انہیں قتل کیوں کرتا راوی کہتا ہے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے اس کے اس بیان کے بعد اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کی۔ اَشْرَكَنِی اللّٰهُ فِیْ تِلْكَ الدِّمَآءِ مَضٰی وَاللّٰهِ زَیْدٌ عَمِّیْ وَاَصْحَابُهٗ الشُّهَدَآءُ مِثْلَ مَا مَضٰی عَلَیْهِ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ وَاَصْحَابُهٗ۔

یعنی اسے اللہ (جو فضیل نے قتل کیے ہیں) اس کے ثواب میں مجھے بھی شریک فرما اللہ کی قسم میرے چچا زید اور ان کے رفقاء سب کے سب ایسے ہی شہید ہیں جیسا کہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کے صحابہ شہید ہیں۔ (عیون اخبار الرضا مصنف شیخ صدوق جلد اول ص ۲۴۹-۲۵۰ بکاء الصادق علیہ السلام لعمہ وما قال فی قتلہ مطبوعہ تہران طبع جدید)

قارئین کرام! مجھے حیرت ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے۔ کہ عبدالکریم شیعہ کا سلیمان بن خالد کو صرف زیدی قرار دے کر اپنی کتب کی مستند روایت کو ناقابل قبول قرار دینا کس قدر زیادتی اور اپنے ہی مذہب میں رخنہ ڈالنا ہے۔ جب کہ آپ نے دیکھ لیا کہ زیدیہ فرقہ کے لوگوں کو امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ایسے بلند پایا شہداء قرار دیتے تھے۔ جیسا کہ علی المرتضیٰ اور ان کے ساتھی شہید تھے۔

دوسرا اگرچہ مان ہی لیا جائے کہ سلیمان بن خالد نے حضرت زید کے ساتھ خروج کیا تو کتب شیعہ نے ہی واضح کر دیا کہ سلیمان بن خالد نے اس فرقہ سے توبہ کر لی اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اس سے خوش ہو گئے۔ اب بتاؤ کہ جب امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے سلیمان کو معافی دے دی تو پندرھویں صدی کے شیعہ ذاکر اسے معاف کیوں نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ان کو حقائق بیان کرنے اور حقیقت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

خلاصہ :-

یہ ہوا کہ فروع کافی کی دونوں روایتیں اپنی سند کے اعتبار سے صحیح ہیں ان کے تمام راوی ثقہ ہیں اور ان میں جو امام جعفر کا ارشاد ہے کہ عمر فاروق کے انتقال پر حضرت علی اپنی بیٹی ام کلثوم کو اپنے گھر لے آئے یہ ارشاد بالکل درست ہے اور اس سے اظہر من الشمس ہو جاتا ہے کہ حضرت عمر دامادِ علی ہیں اور یہ رشتہ کوئی معمولی رشتہ نہیں، یہ ان کے آپس میں شیر و شکر ہونے کی اعلیٰ دلیل ہے۔

اعتراض :-

پچھلے صفحات میں شیعوں کی معتبر کتاب مسالک الافہام سے یہ عبارت نقل کر آئے ہیں کہ سیدوں کی غیر سیدوں سے رشتہ داریوں میں سے ایک یہ بھی

ہے کہ علی مرتضےٰ کی بیٹی ام کلثوم حضرت عمر فاروق کے گھر میں ہے، اس پر عبد الکریم مشتاق شیعہ یہ اعتراض کرتا ہے۔

"مسالک الافہام کتبِ معتبرہ میں شمار نہیں ہوتی اس میں شارح کی اپنی رائے کا ذکر ہے، جو حجت قرار نہیں پا سکتا۔ حالانکہ اس کے خلاف کثرت سے شواہد موجود ہیں۔"

(افسانہ عقدام کلثوم ص ۵۹)

جواب:۔

عبد الکریم مشتاق نے یہ تو کہہ دیا کہ مسالک الافہام معتبر کتب سے نہیں ہے لیکن وجہ اس کی بیان نہیں کی کیا وجہ ہے کہ مسالک الافہام معتبر نہیں ہے۔ کیا اس کا مصنف عالم فقیہ اور شیعوں کا معتمد اور ثقہ نہیں ہے؟ اگر نہیں ہے تو اس کی وضاحت کرنی چاہیئے تھی لیکن جہاں تک مسالک الافہام کے مصنف کی کتب شیعہ میں تعریف موجود ہے اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ اہل تشیع کے نزدیک وہ عالم، فقیہہ، ثقہ، زاہد عابد تھا۔

لہٰذا اب الکنیٰ والالقاب کی اس کے متعلق اصل عبارت ملاحظہ فرمائیں:۔

کتاب الکنیٰ والالقاب:۔

شہید ثانی شیخ اجل زین الدین بن نورالدین علی بن احمد بن محمد بن جمال الدین ...... در ثقہ و جلالت و علم و فضل و زہد و عبادت و پارسائی و تحقیق و تبحر و جمیع فضائل و کمالات مشہور تر از آنست کہ گفتہ آید و محاسن و اوصاف ستودہ اش بیش از آن است کہ

شمردہ شود۔

(کتاب الکنی والالقاب جلد سوم ص ۲۷۱۔۲۷۰
تذکرہ شہید ثانی مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:۔ شہید ثانی شیخ اجل زین الدین بن نورالدین علی بن احمد ....
فقاہت، جلالت، علم و فضل، زہد و عبادت و پارسائی، تحقیق و تبحر
اور تمام فضائل و کمالات میں مشہور تھا اور اس کے محاسن و اوصاف
شمار سے زیادہ ہیں۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ ایسا مصنّف جو کہ تمام صفات مذکورہ کا حامل ہو۔ اور امامی شیعہ اور ثقہ بھی ہو۔ تو ایسے آدمی کی کتاب کو بلا کسی وجہ کے یہ کہہ دینا۔ کہ وہ غیر معتبر ہے۔ یہ تو انتہا درجہ کا ظلم ہے بلکہ مصنف کی روح کو زہر کا ٹیکہ لگانے کے مترادف ہے۔

اعتراض:۔

اسی طرح علامہ خلیل قزوینی نے "الصافی" میں جو تشریح کی ہے اس کا مدار بھی زبیر بن بکار کی روایت پر ہے۔ زبیر بن بکار شیعوں کے نزدیک تو قطعاً ناصبی ہے۔ مگر اہل سنت علماء نے بھی اسے وضاع، ناقابلِ اعتبار اور مردود قرار دیا ہے۔

(افسانہ عقد ام کلثوم ص ۶۱)

جواب:۔

عبدالکریم مشتاق نے جو یہ کہا ہے کہ علامہ خلیل قزوینی نے الصافی میں جو تشریح کی ہے۔ اس کا دارومدار زبیر بن بکار کی روایات پر ہے جو

پکا ناصبی ہے۔ مجھے حیرانگی آتی ہے کہ جتنی عبدالکریم مشتاق نے اپنی عبارات نقل کرنے کے بعد ان کی اسناد پر جرح کی ہے۔ ان میں سے کوئی ایک بھی روایت ہے کہ جس کے سلسلۂ اسناد میں زبیر بن بکار راوی کا نام موجود ہو۔ اگر ہے تو ہمیں دکھاؤ ورنہ یہ پانی بیں گوز مارنے کی شکل ہے۔

سیدہ ام کلثوم کے عقد پر اہل تشیع کے نزدیک معتبر سند کے ساتھ ایک حدیث اور اس کے راویوں کی ثقاہت

عبدالکریم مشتاق نے جتنی روایات نقل کی ہیں اور ان پر جرح کی ہے۔ اگرچہ وہ لایعنی ثابت ہو چکی ہے اس کے باوجود ہم ایک ایسی روایت پیش کرتے ہیں کہ جس میں صرف تین راوی غیر معصومین ہیں اور باقی سب راوی آئمہ معصومین ہیں اور وہ راوی بھی ایسا ہے جس کو شیعہ کتب اور اسمائے رجال نے ثقہ قرار دیا ہے۔

قرب الاسناد:۔

اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰہِ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدٌ حَدَّثَنِیْ مُوْسٰی قَالَ حَدَّثَنَا اَبِیْ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ جَعْفَرَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ اَنَّ عَلِیًّا نَقَلَ اُبْنَتَہٗ اُمَّ کُلْثُوْمِ فِیْ

عِدَّتِهَا حَيْثُ مَاتَ زَوْجُهَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِاَنَّهَا كَانَتْ فِيْ دَارِ الْاِمَارَةِ۔

(قرب الاسناد مصنفہ ابی عباس عبداللہ بن جعفر حمیری ص ۱۰۹ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ :۔ (بحذف اسناد) جعفر بن محمد اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ اپنی صاحبزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو اپنے گھر لے آئے جب کہ ان کے خاوند حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا۔ اس لیے کہ وہ دار الامارت میں اپنی عدت گزار رہی تھیں۔

اس حدیث کے تین راوی غیر معصوم اور باقی سب آئمہ معصومین ہیں۔ جن کی ثقاہت کے بارے میں کلام کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور تین غیر معصوم محمد، اس کا باپ عبداللہ بن جعفر، اور محمد بن حسین تینوں ہی ایسے ثقہ راوی ہیں کہ جن کی ثقاہت کو شیعہ کتب اسماء رجال نے بڑی وضاحت کے ساتھ لکھا ہے

پہلے راوی محمد بن حسین بن ابی خطاب کے حالات

تنقیح المقال :۔

مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ اَبِي الْخَطَّابِ اَبُوْ جَعْفَرَ۔۔۔۔۔ عَدَّهُ الشَّيْخُ فِيْ رِجَالِهِ مِنْ اَصْحَابِ الْجَوَادِ بِقَوْلِهِ مُحَمَّدُ بْنُ

الْحَسَنِ بْنِ اَبِی الْخَطَّابِ، کُوْفِیٌّ ثِقَةٌ وَ اُخْرٰی مِنْ اَصْحَابِ الْهَادِیْ بِقَوْلِهٖ مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَیْنِ بْنِ اَبِی الْخَطَّابِ الزَّیَّاتُ الْکُوْفِیُّ ثِقَةٌ وَثَالِثَةً مِنْ اَصْحَابِ الْعَسْکَرِیْ .... وَقَالَ فِی الْفِهْرِسْتِ مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَیْنِ بْنِ اَبِی الْخَطَّابِ کُوْفِیٌّ ثِقَةٌ۔

(تنقیح المقال جلد سوم ص ۱۰۶ باب محمد مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:۔ محمد بن حسین بن ابی الخطاب ابوجعفر کو شیخ طوسی نے اپنی "رجال" (کتاب) میں حضرت امام موسیٰ رضا کے اصحاب میں شمار کیا ہے ان الفاظ کے ساتھ کہ محمد بن حسین کوفی ثقہ ہے۔ دوسری جگہ اسے ھادی علیہ السلام کے اصحاب میں شمار کیا ان الفاظ کے ساتھ کہ محمد بن حسین بن ابی الخطاب الزیات کوفی ثقہ ہے اور تیسری جگہ امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں شمار کیا ہے... اور فہرست میں کہا محمد بن حسین کوفی ثقہ ہے۔

دوسرے راوی عبداللہ بن جعفر حمیری کے حالات

تنقیح المقال:

عَبْدُاللّٰهِ بْنُ جَعْفَرِ الْحِمْیَرِیْ هُوَ ابْنُ جَعْفَرِ ابْنِ

اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ ...... فَمِّیُ ثِقَةٌ مِّنْ اَصْحَابِ الْعَسْکَرِیِّ .... وَقَالَ فِی الْفِھْرِسْتِ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ جَعْفَرَ الْحُمَیْرِیُ یُکَنّٰی اَبَا الْعَبَّاسِ اَلْقُمِّیُّ ثِقَةٌ۔

(تنقیح المقال جلد دوم ص ۱۷۴ باب عبداللہ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: عبداللہ بن جعفر حمیری قمی ثقہ اور اصحاب عسکری میں سے ہے:۔ فہرست میں کہا کہ عبداللہ بن جعفر حمیری جس کی کنیت ابو العباس قمی ہے وہ ثقہ راوی ہے۔

عبداللہ بن جعفر حمیری کے متعلق ہم نبات الرسول کے مسئلہ میں کتب اسمائے رجال شیعہ سے اس کی توثیق کر چکے ہیں وہاں دیکھیں۔

من شاء فیطلع علیہ

تیسرے راوی محمد بن عبداللہ بن جعفر کے حالات

تنقیح المقال:۔

قَالَ النَّجَاشِیُّ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ جَعْفَرَ بْنِ الْحُسَیْنِ بْنِ جَامِعِ بْنِ مَالِكِ الْحُمَیْرِیِّ اَبُوْجَعْفَرَ الْقُمِّیُّ کَانَ ثِقَةً وَجْهًا کَاتَبَ صَاحِبَ الْاَمْرِ۔

(تنقیح المقال جلد سوم ص۱۳۸ باب محمد مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:۔ نجاشی نے کہا محمد بن عبداللہ .... ثقہ، وجیہ اور صاحب امر کا کاتب تھا۔

خلاصہ:۔

قرب الاسناد کی نکاح ام کلثوم کے متعلق ایسی مضبوط روایت ہے جسے تسلیم کیے بغیر شیعوں کو کوئی چارہ کار نہیں کیونکہ اس کے پہلے تین راوی نہایت ثقہ ہیں اور بعد والے راوی امام موسےٰ کاظم امام جعفر امام باقر امام زین العابدین اور حضرت علی ہیں۔

عبدالکریم مشتاق کی ایک غلط بیانی

عبدالکریم مشتاق نے "افسانہ عقد ام کلثوم" میں لکھا ہے کہ علمائے اہل تشیع نے کسی زمانہ میں بھی ام کلثوم بنت فاطمہ کے عمر فاروق کے ساتھ نکاح کو کبھی تسلیم نہیں کیا۔

اس کا یہ کہنا سراسر غلط اور بے بنیاد ہے کیونکہ شیعہ علماء ہر زمانہ میں ایسے پائے گئے جنہوں نے اس نکاح کی تصدیق کی ان میں سے بعض یہ ہیں۔

۱۔ محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ فروع کافی میں

۲۔ سید مرتضےٰ علم الھدیٰ متوفی ۴۰۶ھ شافی میں

۳۔ ابوجعفر طوسی متوفی ۴۶۵ھ تہذیب الاحکام میں

۴۔ ابن ابی حدید ۶۵۴ھ شرح نہج البلاغہ میں

۵۔ زین الدین احمد عاملی ۹۶۴ھ مسالک الافہام میں۔

۶۔ نور اللہ شوستری ۱۰۱۹ھ مجالس المومنین میں۔

۷۔ ملا خلیل قزوینی ۱۰۸۹ھ صافی شرح اصول کافی میں۔

قارئین کرام آپ نے دیکھ لیا کہ ہم نے بطور اختصار لکھا ہے اس کی تفصیل اگر چاہیں۔ تو ہر صدی کے شیعہ علماء کی اس نکاح کے متعلق توثیق مل سکتی ہے۔

بہر صورت ثابت ہوا کہ عبدالکریم مشتاق کا یہ کہنا کہ کسی زمانے میں بھی علمائے اہل تشیع نے اس نکاح کو تسلیم نہیں کیا یہ باطل ہے۔ کیونکہ ہر صدی کے شیعہ علمائے نے سیدہ اُم کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح کو صراحتاً ثابت کیا ہے۔

اعتراض :۔

پیچھے ہم قاضی نور اللہ شوستری شیعہ کا یہ قول نقل کر آئے ہیں کہ اگر نبی دختر بہ عثمان داد ولی دختر بعمر فرستاد۔ مجالس المومنین جلد اول ص ۲۰۴ یعنی اگر نبی نے اپنی بیٹی عثمان غنی کو دی ہے تو علی مرتضےٰ نے اپنی بیٹی عمر کو دی ہے۔ اس کی غلط تاویل عبدالکریم شیعہ یوں پیش کرتا۔ اور اپنی بے علمی آشکارا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

شبہ ثالث کا بیان

قاضی نور اللہ شوستری نے یہ بیان اس نکاح کی تردید میں دیا ہے اور "اگر" سے مفروضہ قائم کیا ہے کہ بالفرض محال اگر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ یہ نکاح ہوا تو بھی احتمال خطا کی گنجائش نہیں ہے۔ کہ حضرت عمر کلمہ گو

تو تھے۔

(افسانہ عقد ام کلثوم ص ۵۹)

جواب :۔

عبدالکریم مشتاق نے شہید ثالث نوراللہ شوستری کی کلام کو جو نکاح امّ کلثوم کے سلسلہ میں ہے۔ ایک مفروضہ قرار دیا ہے یعنی ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے عقد ایک مفروضہ اور افسانہ ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر نوراللہ شوستری نے واقعی ایک مفروضہ کو ذکر کیا ہے تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مدینہ چھوڑ کر کوفہ کو دارالخلافہ بنانا اور باغ فدک کے غصب ہو جانے کا واقعہ ایک مفروضہ ہی سمجھنا ضروری ہے۔ کیونکہ شہید ثالث نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پیش آنے والے واقعات سے مطابقت اور موافقت ثابت کر رہا ہے۔ لہذا مجالس المومنین کی اصل عبارت ملاحظہ ہو۔

مجالس المومنین :۔

از ایں روایت مستفاد می شود کہ امیر المومنین علیہ السلام بعد از وفات حضرت سید المرسلین در سائر امور خود تاسی بآنحضرت مینمود ...... واگر او بوقت عجز بغار فرار نمود ایں بوقت عجز و منع درخانہ بردی خود فرار کرد واگر او از مکہ بمدینہ آمد ایں از مدینہ بکوفہ آمد۔ اگر خانۂ مکہ او را کہ مہبط ملک بود بقہر گرفتند باغ مدینہ ایں را کہ مسمی بفدک بود غصب کردند اگر مصطفےٰ در اول صلح نمود مرتضٰے نیز در اول اصلاح نمود واگر نبی دختر بہ عثمان داد ولی دختر

بعمر فرستاد۔

(مجالس المومنین جلد اول صـ۲۰۲ ذکر طائفہ دوم مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:۔ ان دونوں روایتوں سے ثابت ہوتا ہے۔ (جوکہ نوراللہ شوستری نے اس سے پہلے ذکر کیں) کہ امیرالمومنین علی علیہ السلام حضور سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد تمام معاملات میں حضور علیہ السلام کے قدم بقدم ہیں اگر حضور علیہ السلام کفار سے تنگ آکر غار ثور میں تشریف لے گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ عاجز آجانے کے وقت اپنے گھر تشریف لے گئے۔ اور دروازہ بند کر لیا۔ اگر حضور مکہ سے (ہجرت کرکے) مدینہ جا پہنچے تو یہ مدینہ سے کوفہ پہنچ گئے اور اگر حضور کا گھر مکہ مکرمہ میں جو جبریل کے نزول کا مقام تھا کفار نے جبراً چھین لیا۔ تو لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا باغ فدک جو مدینہ میں تھا غضب کر لیا، اگر مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع شروع میں کافروں سے صلح کی تو مرتضےٰ رضی اللہ عنہ نے بھی ابتدائے خلافت میں مصالحت کی۔ اگر نبی نے اپنی صاحبزادی حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے نکاح میں دی تو ولی (حضرت علی رضی اللہ عنہ) نے اپنی صاحبزادی کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں بھیج دیا۔

اس عبارت سے ثابت ہوا کہ عبدالکریم مشتاق کا شہید ثالث کی کلام کو مفروضہ قرار دینا حقیقت میں مسلک شیعہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پوری سیرت کا جنازہ نکال دینے کے برابر ہے۔ لیکن نا معلوم یہ شیعہ لوگ صحابہ کرام

رضوان اللہ علیہم اجمعین پر (معاذ اللہ) لعن طعن کرتے ہوئے یہ کیوں نہیں دیکھتے کہ اس کا نتیجہ کیا ہو گا۔؟

اعتراض :-

پچھلے صفحات میں ہم نے کتاب الشافی ص ۱۱۶ مصنفہ شیخ مرتضےٰ علم الہدیٰ سے یہ حوالہ بیان کیا ہے کہ عمر فاروق سے ام کلثوم کا عقد ہوا تو ضرور ہے مگر یہ جبراً کیا گیا تھا اس کی نہایت غلط اور لچر تاویل کرنے کی کوشش میں عبدالکریم مشتاق یوں ہرزہ سرا ہیں۔

سرکار علم الہدےٰ کی تحریر

جناب علامہ مرتضےٰ علم الہدےٰ نے محض اس قسم کے نکاح کی صورت کو جائز قرار دینا فرض کیا ہے نہ کہ حضرت عمر اور حضرت ام کلثوم بنت علی و فاطمہ کے عقد کو صحیح تسلیم کیا ہے"

(افسانہ عقدِ ام کلثوم ص ۶۰)

جواب :-

عبدالکریم مشتاق کا یہ کہنا کہ علامہ مرتضےٰ علم الہدےٰ نے محض اس قسم کے نکاح کی صورت کو جائز قرار دینا فرض کیا ہے حسب سابق سراسر غلط اور شیخ مرتضےٰ کی کلام میں تحریف ہے۔ ورنہ شیخ مرتضےٰ نے اپنی کتاب شافی میں صاف لفظوں میں تسلیم کیا ہے، کہ سیدہ ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا عقد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے واقعی کیا ہے لیکن مجبوراً جس کا واضح معنی یہ ہے کہ شیخ مرتضےٰ کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ نکاح نفس الحقیقت ہوا ہے مگر جبر و اکراہ کے ساتھ، لہذا

شافی کی اصل عبارت کے چند الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔

کتاب الشافی:۔

فَاَمَّا تَزْوِیْجُہٗ بِنْتَہٗ فَلَمْ یَکُنْ ذٰلِکَ عَنْ اِخْتِیَارٍ .... فَقَالَ الْعَبَّاسُ رُدَّ اَمْرَھَا اِلَیَّ فَفَعَلَ فَزَوَّجَہٗ الْعَبَّاسُ اِیَّاھَا۔

(کتاب الشافی ص ۲۱۴ مع تلخیص الشافی قدیم طبع ایران سن طباعت ۱۳۰۱ھ)

ترجمہ:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنی دختر کا نکاح (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) سے کر دینا یہ آپ کے اختیار اور رضامندی سے نہیں ہوا...... حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے) فرمایا اس (ام کلثوم رضی اللہ عنہا) کا معاملہ میرے حوالے کر دو۔ آپ نے ایسا ہی کیا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ شیخ مرتضیٰ نے اپنی اس کلام میں کسی مفروضہ کا ذکر نہیں کیا بلکہ قاضی عبدالجبار سنی کا رد کرتے ہوئے یہ عبارت لکھی ہے جبکہ قاضی عبدالجبار نے بلا اکراہ و جبر ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نکاح ثابت کیا کہ یہ نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بہت ٹال مٹول کرنے کے بعد جبر و اکراہ کے ساتھ کیا۔ جس کا واضح معنی یہ ہے کہ شیخ مرتضیٰ اس بات کا قائل ہے کہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا ہے لیکن جبر و اکراہ کے ساتھ ہوا ہے۔

اس لیے عبدالکریم کی دھوکہ دھی کھل گئی۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

اعتراض :-

پچھلے صفحات میں ہم نے نکاح ام کلثوم کے شیعہ کتب سے حوالہ جات کے ضمن میں منتہی الآمال جلد دوم ص ۱۷۱ مصنفہ شیخ عباس قمی سے حوالہ دیا کہ حضرت علی کی اولاد کا مفصل تعارف کراتے ہوئے شیخ عباس قمی لکھتا ہے۔ ام کلثوم سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت علی کی بیٹی ہیں ان کا حضرت عمر سے عقد ہوا جو کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ چنانچہ ابن شہر آشوب نے ابو محمد نوبختی کی کتاب الامت سے یہی کچھ لکھا ہے، اس کے جواب میں عبدالکریم مشتاق کی یاوہ گوئی ملاحظہ ہو۔

شیخ قمی کا اظہار :-

"علامہ شیخ عباس قمی نے صرف اس قصے کا کتابوں میں لکھا ہونا بیان کیا ہے نہ کہ تائید کا اظہار"

(افسانہ عقد ام کلثوم ص ۷۰)

جواب :-

عبدالکریم مشتاق کا یہ کہنا کہ شیخ قمی نے اس قصے کا کتابوں میں لکھا ہونا بیان کیا ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ نکاح آپ لوگوں کے لیے زہر قاتل ہے اور آپ کے کان بھی اس کو سن نہیں سکتے اور شیخ قمی نے بہت سے واقعات جو حقیقت کے خلاف ہیں۔ نقل کرنے کے بعد ان کی تردید کی ہے۔ چنانچہ منتہی الامال جلد اول ص ۵۴۴-۵۵۱ (پر) جتنے واقعات شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں نقل کئے گئے ہیں

اور جو موجودہ ماتم میں خلافِ شرع طریقے ایجاد کیے گئے ہیں ان سب کا اس نے بڑی وضاحت کے ساتھ رد کیا ہے۔ (جیسا کہ ماتم کی بحث میں ہم اس کو با تفصیل نقل کر چکے ہیں) تو کیا وجہ ہے کہ اس نے اس قصۂ عقد ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو لکھنے کے بعد اس کی تردید نہیں کی۔ دوسرا اس نے جو یہ کہا ہے کہ ام کلثوم حکایتِ تزویج او بعمر در کتب مسطور راست (البتہ ام کلثوم کے عمر فاروق کے ساتھ نکاح کی روایت کتابوں میں لکھی ہوئی ہے) اس سے شیخ قمی کا مقصد کتابوں میں قصہ کا نقل ہونا نہیں بلکہ وہ یہ بیان کر رہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد جو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن اطہر سے ہیں ان میں سے ایک وہ ام کلثوم ہیں جن کے نکاح کا واقعہ کتب میں لکھا ہوا ہے۔ لہٰذا اگر کتابوں میں لکھا ہونا اس کے نزدیک محض غلط ہوتا تو وہ اس کی ضرور تردید کرتا۔

اعتراض :-

نکاح ام کلثوم کے حوالہ جات میں آپ نے پیچھے پڑھا کہ منتخب التواریخ میں سید ہاشم خراسانی شیعہ نے لکھا کہ حضرت علی کی دو بیٹیاں ام کلثوم نامی ہیں بڑی ام کلثوم حضرت فاطمہ کے بطن اطہر سے ہیں۔ ان کا نکاح حضرت عمر سے ہوا اس سے زید پیدا ہوئے زید اور ان کی ماں ام کلثوم کا ایک دن انتقال ہوا اور دونوں کا جنازہ ایک ساتھ ہوا جس میں حسنین کریمین شامل تھے، اس کے متعلق عبد الکریم کی کذب بیانی ملاحظہ کریں۔

در منتخب التواریخ :- یہ کتاب مناظرانہ ہے نہ کہ محققانہ بلکہ ہر طرح کی تاریخی روایات کا مجموعہ ہے۔ لہٰذا حجت قرار نہیں پا سکتی۔

(افسانۂ عقد ام کلثوم صفحہ ۶)

جواب :-

عبد الکریم مشتاق کا یہ کہنا کہ منتخب التواریخ ایک مناظرانہ کتاب ہے۔

محققانہ نہیں یہ بھی سراسر باطل اور بے اصل ہے کیونکہ صاحب منتخب التواریخ ہاشم خراسانی نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں واضح کیا ہے کہ ہمارے شیعہ لوگ مسعودی کو سنی کہہ دیتے ہیں حالانکہ وہ ہمارا پکا امامی شیعہ ہے۔ چونکہ اس نے تبرہ بازی سے کام نہیں لیا اس لیے لوگ اس کو سنی کہہ دیتے ہیں۔

اس کا واضح معنی یہ ہے کہ منتخب التواریخ ایک منصفانہ اور محققانہ تاریخی کتاب ہے مناظرانہ نہیں کیونکہ اگر مناظرانہ ہوتی تو یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ شیعہ مناظر سیدہ ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کو عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ثابت کرے۔

اعتراض :۔

علامہ مجلسی کا موقف :۔ علامہ مجلسی کی اپنی ذاتی رائے ہے جس کی اساس روایات مذکورہ پر ہے جو کہ صحیح السند ثابت نہیں ہوتی ہیں۔ ایسی ضعیف روایات کی بنیاد پر موافقانہ موقف اختیار کرنا محض خطائے سہوی متصور ہوگا۔ حالانکہ ملت شیعہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ یہ نکاح محض افسانہ ہے۔

(افسانہ عقد ام کلثوم ص۶)

جواب :۔

عبدالکریم مشتاق کا یہ کہنا کہ یہ علامہ مجلسی کی اپنی رائے ہے۔ جس کی بنیاد مذکورہ روایات ہیں جو صحیح الاسناد ثابت نہیں ہو سکیں۔ یہ مثل سابق سراسر غلط اور بے بنیاد ہے کیونکہ جتنی روایات اور اسناد پر عبدالکریم نے جرح کی ہے ہم نے ان روایات کی اسناد پر ہونے والی جرح کو محض باطل ثابت کر دیا ہے۔ لہذا واضح ہوا کہ علامہ مجلسی کا ان روایات پر اعتماد کرنا صحیح روایات پر اعتماد کرنا ہے۔ دوسرا اگر

علامہ مجلسی نے ان روایات پر اعتماد کیا تو وہ عبدالکریم مشتاق سے کم عالم نہیں تھا جبکہ کتب شیعہ میں مذکور ہے کہ علامہ مجلسی مذہب شیعہ کی اشاعت کا رکن اعظم ہے۔ اور ہر شیعہ مولوی بھی تسلیم کرے گا کہ عبدالکریم مشتاق کی حیثیت علامہ مجلسی کے بالمقابل طفل مکتب کی سی ہے۔ لہٰذا شیعہ مسلک کے رکن اعظم مجلسی کا فیصلہ ٹھکرا کر نکاح ام کلثوم بعمر فاروق کو غلط قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اعتراض :۔

د علامہ شہر آشوب کی رائے :۔ علامہ شہر آشوب نے مناقب میں شیعہ و سنی دونوں طرح کی روایات نقل کی ہیں۔ یہ کتاب ذاتی عقیدے سے بالاتر ہو کر نقل برائے نقل پر مبنی ہے۔ "مجمع الفضائل" کے نام سے اس کا اردو ترجمہ سرکار ادیب اعظم سید ظفر حسن صاحب قبلہ نے شائع فرمایا ہے جو عام دستیاب ہے، اس کتاب کی جلد نمبر دوم ص ۴۷۲ پر یہ ذکر موجود ہے اور اس کے بعد (مترجم نے) یہ تحریر کیا ہے کہ "علامہ شہر آشوب نے یہ رائے صاحب شافی اور صاحب الانوار کی لکھی ہے۔ نہ کہ اپنا عقیدہ۔ شیعوں نے اس تزویج کو کسی وقت بھی تسلیم نہیں کیا اس غلط روایت کی تردید میں متعدد کتابیں لکھی جا چکی ہیں، اس کے بعد والی روایت نقل کرنے کے بعد تحریر ہے کہ "یہ سب معاویہ شاہی ٹکسال کے کھوٹے سکے ہیں۔ ایسی روایات نہ عقلاً صحیح ہیں نہ نقلاً ص ۴۷۲ ۔

(افسانہ عقد ام کلثوم ص ۵۹-۶۰)

جواب :

نکاح ام کلثوم کے حوالہ جات میں ایک حوالہ مناقب شہر آشوب کا بھی گذر چکا ہے جس میں ہے کہ حضرت علی کی اولاد کے متعلق صاحب شافی اور صاحب الانوار نے تعداد لکھی ہے جن میں اٹھارہ لڑکیاں ہیں جن میں بڑی ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر

سے ہوا ہے اس پر عبدالکریم مشتاق نے اعتراض کیا ہے۔

عبدالکریم مشتاق کا مناقب ابن شہر آشوب کے متعلق یہ کہنا کہ یہ کتاب ذاتی عقیدے سے بالاتر ہو کر لکھی گئی ہے۔ یہ قطعی غلط ہے بلکہ علامہ ابن شہر آشوب نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں یہ تصریح کی ہے کہ جتنی احادیث میں اپنی کتاب میں لایا ہوں ان تمام کو میں نے اشعار اور قرآنی آیات کے شواہد سے نقل کیا ہے اور میں نے سرکشی اور ہٹ دھرمی کے بجائے حق کی طرف رجوع کرنے کو ترجیح دی ہے اور وہ جو قرآنِ پاک کے مطابق اور جس کو خلقِ کثیر نے روایت کیا ہے اس کو میں نے اس میں درج کیا ہے۔

(مناقب ابن شہر آشوب جلد اول ص ۱۲-۱۳
مطبوعہ قم (طبع جدید)

اس کا صاف معنی یہ ہے کہ ابن شہر آشوب نے اپنی کتاب میں وہی کچھ نقل کیا ہے جو اس کے نزدیک حق ہے۔ لہٰذا عبدالکریم مشتاق کا یہ کہنا کہ مناقب ابن شہر آشوب نے حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہما کا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے جو عقد ثابت کیا ہے یہ صاحب شافی صاحب الانوار کی رائے ہے اس کا اپنا عقیدہ نہیں۔ سراسر غلط اور بے معنی ٹھہرا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ جب ابن شہر آشوب نے کتاب کے آغاز میں یہ وعدہ کیا ہے کہ میں اس میں معتمد روایات و اخبار نقل کروں گا تو پھر یہ کہنا کہ اس کا یہ اپنا عقیدہ نہیں ہے غلط اور بے معنی ثابت ہوا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر ابن شہر آشوب کا یہ اپنا عقیدہ نہیں بلکہ صاحب صاحب شافی اور صاحب الانوار کی رائے ہے تو میں پوچھتا ہوں کہ علامہ

ابن شہر آشوب کے نزدیک یہ رائے غلط تھی یا صحیح، یہ صحیح تھی تو تم کیوں نہیں مانتے اور اگر اس کے نزدیک یہ رائے صحیح نہیں تھی تو اس نے اس کا رد کیوں نہ کیا۔ جیسا کہ عبدالکریم اس کا رد کرنے میں تڑپ رہے ہیں، اس کے علاوہ میں عبدالکریم سے پوچھتا ہوں کہ آپ صاحب شافی کا مقام ابن شہر آشوب سے کیا کم سمجھتے ہیں۔؟ حالانکہ تم نے تحریف قرآن کے مسئلہ میں آئمہ کی مرفوع روایات کو چھوڑ کر صاحب شافی کے مسلک کو قرآن کے مکمل اور غیر محرف ہونے کے متعلق اپنایا ہے۔ تحریف کے معاملہ میں صاحب شافی پر اتنا اعتبار اور نکاح ام کلثوم کے باب میں اس قدر بے رخی کیا معنیٰ رکھتی ہے۔ پھر مناقب ابن شہر آشوب کے مترجم کی لایعنی شرح نقل کر کے اپنے بڑوں کی رائے اور مسلک پر تنقید کرنا کون سی عقلمندی ہے؟ اللہ تعالیٰ عبدالکریم صاحب کو حق سمجھنے اور عدل و انصاف سے کام لینے کی توفیق عطا فرمائے۔

اعتراض :۔

نکاح زید و ام کلثوم کا بیک وقت فوت ہونا :۔ اس روایت کا راوی سعید بن سالم قداح ہے جو مجہول الحال ہے۔ دیکھئے رجال مامقانی جلد ۱ ص ۶۵ ۱۱۱ (افسانہ عقد ام کلثوم ص ۵۹)

جواب :۔

عبدالکریم مشتاق نے (تہذیب الاحکام جلد ۹ ص ۳۶۲) کی حدیث پر جو جرح کی ہے کہ اس کا راوی سعید بن سالم قداح مجہول الحال ہے بے علمی اور جہالت پر مبنی ہے کیونکہ اگر وہ سعید بن سالم کے اساتذہ اور شاگردوں کے حال کو جان لیتا تو ایسا لفظ کبھی نہ کہتا۔ اور تہذیب الاحکام میں جس قداح سے جعفر بن محمد قمی روایت کرتا ہے وہ سعید بن سالم قداح نہیں وہ عبداللہ بن میمون قداح ہے

چنانچہ اس کی وضاحت جامع الرواۃ سے ملاحظہ فرمائیں۔

جامع الرواۃ :-

جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْاَشْعَرِیُّ وَهُوَ جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ الَّذِی يَرْوِی عَنِ ابْنِ الْقَدَّاحِ كَثِيْرًا (م) .... مُحَمَّدُ بْنُ اَحْمَدَ بْنِ يَحْيٰی عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللهِ الْقُمِّی عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَيْمُوْنِ الْقَدَّاحِ۔

(جامع الرواۃ جلد اول ص ۱۵۷ باب الجیم بعدہ العین مطبوعہ قم۔ ایران)

ترجمہ :- جعفر بن محمد الاشعری اور وہ جعفر بن محمد بن عبیداللہ ہے، جو کہ ابن القداح سے اکثر روایات کرتا ہے .... محمد بن احمد بن یحییٰ، جعفر بن محمد بن عبداللہ القمی سے اور وہ عبداللہ بن میمون سے روایت کرتا ہے۔

تنقیح المقال :-

عَبْدُ اللهِ بْنُ مَيْمُوْنِ الْاَسْوَدُ الْقَدَّاحُ .... عَدَّهُ ابْنُ النَّدِيْمِ فِیْ فِهْرِسْتِهٖ مِنْ فُقَهَاءِ الشِّيْعَةِ وَقَالَ النَّجَاشِیُّ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَيْمُوْنِ بْنِ الْاَسْوَدِ الْقَدَّاحِ مَوْلٰی بَنِیْ مَخْزُوْمٍ يُبْرِیُّ الْقِدَاحَ رَوٰی اَبُوْهُ

عَنْ اَبِیْ جَعْفَرَ وَ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ وَ رَاوِیْ هُوَ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ وَ كَانَ ثِقَةً ...... عَنْ اَبِیْ جَعْفَرَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ يَا ابْنَ مَيْمُوْنٍ كَمْ اَنْتُمْ بِمَكَّةَ قُلْتُ نَحْنُ اَرْبَعَةٌ قَالَ اَمَّا اِنَّكُمْ نُوْرٌ فِیْ ظُلُمَاتِ الْاَرْضِ۔

(تنقیح المقال جلد دوم ص ۲۱۹-۲۲۰ باب عبداللہ مطبوعہ تہران طبع جدید۔)

ترجمہ:۔ عبداللہ بن میمون القداح کو ابن ندیم نے اپنی "فہرست" (کتاب) میں فقہائے شیعہ میں سے شمار کیا ہے۔ اور نجاشی نے کہا کہ عبداللہ بن میمون بن اسود القداح بنی مخزوم کا آزاد کردہ تھا اور تیر تراشا کرتا تھا اس کے باپ نے امام باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام سے روایت کی۔ اور خود اس القداح نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ اور وہ ثقہ راوی تھا۔........ امام باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ (عبداللہ بن میمون کو) اے ابن میمون! تم مکہ میں کتنے آدمی ہو؟ عرض کی چار۔ آپ نے فرمایا کہ تم زمین کے ظلمات (اندھیرے) میں نور ہو۔ (یعنی دنیا میں ہر امت کو نور سے روشن کرنے والے ہو۔)

مذکورہ عبارات سے ثابت ہوا کہ عبدالکریم مشتاق کی یہ سُنی سنائی جرح تھی۔ ورنہ اگر وہ ان کتب کا مطالعہ کر لیتے تو ایسی کمزور اور بے بنیاد جرح نہ کرتے۔ کیونکہ جس

قداح کا حدیث کی سند میں ذکر ہے۔ وہ عبداللہ بن میمون القداح ہے۔ جس کو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے زمین کے اندھیروں کے لیے نور فرمایا ہے۔

لہٰذا یہ روایت بالکل صحیح ہے کہ حضرت ام کلثوم بنتِ علی کا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے عقد ہوا۔ اور اس سے زید بن عمر پیدا ہوئے اور ماں بیٹا ایک وقت میں فوت ہوئے۔

بحث سوم

ام کلثوم زوجۂ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عقد پر
غلام حسین نجفی کی لایعنی قلق

سیدہ ام کلثوم بنت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہا کے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ عقد پر ہم نے کتب شیعہ سے کافی حوالہ جات پیش کیے، اور اس پر کی گئی جرح کا مکمل رد کیا۔ لیکن آج ایک شیعہ کتاب "سہم مسموم فی جواب نکاح ام کلثوم" مؤلفہ غلام حسین نجفی نظر سے گزری جس میں مؤلف کتاب نے اتنی گندی زبان، استعمال کی ہے کہ کوئی چوڑا چمار بھی استعمال نہیں کرتا۔ اس کتاب میں دلائل بہت تھوڑے ہیں مگر گالی گلوچ، ہذلیات وخرافات اور دھوکا بازی سے بہت کچھ کام لیا گیا ہے۔ اس کتاب کے ایک دو مرکزی اعتراض نقل کر کے ان کے جوابات آپ کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں آپ دیکھیں گے کہ نجفی صاحب نے کس قدر دھوکا اور فراڈ سے کام لیا ہے۔

نجفی کی قلعی اوّل

سہم مسموم فی جواب نکاح ام کلثوم:۔

مذکورہ کتب سے یہ ثابت ہوا کہ جب امام حسن رضی اللہ عنہ زوجۂ عمر ام کلثوم کے جنازہ میں شامل تھے تو اس ام کلثوم نے امام حسن رضی اللہ عنہ کی زندگی میں وفات پائی ہے۔ پس بیوۂ عمر ام کلثوم کا اگرچہ سن وفات تاریخ میں نہیں ملتا لیکن اتنا اندازہ تو ہو گیا کہ اس کا سن وفات امام حسن کے سنِ وفات سے پہلے ہے۔

امام حسن رضی اللہ عنہ نے انچاس یا پچاس ہجری میں وفات پائی ہے

ثبوت ملاحظہ ہو۔

۱۔ اہل سنت کی معتبر کتاب تاریخ خمیس جلد ۲ ص۲۹۱

۲۔ اہل سنت کی معتبر کتاب ذخائر العقبیٰ ص۱۴۱ ذکر الحسن

۳۔ 〃 〃 〃 حیوٰۃ الحیوان جلد ۱ ص۸۴ الاوز

۴۔ 〃 〃 〃 الفصول المہمہ ص۱۶۵ ذکر الحسن

۵۔ 〃 〃 〃 تذکرہ خواص الامۃ ص۱۲۱ ذکر الحسن

۶۔ 〃 〃 〃 المعارف ص۹۲ ذکر الحسن

فصول المہمہ اور المعارف کی عبارت ملاحظہ ہو۔

ثُمَّ قَضٰی نُحْبَةً سَنَةِ خَمْسِیْنَ مِنَ الْہِجْرَةِ وَکَانَ وَفَاتُہٗ سَنَةَ تِسْعَةٍ وَّ اَرْبَعِیْنَ۔

ترجمہ:۔ دونوں عبارتوں کا ملخص یہ ہے کہ امام حسن رضی اللہ عنہ نے پچاس یا انچاس ہجری میں وفات پائی ہے۔

نوٹ:۔

مذکورہ عبارتوں سے یہ نتیجہ نکلا کہ چونکہ وہ ام کلثوم جس کو زوجہ عمر فرض کیا گیا ہے۔ اس کے جنازے میں تو امام حسن شریک تھے اور خود امام حسن نے پچاس ہجری میں وفات پائی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ وہ ام کلثوم بن یزید کی ماں اور زوجہ عمر ہے اور دونوں نے بیک وقت وفات پائی ہے۔ ان کی وفات پچاس ہجری سے پہلے ہوئی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ زوجہ عمر ام کلثوم کوئی اور ہے کیونکہ تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ ام کلثوم بنت فاطمہ و علی گیارہ سال بعد ۶۱ھ میں واقعہ کربلا کے وقت موجود تھیں اور تہذیب الاحکام کی روایت میں راوی کو ام کلثوم کی ولدیت میں اشتباہ ہوا ہے کیونکہ بنت فاطمہ کے جنازہ میں امام حسن نے شرکت نہیں کی اور نہ ہی ابن عمر نے ان کا جنازہ پڑھا ہے۔

(سہم مسموم فی جواب نکاح ام کلثوم ص ۲۲۹ مطبوعہ ماڈل ٹاؤن لاہور)

جواب:۔

غلام حسین نجفی شیعی کی بے معنی قلق اس صورت میں درست ہو سکتی ہے جبکہ پہلے یہ ثابت ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں صرف ایک ہی ام کلثوم نامی صاحبزادی ہے کیونکہ پھر تو یہ اعتراض بن سکتا ہے کہ ۵۰ھ سے

پہلے ان کی وفات بھی ہو۔ اور سنہ ۶۱ھ میں کربلا میں بھی وہ موجود ہوں۔ لیکن یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ نجفی کو اس بات کا علم نہ ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں دو صاحبزادیاں ام کلثوم نام کی ہیں۔ ایک تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن اطہر سے ہیں جو کہ ام کلثوم کبریٰ کے نام سے پکاری جاتی ہیں۔ انہی کے ساتھ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عقد ہوا اور دوسری ام کلثوم وہ ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کسی دوسری بیوی سے ہیں۔ جو ام کلثوم صغریٰ کے نام سے یاد کی جاتی ہیں۔ اور یہی میدان کربلا میں سنہ ۶۱ھ میں موجود تھیں۔

اس کا ثبوت معتبر کتب شیعہ سے ملاحظہ فرمائیں۔

کشف الغمہ:-

اَلْاِنَاثُ زَیْنَبُ الْکُبْرٰی وَ اُمُّ کُلْثُوْمِ الْکُبْرٰی وَ اُمُّ الْحَسَنِ وَ رَمْلَةُ الْکُبْرٰی اُمُّ هَانِیْ وَ مَیْمُوْنَةُ وَ زَیْنَبُ الصُّغْرٰی وَ رَمْلَةُ الصُّغْرٰی وَ اُمُّ کُلْثُوْمِ الصُّغْرٰی وَ رُقَیَّةُ وَ فَاطِمَةُ وَ اِمَامَةُ وَ خُدَیْجَةُ وَ اُمُّ الْکِرَامِ وَ اُمُّ سَلَمَةَ وَ اُمُّ جَعْفَرَ وَ جُمَانَةُ وَ نَقِیَّةُ بِنْتُ اُخْرٰی لَمْ یُذْکَرِ اسْمُهَا مَاتَتْ صَغِیْرَةً۔

(۱) کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ مصنفہ علی بن اربلی شیعی جلد اول ص ۴۴۱ ذکر اولادہ الذکور والاناث علیہ و علیہم السلام مطبوعہ تبریز طبع جدید)

(۲) مناقب آل ابی طالب ابن شہر آشوب جلد سوم ص ۳۰۴ فی ازواجہ و اولادہ مطبوعہ قم)

ترجمہ: (حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادیاں یہ ہیں) زینب کبریٰ۔ ام کلثوم کبریٰ
ام الحسن، رملۃ کبریٰ ام ہانی، میمونہ، زینب صغریٰ۔ رملۃ الصغریٰ۔
ام کلثوم صغریٰ، رقیہ، فاطمہ، امامہ، خدیجہ، ام الکرام، ام سلمۃ، ام جعفر
جمانہ، نقیبا اور ایک اور صاحبزادی ہیں جو بچپن کی حالت میں فوت ہو
گئیں ان کا نام مذکور نہیں۔

مذکورہ حوالہ جات سے روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شکم اطہر سے جو ام کلثوم کبریٰ ہیں ان کے علاوہ اور بھی ام کلثوم صغریٰ رضی اللہ عنہا ہیں اس کے علاوہ "مناقب آل ابی طالب" میں صاف الفاظ میں موجود ہے۔

"اُمُّ كُلْثُوْمٍ كُبْرٰى تَزَوَّجَهَا عُمَرُ وَ اُمُّ كُلْثُوْمٍ صُغْرٰى مِنْ كَثِيْرِ بْنِ عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ"

ترجمہ: یعنی ام کلثوم کبریٰ سے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عقد ہوا اور ام کلثوم صغریٰ سے کثیر بن عباس کا عقد ہوا۔

لہٰذا اب اشکال باقی نہ رہا کہ۔ سیدہ ام کلثوم کبریٰ بنت سیدہ فاطمۃ الزہرا زوجہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ جن کا وصال سنہ ۵۰ھ سے پہلے ہوا وہی ام کلثوم ۶۱ھ تک زندہ رہیں ؟ کیونکہ اب تو واضح ہو گیا کہ جس ام کلثوم کبریٰ کا وصال سنہ ۵۰ھ سے پہلے ہوا وہ زوجۂ عمر فاروق ہیں جن کے جنازہ میں حسنین کریمین شریک ہوئے اور جو ام کلثوم سنہ ۶۱ھ میں واقعہ کربلا میں موجود تھیں وہ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہ کسی اور بیوی سے ہیں۔ لیکن مخفی کو یہ تعلق ابھی باقی رہے گی کہ اس کی تفصیل ہماری (شیعہ) کتب میں اگرچہ یہ تو موجود ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ام کلثوم نامی بیٹیاں ایک سے زیادہ تھیں۔ لیکن کسی ہمارے شیعہ مؤرخ سے یہ ثابت نہیں کہ ام کلثوم

بنت فاطمہ کربلا میں موجود نہیں تھیں۔

لہٰذا ان کی تسلی کے لیے ہم شیعہ مؤرخ محمد ہاشم خراسانی کی معتبر تاریخ منتخب التواریخ سے عبارت پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

منتخب التواریخ:۔

در کتاب حجۃ السعادۃ میفرماید نقلہ حدیث از طرق معتبرہ نقل نمودہ اند کر جناب ام کلثوم دختر امیر المومنین ۔ و فاطمہ زہرا ع والدۂ زید بن عمر و رقیہ بنت عمر در حیوٰۃ حضرت مجتبیٰ ع در مدینہ طیبہ از دنیا رحلت نمود و در رحلت او و فرزندش زید در یکروز اتفاق افتاد و تقدم و تاخر موت احدھما معلوم نشد الیٰ ان قال و ام کلثوم بنت علی کہ نام شریفش در رد تعہ طف در ہمہ جا مذکور است شود و خطب و اشعار باو منسوب میگردد ام کلثوم دیگر لیست از سائر زوجات امیر المومنین علیہ السلام چون علی القول الصحیح امیر المومنین ع را از بنات دو زینب بود و دو ام کلثوم زینب کبریٰ زوجۂ عبد اللہ بن جعفر بود و ام کلثوم کبریٰ زوجۂ عمر بن الخطاب بود و ھر دو از صدیقہ طاہرہ بودند و زینب الصغریٰ و ام کلثوم الصغریٰ از سائر امہات بوجود آمدند و شیخ حر در وسائل الشیعہ از عمار یاسر روایت کردہ۔

اُخْرِجَتْ جَنَازَۃُ اُمِّ کُلْثُوْمِ بِنْتِ عَلِیٍّ وَّ ابْنِهَا زَیْدِ بْنِ عُمَرَ وَ فِی الْجَنَازَۃِ الْحَسَنُ وَ الْحُسَیْنُ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ وَّاَبُوْهُرَیْرَۃَ فَوَضَعُوْا جَنَازَۃَ الْغُلَامِ مِمَّا یَلِی الْاِمَامَ وَ الْمَرْاَۃَ

وَدَآئَۃٌ وَقَالُوْا ھٰذَا ھُوَ السُّنَّۃُ

پس معلوم شد کہ جناب ام کلثوم بنت فاطمہ در روز واقعہ طف اصلاً در دنیا نبودہ و مستفاد از روایت مذکورہ آنکہ جناب ام کلثوم کبریٰ در مدینہ طیبہ از دنیا رفت و ظاہراً قبر شریفشان ہم در مدینہ طیبہ باشد۔

(منتخب التواریخ مصنفہ محمد ہاشم خراسانی شیعی ص ۹۵ باب دوم در حالات اولاد مخدرہ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:۔ کتاب حجۃ السعادہ میں فرمایا کہ معتبر طریقوں سے حدیث منقول ہے کہ جناب ام کلثوم دختر امیر المومنین و سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ اور زید بن عمر اور رقیہ بنت عمر نے امام حسن رضی اللہ عنہ کی زندگی میں مدینہ منورہ میں دنیا سے رحلت فرمائی۔ ان کی اور ان کے فرزند زید رضی اللہ عنہ کی رحلت ایک ہی روز واقع ہوئی لیکن دونوں کی وفات کا تقدم و تاخیر معلوم نہیں ہو سکا۔ یہاں تک کہ مصنف (حجۃ السعادہ) نے کہا کہ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا کا اسم گرامی واقعہ کربلا میں ہر جگہ مذکور ہوتا ہے۔ اور خطبے اور اشعار ان کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں۔ وہ ام کلثوم آپ کی دوسری ازواج مطہرات میں سے کسی کی بیٹی ہیں۔ کیونکہ صحیح قول کے مطابق امیر المومنین کی زینب نامی دو صاحبزادیاں اور ام کلثوم نامی بھی دو صاحبزادیاں ہیں۔ زینب کبریٰ زوجہ عبد اللہ بن جعفر تھیں۔ اور ام کلثوم کبریٰ زوجہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھیں۔

اور دونوں (زینب کبریٰ اور ام کلثوم کبریٰ) حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے بطن پاک سے تھیں۔ اور زینب صغریٰ اور ام کلثوم صغریٰ دوسری بیویوں سے تھیں۔

شیخ حر نے وسائل شیعہ میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما اور ان کے صاحبزادے زید بن عمر کا جنازہ اٹھایا گیا۔ اور حسنین کریمین، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم ان کے جنازہ میں شریک تھے۔ ان حضرات نے بچے (حضرت زید بن عمر) کا جنازہ امام کے قریب اور عورت (حضرت ام کلثوم) کا جنازہ اس سے آگے رکھا اور فرمایا کہ یہ سنت طریقہ ہے۔

پس معلوم ہوا جناب ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہما واقعہ کربلا کے وقت دنیا میں زندہ نہ تھیں۔ اور مذکورہ روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب ام کلثوم کبریٰ نے مدینہ منورہ میں وصال فرمایا اور ظاہری طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قبر مبارک بھی مدینہ منورہ میں ہی ہوگی۔

لمحہ فکریہ!

محمد ہاشم بن محمد علی خراسانی شیعی جس کا اس کی اس کتاب کے سرورق پر ان الفاظ میں تعارف کرایا گیا ہے۔

مِنْ تَالِیْفَاتِ الْعَالِمِ وَالثِّقَۃِ الْجَلِیْلِ الْکَامِلِ رُکْنِ الْاِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِیْنَ مَرْحُوْم۔

اور پھر اسی سرورق پر یہ بھی لکھا گیا ہے کہ اس منتخب التواریخ میں جو کچھ

لکھا گیا ہے وہ شیعہ کے معتمد اصول اور معتبر تواریخ سے لکھا گیا ہے۔ اور خود محمد ہاشم خراسانی نے مذکورہ واقعہ نقل کرنے سے پہلے واضح کیا ہے کہ معتبر طریقوں سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے۔

اب اس کے بعد بھی اگر نجفی صاحب کی قلق ختم نہ ہو تو پھر یقین کر لیجئے کہ ان کا علاج سوائے قبر کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ اور انتہائی افسوس کی بات یہ ہے کہ ان کی کتاب "سہم مسموم" میں اس قدر جھوٹ اور غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے جس کی تردید خود کتب شیعہ میں ہی موجود ہے۔ جس کا ہم بعد میں پوری وضاحت کے ساتھ آپ حضرات کے سامنے باحوالہ ثبوت پیش کریں گے۔

کم از کم نجفی صاحب کو یہ تو سوچ لینا چاہیئے تھا کہ جب ان کے بڑے بڑے اور اکابر اہل تشیع نے اس نکاح کو تسلیم کیا ہے جیسے کہ اس سے پہلے ہم نے معتبر کتب شیعہ سے کافی حوالہ جات پیش کیے ہیں۔ تو انہیں اپنے بڑوں کے سر پر جوتے نہیں مارنے چاہئیں کہ وہ سب ہی غلط ہیں۔ اور صرف انہیں ہی صحیح مذہب شیعہ کی سمجھ آئی ہے۔ اگر نجفی جی نے اپنے نام کے ساتھ ... حجۃ الاسلام کا دم چھلا لگایا ہے۔ تو صاحب منتخب التواریخ بھی اپنی جگہ رکن الاسلام ہے۔ بہر حال حجۃ الاسلام، رکن الاسلام کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

نجفی صاحب کی قلق دوم

ام کلثوم بنت فاطمہ سنہ ۶۱ھ میں زندہ اور موجود تھیں۔

ثبوت ملاحظہ ہو۔

اہل سنت کی معتبر کتاب الاخبار الطوال ص ۲۲۸ ذکر خروج الحسین من مدینۃ۔

فَلَمَّا اَمْسَوْا وَاَظْلَمَ اللَّيْلُ مَضَى الْحُسَيْنُ اَيْضًا مَكَّةَ وَمَعَهُ اُخْتَاهُ اُمُّ كُلْثُومٍ وَزَيْنَبُ ۔

ترجمہ:۔ جب شام کا وقت ہوا اور رات تاریک ہو گئی تو امام حسین نے مدینہ سے سفر کیا اور آنجناب کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہنیں۔

زینب اور ام کلثوم تھیں۔

نوٹ:

ام کلثوم بنت فاطمہ کا کربلا میں موجود ہونا اس پر شیعوں کا اتفاق ہے اور علمائے اہل سنت کی تائید بھی ہم نے پیش کر دی ہے۔

نتیجہ بحث:۔

ام کلثوم بنت فاطمہ ۶۱ھ میں کربلا میں موجود تھی اور پھر قید ہو کر کوفہ میں بھی آئی ہے۔ اور کوفہ کی عورتوں نے جب صدقہ کی کھجوریں آل نبی کے بچوں پر پھینکیں تو ینابیع المودۃ صفحہ ۳۵۰ ج ۲ باب نمبر ۶۱ میں لکھا ہے کہ ام کلثوم نے صدقے کی کھجوریں بچوں سے لے کر پھینک دیں۔ اور فرمایا۔ کہ اِنَّ الصَّدَقَةَ عَلَيْنَا حَرَامٌ یہ صدقہ ہم پر حرام ہے

اعتراض:۔

کربلا میں جو ام کلثوم تھی وہ بنت فاطمہ نہیں ہے وہ حضرت علی کی بیٹی ہیں۔ آنجناب کی کسی دوسری زوجہ سے۔

جواب:۔

کربلا اور کوفہ میں مصیبت جھیلنے والی اور دمشق میں قید گزار کر مدینہ میں آنے

والی ام کلثوم بنت فاطمہ سے۔ ثبوت ملاحظہ ہو۔

اہل سنت کی معتبر کتاب ینابیع المودۃ ص۳۵۴ باب ع۶۱

وَ اَمَّا اُمُّ کُلْثُوْمٍ فَحِیْنَ تَوَجَّهَتْ اِلَی الْمَدِیْنَةِ جَعَلَتْ تَبْکِیْ وَ تَقُوْلُ شِعْرًا۔

ترجمہ:۔ اور ام کلثوم جب مدینہ آئیں تو رونے لگیں اور مرثیہ پڑھا۔

مَدِیْنَةَ جَدِّنَا لَا تَقْبَلِیْنَا
فَبِالْحَسَرَاتِ وَ الْاَحْزَانِ جِئْنَا

ترجمہ:۔ اے ہمارے نانا رسول کا شہر تو ہمیں قبول نہ کر ہم اپنے دلوں میں کئی حسرتیں اور غم لے کر آئے ہیں۔

اَفَاطِمَةُ مَا لَقِیْتُ مَا عَدَاكِ
وَلَا قِیْرَاطٌ مِمَّا قَدْ لَقِیْنَا

ترجمہ:۔ اے فاطمہ زہرا جو دکھ دشمنوں سے آپ نے دیکھے ہیں وہ کم ہیں اس دکھ اور تکلیف سے جو ہم دیکھ کر آئے ہیں۔

وَ نَحْنُ بَنَاتُ یٰسٓ وَ طٰهٰ
وَ نَحْنُ الْبَاقِیَاتُ عَلٰی اَبِیْنَا

ترجمہ:۔ ہم ہیں اس رسول کی بیٹیاں جس کا لقب یٰسٓ اور طٰہٰ ہے اور ہم اپنے باپ پر رو رہی ہیں۔

اَلَا یَا جَدَّنَا قَتَلُوْا حُسَیْنًا
وَلَمْ یُرَاعُوْا جَنَابَ اللّٰهِ فِیْنَا

ترجمہ:۔ اے نانا رسول لوگوں نے ہمارے حسین کو قتل کیا اور اللہ کی جناب کا لحاظ نہ کیا۔

نوٹ

بی بی کا یہ درد بھرا مرثیہ ہے جو ۶۲ھ میں دمشق سے واپسی کے بعد مدینہ کی دیواروں کو دیکھ کر بی بی نے پڑھا تھا اور رسول اللہ کو نانا کہہ کر پکارا گیا۔ کہہ سنایا ہے اگر یہ ام کلثوم بنت فاطمہ نہ ہوتی تو نبی کریم کو نانا کہہ کر خطاب نہ کرتیں۔ اور وہ نبی جس کا لقب لیس اور طٰہٰ ہے۔ اس کی بیٹی ہونے کا دعوٰی نہ فرماتیں۔ پس معلوم ہوا کہ یہ ام کلثوم بنت فاطمہ ہیں:۔

جناب امیر کی دوسری ازواج کی اولاد نے کبھی اولاد رسول ہونے کا دعوٰی نہیں فرمایا۔

(سہم مسموم فی جواب نکاح ام کلثوم ص ۲۴۱-۲۴۲-۲۴۳ مطبوعہ ماڈل ٹاؤن لاہور)

جواب اوّل:۔

نجفی شیعی نے بے معنی دو ورق کالے کیے ہیں۔ جن کا خلاصہ صرف دو لفظوں میں یہ ہے۔ کہ سنیوں کی دو معتبر کتب میں یہ ثابت ہے کہ ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا ۶۱ھ تک زندہ رہیں اور اس کے بعد نجفی کہتا ہے۔ کہ ام کلثوم بنت فاطمہ کے کربلا میں موجود ہونے پر شیعوں کا تو اتفاق ہے لیکن ہم نے علمائے اہلسنت کی معتبر کتاب اخبار طوال سے بھی اس کی تائید پیش کر دی ہے مجھے حیرت ہے کہ اس کذاب نجفی کو جھوٹ بولتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ جبکہ اپنا لقب حجۃ الاسلام لکھتا ہے پھر اتنا صریح جھوٹ کیوں بولتا ہے؟

اہل سنت نے کس اخبار طوال کو اپنی معتبر کتاب سمجھا ہے۔؟ حالانکہ اہل تشیع کے سماء رجال کے امام تو یہ لکھتے ہیں کہ اگرچہ اس کے مذہب کی ہمیں تحقیق نہیں لیکن اگر یہ امامی شیعہ ہے تو پھر بہت بڑا مضبوط امامی ہے۔

کیونکہ یہ بہت بڑا عالم اور ثقہ آدمی ہے،
لہٰذا اصل عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

تنقیح المقال:۔

وَ اَقُوْلُ اِنْ كَانَ اِمَامِيًّا كَانَ مِنَ الثِّقَاتِ لِتَوْثِيْقِ ابْنِ النَّدِيْمِ وَحَيْثُ لَمْ يَتَحَقَّقْ لَنَا مَذْهَبُهٗ لَمْ نَعُدَّهٗ اِلَّا مُوَثَّقًا اَخْذًا بِالْقَدْرِ الْمُتَيَقَّنِ وَ الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى۔

(تنقیح المقال عبد اللہ مامقانی شیعی جلد اول
ص۶۷ باب احمد مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:۔ اور میں (مصنف کتاب عبد اللہ مامقانی) کہتا ہوں کہ اگر وہ (احمد بن داؤد دینوری صاحبِ الاخبار الطوال) امامی شیعہ تھا۔ تو پھر ابن ندیم کی توثیق کے مطابق ثقہ تھا۔ اور اگرچہ ہمیں اس کے مذہب کی پوری تحقیق نہیں ہوئی لیکن پھر بھی ہم اسے قدرِ تیقن کے مطابق سوائے ثقہ ہونے کے شمار نہیں کریں گے۔

عبد اللہ مامقانی شیعی کی تحقیق سے یہ ثابت ہوا کہ صاحب اخبار طوال ان کے نزدیک ثقہ ہے اور اگر امامی شیعہ ہے تو پھر بہت ثقہ امامی ہے عبد اللہ مامقانی کو تو سنی معلوم نہ ہوا لیکن تحفی صاحب کہ جن کے مذہب میں ایمان کی جزو بھی تقیہ اور جھوٹ ہے انہوں نے اخبار طوال کو اہل سنت کی معتبر کتاب قرار دیا۔ جبکہ ہمارے اسمائے رجال میں ابو حنیفہ احمد بن داؤد دینوری کا مجھے کوشش

کے باوجود نام تک نہیں ملا اور نجفی صاحب نے دوسری کتاب ینابیع المودۃ کو اہل سنت کی معتبر کتاب قرار دیا۔ اس کو بھی ہمارے کسی مستند عالم نے اپنے مذہب کی معتبر کتاب نہیں گردانا کیونکہ وہ اول سے لے کر آخر تک اصول اہلسنت کے خلاف لکھی گئی ہے وہ ائمہ معصومین کے نام سے ائمہ اہل بیت کے فضائل بیان کرتا ہے جبکہ ہمارا اہلسنت کا یہ عقیدہ ہے کہ انسانوں میں سے سوائے انبیاء کرام کے کوئی معصوم نہیں ہوتا۔ دوسرے اس کی روایات اکثر و بیشتر شیخ صدوق وغیرہ معتبر شیعہ راویوں سے منقول ہیں۔ اس لیے اس کتاب کو اہل سنت کی معتبر کتاب قرار دینا سراسر غلط اور بے معنی ہے۔

لہذا ثابت ہوا کہ اس مذکورہ اعتراض میں جن کتابوں سے ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا سنہ ۶۱ھ تک زندہ ہونا ثابت کیا گیا ہے یہ ہمارے اہل سنت کی معتبر کتب نہیں بلکہ اسمائے رجال اہل تشیع کی تحقیق سے یہ ثابت ہوا ہے۔ کہ اخبار طوال معتبر امامی شیعہ کی کتاب ہے اور ینابیع المودۃ اہل سنت کے نزدیک غیر معتبر اور شیعہ لوگوں کی کتاب ہے۔

لہذا ہمارے لیے ان دونوں کتابوں کی کوئی عبارت بھی قابل حجت نہیں ہو سکتی۔

جواب دوم:۔

نجفی صاحب شیعہ نے دو مذکورہ کتابوں سے جو استدلال کیا ہے اس کا اصل صرف دو لفظ ہیں۔ پہلا لفظ یہ ہے کہ (۱) مَضَی الْحُسَیْنُ ایضا مکۃ ومعہ اختاہ ام کلثوم و زینب۔ یعنی جب امام حسین رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ سے سفر کیا تو ان کے ساتھ ان کی دو ہمشیرہ ام کلثوم اور زینب تھیں۔ دوسرا لفظ (۲) جب ام کلثوم کربلا سے واپس مدینہ پہنچیں تو انہوں نے اپنے

مرثیہ میں یہ الفاظ کہے۔

یَاجَدَّ نَاقَتَلُوْا حُسَیْنَنَا

یعنی اے نانا رسول لوگوں نے ہمارے حسین کو قتل کیا۔

اِن دو لفظوں سے نجفی صاحب نے اپنی جہالت کے بل بوتے پر مطلق ام کلثوم کو ام کلثوم بنتِ فاطمہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن تعجب ہوتا ہے کہ دعوے تو ان کا ام کلثوم بنت فاطمہ کا ۶۱ھ میں زندہ ہونا ثابت کرنا تھا مگر جو دو عبارتیں بناوٹی کتب اہل سنت سے پیش کی ہیں ان میں صرف لفظ ام کلثوم ہے۔ ام کلثوم بنت فاطمہ کا کوئی لفظ نہیں۔ حالانکہ ہم نجفی صاحب کے پہلے اعتراض کے جواب میں معتبر طرق سے ایسی حدیث نقل کر چکے ہیں جس کو ہاشم خراسانی شیعی نے اپنی معتبر تاریخ منتخب التواریخ میں لکھا ہے کہ جو ام کلثوم کبریٰ بنت فاطمہ زوجہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں ان کے جنازہ میں حسنین کریمین شریک ہوئے ہیں بخلاف اس ام کلثوم کے جو کہ کربلا میں امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھیں ان کے متعلق ہاشم خراسانی شیعی نے صاف الفاظ میں ثابت کیا ہے کہ وہ ام کلثوم بنت فاطمہ نہیں بلکہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دوسری زوجہ سے آپ کی بیٹی ہیں۔ لہٰذا نجفی صاحب کو تو یہ ثابت کرنا چاہیئے تھا۔ کہ کربلا میں اور کربلا کے بعد مدینہ طیبہ میں واپس آنے والی اور اشعار کہنے والی ام کلثوم، ام کلثوم کبریٰ بنت فاطمہ ہیں۔ بلکہ ان کو اس ام کلثوم کا پورا تعارف کرانا چاہیئے تھا کہ وہ ام کلثوم جو کربلا میں گئیں وہ کس کے عقد میں تھیں کیونکہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ انہوں نے ساری زندگی بغیر عقد کے گزاری ہو۔ اور اس کے بعد نجفی کو یہ بھی ثابت کرنا چاہیئے تھا کہ وہ ام کلثوم کبریٰ بنت فاطمہ تھیں۔ اہل سنت کی کسی معتبر کتاب سے ایک مسند مرفوع اور صحیح روایت جو اہل سنت کے نزدیک معتبر ہو اس سے نجفی یا ان کے مذہب کا کوئی مجتہد یہ ثابت کر دے کہ سیدہ ام کلثوم

بنتِ فاطمہ رضی اللہ عنہا مع ان کے خاوند کے نام کے کربلا میں موجود تھیں تو میں دس ہزار روپیہ انعام پیش کروں گا۔

اور میں دعوای سے کہتا ہوں کہ نجفی شیعی کی اگر اس قلق کے ساتھ آنت بھی پھٹ جائے تو وہ ایسی صفات کی ام کلثوم کا کربلا سے مدینہ واپس آنا ثابت نہیں کر سکے گا، کیونکہ جو ام کلثوم کبریٰ بنت فاطمہ ہیں وہ زوجۂ عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں ان کے جنازہ میں حسنین کریمین نے شرکت کی اور وہ کربلا میں نہیں گئیں بلکہ ان کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی اور وہیں مدفون ہوئیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ اب نجفی کے استدلال کے دو اصل ہیں ان کی حقیقت حال اور ان کا وزن آپ حضرات کے سامنے پیش کیا جاتا ہے آپ نظر انصاف سے یہ فیصلہ کریں کہ اس میں کس قدر وزنی دلائل ہیں۔ پہلا لفظ "مَعَہٗ اُخْتَاہُ اُمُّ کُلْثُوْمٍ وَّ زَیْنَبُ"، ہے یعنی کربلا میں امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی دو بہنیں ام کلثوم اور زینب تھیں۔ ہم پوچھتے ہیں کیا وہ ام کلثوم جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کسی دوسری بیوی سے بیٹی تھیں وہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی اخت (بہن) نہیں ہو سکتی ہیں؟ کیا لفظ اخت۔ اختِ حقیقی، اخت علاتی اور اختِ اخیافی پر صادق نہیں آتا؟ جن کا تمام ری علم میراث میں بڑی وضاحت کے ساتھ بیان موجود ہے۔ لہٰذا صرف ام کلثوم کے ساتھ لفظِ اخت سے یہ استدلال کرنا کہ وہ ام کلثوم بنتِ فاطمہ ہی ہو سکتی ہیں بنتِ علی نہیں ہو سکتیں یہ نجفی صاحب کے یتیم فی العلم ہونے کی دلیل ہے۔

اور دوسرا لفظ ہے جو کہ ام کلثوم رضی اللہ عنہ نے مدینہ واپسی پر، "یَا جَدَّنَا قَتَلُوْا حُسَیْنًا"، کہا یعنی اے نانا رسول لوگوں نے ہمارے حسین کو قتل کر دیا۔ اس سے یہ استدلال کرنا کہ نانا رسول وہی کہہ سکتی ہے جو ام کلثوم

بنتِ فاطمہ ہے۔ ہمارا پھر سوال ہے کہ وہ ام کلثوم جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کسی دوسری بیوی سے ہیں۔ کیا حضور علیہ السلام کو نانا نہیں کہہ سکتیں؟

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ان کی کیا لگتی ہیں؟ کیا باپ کی بیوی کو ماں کہا جاتا ہے۔ کہ نہیں؟ پھر ماں کے والد کو نانا کہا جاتا ہے کہ نہیں؟ معلوم ہوا ان دونوں لفظوں سے (ام کلثوم کبریٰ بنت فاطمہ ہی مراد ہو سکتی ہے) پر استدلال کرنا کچھ وزن نہیں رکھتا بلکہ یہ تو ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہے۔ جو کنارے نہیں لگا سکتا۔ اللہ تعالیٰ ان نجفی صاحب کو داماد علی، عمر فاروق رضی اللہ عنہما پر تبرہ بازی اور گندی زبان استعمال کرنے سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

نجفی صاحب کی لایعنی قلق سوم

سہم مسموم کے صفحہ ۲۸۸ تا ۳۰۰ تک عبارت

کا خلاصہ

نجفی صاحب شیعہ نے جو ۱۲ صفحات اپنی سہم مذموم کے کالے کیے ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ کتاب ابن طبقات جلد ۸ ص ۴۶۳ پر موجود ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد ام کلثوم بنتِ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے عون بن جعفر ان کے بعد محمد بن جعفر اور ان کے بعد عبداللہ بن جعفر نے عقد کیا۔ اور اس کو نجفی نے تاریخی رو سے ثابت کیا کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد عون بن جعفر، محمد بن جعفر اور عبداللہ بن جعفر کے ساتھ ام کلثوم بنتِ فاطمہ کا عقد غلط ہے کیونکہ عون اور

محمد تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قلعہ تستر کی فتح میں شہید ہو گئے تھے۔ لہٰذا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد ان کے ساتھ ام کلثوم بنت فاطمہ کا عقد کیسے ہو سکتا ہے۔

اس کے علاوہ طبقات بن سعد میں موجود ہے کہ عبداللہ بن جعفر نے زینب بنت فاطمہ کے بعد ام کلثوم بنت فاطمہ سے عقد کیا حالانکہ زینب بنتِ فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت عبداللہ کے عقد میں فوت ہوئیں۔ اور ام کلثوم کے وصال کے بعد ان کا وصال ہوا تو پھر کیسے ثابت ہو سکتا ہے کہ زینب بنتِ فاطمہ کے بعد ام کلثوم بنتِ فاطمہ سے عقد کیا ہو۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ طبقات ابن سعد کی روایت جس میں یہ مذکور ہے کہ ام کلثوم بنتِ فاطمہ کا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے عقد ہوا اور ان کے بعد عون ان کے بعد محمد اور ان کے بعد عبداللہ سے عقد ہوا یہ سراسر غلط اور لغو روایت ہے۔

جواب :-

نجفی کی مذکورہ قلق سے زیادہ سے زیادہ یہی ثابت ہوتا ہے کہ طبقات ابن سعد کی روایت غلط ہے اور اس سے ام کلثوم بنت فاطمہ کا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے عقد ثابت نہیں ہوتا تو میں کہتا ہوں کہ اس روایت کو تو ہم بھی سراسر غلط سمجھتے ہیں۔ کیونکہ یہ بے سند ہے لیکن حیرت تو یہ ہے کہ طبقات کے اسی صفحہ پر جو مسند اور صحیح روایات تھیں وہ نجفی کو کیوں نظر نہ آئیں جن میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد عون و محمد و عبداللہ پسران جعفر بن ابی طالب کا لفظ تک موجود نہیں۔ ان صحیح روایات کو چھوڑ کر غلط اور بے سند روایت کے پیچھے پڑنے کا نجفی کو کیا شوق تھا۔؟ لیکن اسے معلوم تھا کہ ان روایات میں سیدہ ام کلثوم کا حضرت عمر سے عقد بلا کسی نقص کے ثابت ہے۔

مجھے سمجھ نہیں آتی کہ نجفی کے نزدیک طبقات ابن سعد کی بے سند روایت زیادہ معتبر ہے یا تہذیب الاحکام استبصار، الشافی اور قرب الاسناد وغیرہ کی باسند روایات معتبر ہیں، اور پھر طبقات ابن سعد کی ایک بے سند روایت جس کو کوئی بھی صاحبِ علم قابلِ استدلال نہیں بنا سکتا اس کے رد کرنے میں نجفی نے ۱۲ صفحات کیوں کالے کئے ہیں؟ جبکہ کتب شیعہ جیسا کہ صحاحِ اربعہ میں سے تہذیب الاحکام، استبصار، اور فروع کافی میں یہ روایت موجود ہے کہ ام کلثوم بنتِ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا عقد عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ہوا اور ان کے وصال کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی صاحبزادی ام کلثوم کو اپنے گھر لے گئے۔ اگرچہ اس سے پہلے میں تقریباً پندرہ ۱۵ عدد روایات ام کلثوم بنتِ فاطمہ کے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ عقد ہونے پر معتبر کتب اہل تشیع سے پیش کر چکا ہوں لیکن صرف مسند اور مرفوع ثابت کرنے کے لیے دو تین روایات اور پیش کرتا ہوں لہٰذا آپ ملاحظہ فرمائیں۔

قرب الاسناد:-

اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللہِ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدٌ حَدَّثَنِیْ مُوْسٰی قَالَ حَدَّثَنَا اَبِیْ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ جَعْفَرَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ عَلِیًّا نَقَلَ ابْنَتَهٗ اُمَّ کُلْثُوْمٍ فِیْ عِدَّتِهَا حَیْثُ مَاتَ زَوْجُهَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِاَنَّهَا کَانَتْ فِیْ دَارِ الْاِمَارَةِ۔

(قرب الاسناد مصنفہ ابی العباس عبداللہ بن جعفر قمی شیعہ جزء دوم ص۱۰۱ کتاب النفقات باب النفقۃ علی الحامل المتوفی عنها زوجها مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:- خبر دی ہمیں عبداللہ نے اور خبر دی محمد نے کہ حدیث بیان کی مجھ سے

موسیٰ نے۔ کہا اس نے کہ حدیث بیان کی مجھ سے میرے باپ نے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے اپنے دادا جعفر بن محمد سے اُن سے ان کے باپ نے انہوں نے اپنے دادا سے کہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر منتقل کر لیا جب کہ ان کے شوہر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی اور وہ دارالامارت میں عدت گزار رہی تھیں۔

تہذیب الاحکام :۔

مُحَمَّدُ بْنُ اَحْمَدَ بْنِ یَحْیٰی عَنْ جَعْفَرَ بْنِ مُحَمَّدِنِ الْقُمِّیِّ عَنِ الْقَدَّاحِ عَنْ جَعْفَرَ عَنْ اَبِیْهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ مَاتَتْ اُمُّ کُلْثُوْمٍ بِنْتُ عَلِیٍّ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَ ابْنُهَا زَیْدُ بْنُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِیْ سَاعَةٍ وَّاحِدَةٍ لَّا یُدْرٰی اَیُّهُمَا هَلَكَ قَبْلُ فَلَمْ یُوْرَثْ اَحَدُهُمَا مِنَ الْاٰخَرِ وَصَلّٰی عَلَیْهِمَا جَمِیْعًا۔

(تہذیب الاحکام مصنفہ شیخ الطائفہ ابی جعفر طوسی شیعی جلد ۹ صفحہ ۳۶۲-۳۶۳ فی میراث الغرقی والمهدوم علیهم فی وقتٍ واحد مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:۔ محمد بن احمد بن یحییٰ نے جعفر بن محمد القمی سے اس نے قداح سے

اور اس نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے انہوں نے اپنے والد گرامی سے روایت بیان کی ہے کہ سیدہ ام کلثوم بنت علی علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے حضرت زید بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما نے ایک ہی ساعت میں انتقال فرمایا لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان دونوں میں سے پہلے کس کا انتقال ہوا۔ ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کا وارث نہیں بنا۔ اور ان دونوں کی نمازِ جنازہ اکٹھی ادا کی گئی۔

الاستبصار:

مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ زِيَادٍ عَنِ ابْنِ سَمَاعَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سِنَانٍ وَ مُعَاوِيَةَ بْنِ عَمَّارٍ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ سَاَلْتُهُ عَنِ الْمَرْاَةِ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا اَتَعْتَدُّ فِيْ بَيْتِهَا اَوْ حَيْثُ شَاءَتْ قَالَ بَلْ حَيْثُ شَاءَتْ اِنَّ عَلِيًّا عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا تُوُفِّيَ عُمَرُ اَتٰى اِلٰى اُمِّ كُلْثُوْمٍ فَانْطَلَقَ بِهَا اِلٰى بَيْتِهِ۔

(الاستبصار مصنفہ شیخ الطائفہ ابی جعفر طوسی شیعی جلد سوم ص ۳۵۲ باب المتوفی عنها زوجها هل يجوز لها انه تبيت عن منزلها ام لا مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: (بحذف اسناد) معاویہ بن عمار نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے آپ سے اس عورت کے متعلق

دریافت کیا جس کا خاوند فوت ہو جائے وہ عدت اپنے گھر میں گزارے یا جہاں وہ چاہے ؟ تو آپ نے فرمایا بلکہ جہاں چاہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو اپنے گھر لے آئے تھے۔

قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا کہ نجفی صاحب نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی کچھ اولاد کو ان کی اولاد سے نکالنے کی کس قدر لایعنی کوشش کی ہے وہ بھی واضح ہو گئی کہ جس ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے عقد ہے۔ وہ حسنین کریمین کی حقیقی ہمشیرہ ہیں جن کے جنازہ میں حسنین کریمین خود شامل ہوئے۔ اور جس ام کلثوم کو یہ بنت فاطمہ ثابت کر کے کربلا میں موجود دکھاتے ہیں وہ ام کلثوم بنت فاطمہ نہیں بلکہ وہ حضرت علی کی دوسری بیوی سے آپ کی بیٹی ہیں۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

شیعہ سنی کا مسلمہ قانون

شیعہ لوگوں کا ہی نہیں بلکہ اہل سنت کے نزدیک بھی یہ قانون مسلمہ ہے کہ ایک روایت اگرچہ وہ ضعیف ہی کیوں نہ ہو اگر وہ چند طرق سے منقول ہو تو اس کا ضعف جاتا رہتا ہے۔

لہٰذا وہ روایت جو مختلف طرق سے منقول ہو۔ اس کو اس بنیاد پر اس روایت پر ترجیح دی جاتی ہے جو کہ ایک ہی طریقہ سے منقول ہو۔ اور آپ نے دیکھ لیا کہ ام کلثوم زوجہ عمر فاروق رضی اللہ عنہا کو حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد اپنے گھر لے آئے۔ یہ روایت کثیر طرق

سے معتبر کتب شیعہ میں پائی جاتی ہے۔

تو اس کے باوجود اگر کوئی شیعہ ایک وضعی اور شاذ روایت کو لے کر سیدہ ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہما کا جو فاروق اعظم رضی اللہ سے عقد ہے اس کا انکار کرے تو حقیقت میں وہ ایک مسلمہ قانون کا انکار کرتا ہے۔ اور یہ قانون صرف سطحی ہی نہیں بلکہ حقیقت پر مبنی ہے جب کسی روایت کے راوی کثیر ہوں گے تو لازمی بات ہے کہ ان تمام کا خطاء پر جمع ہونا محال عادی ہو گا۔

لہٰذا اب آپ معتبر کتب شیعہ سے کتاب معالم الاصول کی اصل عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

معالم الاصول:۔

مِنْهَا التَّرْجِيحُ بِالسَّنَدِ وَ يَحْصِلُ بِأُمُوْرٍ الْاَوَّلُ كَثْرَةُ الرُّوَاةِ كَاَنْ يَكُوْنُ رُوَاةُ اَحَدِهِمَا اَكْثَرَ عَدَدًا مِنْ رُوَاةِ الْاٰخِرِ فَيُرَجَّحُ مَا رُوَاتُهُ اَكْثَرُ بِقُوَّةِ الظَّنِّ اِذِ الْعَدَدُ الْاَكْثَرُ اَبْعَدُ عَنِ الْخَطَاءِ مِنَ الْاَقَلِّ۔

(کتاب معالم اصول للشیخ جمال الدین ابو منصور حسن بن زین الدین الشیعی المطلب التاسع خاتمۃ المتوفی ۱۰۱۱ھ مطبوعہ قدیم۔ ایران سن طباعت ۱۲۹۰ھ)

ترجمہ:- کسی روایت کے صحیح اور ثقہ ہونے کے جو اصول ہیں ان میں سے سند کے اعتبار سے ترجیح ہے اور یہ چند امور کے ساتھ حاصل ہوتی ہے پہلا ہے کثرتِ رواۃ کہ جب ایک روایت کے راوی دوسری روایت کے راویوں سے زیادہ ہوں تو اسی روایت کو ترجیح دی جائے گی جس کے راوی زیادہ ہوں کیوں کہ اس سے ظن (علم) میں قوت ملتی ہے کیونکہ کثیر راوی، قلیل راویوں کی بہ نسبت خطا کم کرتے ہیں:-

الحاصل:-

نجفی شیعی کو اس مذکورہ اصول کا پاس رکھنا چاہیئے اور اپنے مسلک کی بنیاد کو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حسد و بغض کی گندی زبان کی کلہاڑی سے کاٹنا نہیں چاہیئے۔ نجفی سے گزارش ہے کہ ایک دن ضرور مرنا ہے اور یہ گندی زبان جو تم صحابہ کرام خصوصاً عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حق میں استعمال کرتے ہو۔ اس کا ضرور حساب ہوگا اور یہ جو تم صرف اپنے چند چیلوں کو خوش کرنے کے لیے اسلام کے بہت بڑے پہاڑ سے ٹکر لے رہے ہو اس کا تمہیں خمیازہ بھگتنا ہوگا۔ اور میں نے جو تمہاری کتاب سے تین عدد تمہارے اعتراض نقل کیے ہیں ان کے پڑھنے سے اس قدر دل جلا میں چاہتا تھا کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دوں مگر پھر خیال آیا کہ اگر میں بھی نجفی جیسی زبان استعمال کروں تو مجھ میں اور ان میں کیا فرق رہے گا۔ ان کی تو فطرت میں تبرہ بازی داخل ہے جس کے لیے عقل اور شرع کے نزدیک کسی قسم کا جواز نہیں:-

فاعتبروا یا اولی الابصار

☆

قلق چہارم

نجفی صاحب کی ایک نہایت دل آزار گستاخی

اپنی روحانی ماں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں،

سہم مسموم

اعتراض:۔

بی بی عائشہ کم سن تھی اور رسول اللہ کا بھی تو ان سے رشتہ ہو گیا تھا۔

جواب نجفی:۔

بی بی عائشہ کی کم سنی والا افسانہ بے بنیاد ہے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ مائی صاحبہ شادی کے وقت مطلقہ تھی اور ستر ۷۰ برس کی تھی۔

(سہم مسموم فی جواب نکاح ام کلثوم مصنفہ غلام حسین نجفی ص ۲۶۲ مطبوعہ لاہور)

جواب اہل سنت :۔

نجفی شیعی نے مائی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مطلقہ ہونے پر جو طبقات ابن سعد جلد نمبر ۸ ص نمبر ۵۹ سے روایت پیش کی ہے اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

ترجمہ :۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر سے عائشہ کا رشتہ مانگا۔ ابوبکر نے عرض کی کہ میں یہ رشتہ مطعم کو اس کے بیٹے جبیر کی خاطر دے چکا ہوں۔ پس آپ مجھے مہلت دیں تاکہ میں اسے ان سے واپس لوں ۔پس ابوبکر نے مذکورہ رشتہ واپس لیا اور انہوں نے بی بی عائشہ کو طلاق دے دی۔ اور پھر نبی کریم نے اس سے شادی کی۔

(سہم مسموم فی جواب نکاح ام کلثوم ص ۱۵۲)

مذکورہ روایت جو نجفی صاحب نے بغیر سند کے طبقات ابن سعد کی نقل کی ہے یہ حدیث اہل سنت کے نزدیک ہرگز قابل قبول نہیں ہے۔ کیونکہ یہ سند کے اعتبار سے نہایت ہی مجروح ہے کیونکہ اس کے دونوں پہلے راوی عبداللہ بن ابی ملیکہ اور اجلح کا فن رجال میں کوئی وزن نہیں ہے کیونکہ عبداللہ بن ابی ملیکہ اس قدر مجہول ہے کہ کتب اسمائے رجال اہل سنت میں تو اس کا نام تک نہیں ملتا، چہ جائے کہ اس کے ثقہ ہونے کو تسلیم کیا جائے اور کتب اسمائے رجال اہل تشیع میں اس کا نام تو موجود ہے مگر اس کے حالات قطعاً مذکور نہیں بلکہ اس کو مجہول لکھا ہے۔ لہذا جامع الرواۃ جلد اول ص ۴۶۷ پر صرف اس کا نام لکھنے پر ہی اکتفا کیا گیا جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ یہ سخت مجہول الحال ہے۔

☆

پہلے راوی عبد اللہ ابن ابی ملائکہ کے حالات

تنقیح المقال:۔

عدہ الشیخ فی رجالہ من اصحاب السجاد وحالہ کسابقہ۔

ترجمہ:۔ شیخ طوسی نے اس کو امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں شمار کیا ہے اور اس کے حال کے متعلق لکھا ہے کہ وہ عبد اللہ بن ابی محمد بصری کا سا ہے۔

اور اس کے متعلق یوں لکھا۔ ظاھرہ کونہ امامیا و حالہ مجہول

یعنی ظاہراً تو وہ امامی ہے اور حال اس کا مجہول ہے۔

یعنی صاحب تنقیح المقال نے عبد اللہ بن ابی ملیکہ کے متعلق وضاحت کر دی کہ ہے تو وہ شیعہ لیکن ہے مجہول الحال یعنی اس کے ثقہ اور غیر ثقہ اور متقی یا فاجر، عالم یا جاہل۔ اور سچا یا جھوٹا ہونے کا کوئی علم نہیں۔

تو جس روایت کا پہلا راوی یعنی جو اصل حدیث سنانے والا ہے ایسا ہو تو وہ حدیث کیسے قابل قبول ہو سکتی ہے اور پھر جب ہو بھی شیعہ کہ جس کے عقیدہ میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی گستاخی عبادت ہے (العیاذ باللہ) تو اس کی روایت مائی صاحبہ کے بارے میں کیسے قابل قبول ہو سکتی ہے۔

دوسرے راوی اجلح کے حالات

تہذیب التہذیب :-

وَقَالَ اَبُوْحَاتِمٍ لَیْسَ بِالْقَوِیِّ یُکْتَبُ حَدِیْثُہٗ وَلَا یُحْتَجُّ بِہٖ وَقَالَ النِّسَائِیُّ ضَعِیْفٌ لَیْسَ بِذَاکَ وَکَانَ لَہٗ رَأْیٌ سُوْءٌ وَقَالَ الْجَوْزَجَانِیُّ مُفْتَرِیٌ ۔

(تہذیب التہذیب مصنفہ ابن حجر عسقلانی جلد اول ص ۱۸۹ الالف مطبوعہ حیدر آباد دکن)

ترجمہ: ابو حاتم نے کہا کہ اجلح قوی راوی نہیں ہے۔ اس کی حدیثیں لکھی جاتی لیکن ان کو حجت قرار نہیں دیا جاتا امام نسائی نے کہا وہ ضعیف ہے اور حجت کے قابل نہیں۔ اور سوء رائے رکھتا تھا۔ جوزجانی نے کہا کہ وہ مفتری ہے۔

اور اس کے بعد صاحب تہذیب التہذیب نے اس کے متعلق یہاں تک نقل کیا ہے۔ انہ یعد من شیعۃ الکرفۃ یعنی وہ کوفی شیعوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

تو جس راوی کے متعلق یہاں تک لکھا گیا ہو کہ وہ قابل حجت نہیں بلکہ

وہ مفتری شیعہ ہے۔ پھر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تنقیص شان کا مسئلہ ہو تو وہ کیوں نہ افترا باندھے گا۔ لہٰذا ایسی روایت اہل سنت کے نزدیک کبھی قابل حجت اور قابل قبول نہیں ہو سکتی:۔

اور کتب اسماء رجال اہل تشیع نے بھی اس کے شیعہ ہونے کی تصدیق کی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

جامع الرواۃ:۔

اَجْلَحُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ اَبُوْ حُجَيَّةَ الْكِنْدِيْ وَثَّقَهُ ابْنُ مُعِيْنٍ وَضَعَّفَهُ النِّسَائِيُّ وَهُوَ شِيْعِيٌّ مَاتَ سَنَةَ ۱۴۵

(جامع الرواۃ جلد اول ص۳۹ باب الالف بعدہ الحاء مطبوعہ قم طبع جدید)

ترجمہ:۔ اجلح بن عبداللہ ابوحجیۃ الکندی کو ابن معین وغیرہ نے ثقہ قرار دیا اور امام نسائی نے اسے ضعیف قرار دیا اور وہ شیعہ مذہب رکھتا تھا جو کہ ۱۴۵ھ میں فوت ہوا۔

جس راوی کے متعلق اہل تشیع کے اسماء رجال ثقہ شیعہ راوی تسلیم کریں اور پھر ان کے اعتقاد میں یہ چیز ثابت ہو کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر ہر نماز کے بعد امام جعفر صادق معاذ اللہ لعنت کرتے تھے (فروع کافی)

تو کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی شیعہ ہو اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا گستاخ نہ ہو۔ اور سیدہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی تنقیص شان والی روایت کا وہ راوی اگرچہ اپنے مذہب میں کتنا ہی ثقہ ہو اہل سنت کے نزدیک اس کی کوئی روایت

قابل قبول نہیں ہو سکتی۔

لہذا ثابت ہوا کہ یہ روایت شیعوں کی من گھڑت روایت ہے جس کا اہل سنت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

حقیقتِ حال یہ ہے کہ سیدہ عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کنواری ہونے کی حالت میں عقد شریف ہونا ایسا مسئلہ ہے کہ اہل سنت و جماعت اور اہل تشیع میں متفق علیہ ہے لہذا ہم اہل تشیع کی خصوصاً نجفی صاحب کی تسلی کے لیے ان کے مسلک کے آئمہ مجتہدین کی ایسی صریح عبارات پیش کرتے ہیں کہ جن میں صاف الفاظ میں لکھا ہوا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج مطہرات میں سے سوائے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے کوئی زوجہ مطہرہ کنواری نہ تھیں۔ کہ جن سے حضور نے کنواری ہونے کی حالت میں عقد شریف کیا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عقد شریف کنواری ہونے پر کتب شیعہ سے حوالہ جات

اعلام الوری:۔

وَالثَّالِثَةُ عَائِشَةُ بِنْتُ اَبِیْ بَکْرٍ تَزَوَّجَهَا بِمَكَّةَ وَهِيَ بِنْتُ سَبْعٍ وَّلَمْ يَتَزَوَّجْ بِكْرًا غَيْرَهَا وَدَخَلَ وَهِيَ بِنْتُ تِسْعٍ لِسَبْعَةِ

اَشْہُرٍ مِّنْ مَّقْدَمِہٖ الْمَدِیْنَۃَ وَبَقِیَتْ اِلٰی خِلَافَۃِ مُعَاوِیَۃَ۔

(۱) اعلام الوریٰ باعلام الہدیٰ تالیف ابی علی الفضل بن حسن طبرسی شیعی ص ۱۴۸ ذکر ازواج النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم واولادہ۔ مطبوعہ بیروت۔)

(۲) منتخب التواریخ مصنفہ محمد بن ہاشم خراسانی شیعی ص ۲۱ در حالات زوجات واولاد پیغمبر مطبوعہ تہران)

(۳) مناقب آل ابی طالب جلد اوّل ص ۱۵۹ مصنفہ ابن شہر آشوب فی اقربائہ۔ مطبوعہ قم طبع جدید)

(۴) مروج الذہب للمسعودی جلد ۲ ص ۲۸۷ تذکرہ ۵۴ھ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ:۔ (نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری زوجہ محترمہ) سیدہ عائشہ صدیقہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما ہیں۔ حضور نے ان سے مکہ میں سات برس کی عمر میں نکاح کیا۔ آپ نے ان کے سوا کسی باکرہ (کنواری) عورت سے نکاح نہیں کیا۔ آپ نے ان سے دخول فرمایا جبکہ آپ کو مدینہ تشریف لائے ہوئے سات ماہ ہو گئے تھے اور ان (سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا) کی عمر اس وقت ۹ برس تھی۔ آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت تک زندہ رہیں۔

☆ ☆

☆

تاریخ آئمہ :۔

حضرت عائشہ حضرت ابو بکر کی بیٹی تھیں سنہ ۱۰ بعثت میں جب حضرت خدیجہ انتقال کر چکی تھیں تو ان کی جدائی پر آنحضرت کو بڑا صدمہ ہوا۔ یہ دیکھ کر حضرت ابو بکر جناب عائشہ کو آنحضرت کی خدمت میں لائے اور کہا یا رسول اللہ یہ بچی آپ کے صدمہ کو کچھ کم کرے گی۔ غرض آنحضرت نے حضرت عائشہ سے نکاح کر لیا۔ مگر زفاف کی نوبت نہیں آئی۔ جب حضرت ہجرت کر کے مدینہ آئے اور حضرت ابو بکر بھی وہاں پہنچ گئے تو آپ نے آنحضرت سے پوچھا اے رسول خدا آپ اپنی بیوی کو گھر کیوں نہیں لے جاتے۔ فرمایا ابھی مہر کا روپیہ نہیں ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ ابا جان نے آنحضرت کو ساڑھے بارہ اوقیہ (میرا مہر ادا کرنے کو) دیا۔ تب حضرت نے اسے ہمارے ہاں بھیجا۔

(تاریخ آئمہ۔ مصنفہ سید علی حیدر نقوی ص ۱۴۷

مطبوعہ موچی دروازہ لاہور)

لمحہ فکریہ :۔

ہم نے خوف طوالت کی وجہ سے چند حوالوں پر اکتفاء کیا جن میں شیعہ اکابرین نے اس بات پر وضاحت کی ہے :۔

مذکورہ حوالہ جات سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے

۱ - سیدہ عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کا عقد چھ یا سات سال کی عمر میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔ اور ۹ سال کی عمر میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے زفاف فرمایا۔

۲ - نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے سوائے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے کوئی باکرہ (کنواری) بیوی نہ تھیں۔

۳ - نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے وقت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کی عمر سترہ برس تھی۔

(مروج الذہب للمسعودی جلد ۲ ص ۲۸۷)

۴ - سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا عقد باوجود کم سن ہونے کے صرف اس لیے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تاکہ سیدہ خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کے وصال شریف کا جو آپ پر غم ہے وہ دور ہو سکے۔

۵ - نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حق مہر بھی خود ادا کیا۔

☘

لمحہ فکریہ :-

قارئین کرام! ذرا انصاف فرمائیں کہ نجفی شیعی نے مطلقہ کہہ کر جو سیدہ عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی شان میں انتہا درجہ گستاخی کی ہے۔ جب کہ اس کے اعتقاد میں طبقات ابن سعد کوئی معتبر کتاب نہیں ہے۔ تو پھر اس کا حوالہ دے کر بائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کے مطلقہ ہونے کا وہ ثبوت پیش کر رہا ہے۔ حالانکہ اس کے اپنے مسلک کی معتبر کتب کے حوالہ جات آپ ابھی ملاحظہ فرما چکے ہیں جن میں صاف لفظوں میں موجود ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج میں سوائے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے کوئی بھی آپ کی کنواری زوجہ محترمہ نہ تھیں۔

تو میں اب نجفی صاحب سے پوچھتا ہوں کہ جتنی تمہاری کتابوں کے میں نے حوالہ جات پیش کیے ہیں کیا وہ سب کے سب غلط ہیں۔ اور ان کے تمام مصنفین کذاب ہیں۔ لیکن یہ تم ان کے حق میں کبھی بھی کہنے کے لیے تیار نہیں ہو تو پھر تم کو کیا حق حاصل ہے کہ ایک غلط اور بے اصل روایت جس کے راوی انتہائی مجہول الحال ہیں کو لے کر تم ام المومنین کی شان میں گستاخی کر رہے ہو۔ اگر تمہارے پاس کوئی سچائی ہے تو پھر میں تمہیں چیلنج کرتا ہوں کہ ہماری کتب تو کیا اپنی شیعہ کتب سے ہی ایک صحیح اور مرفوع ایسی روایت پیش کرو جس میں طبقات ابن سعد کی روایات کی تائید موجود ہو تو میں آپ کو منہ مانگا انعام پیش کروں گا۔

نجفی شیعی کی فلق بنجیم

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بوقت نکاح عمر کتنی تھی

سہم مسموم فی جواب نکاح ام کلثوم :-

بی بی عائشہ کی عمر وقتِ ہجرت اور شادی سترہ سال تھی۔

بیانہ - اسماء بنت ابی بکر وقت ہجرت ۲۷ برس کی تھی۔ ثبوت ملاحظہ ہو۔

۱- اہل سنت کی معتبر کتاب الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ جلد ۴ صفحہ ۲۲۵

۲- اہل سنت کی معتبر کتاب اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ جلد ۷ صفحہ ۹ ذکر اسماء بنت ابی بکر دونوں کتابوں کی عبارت ملاحظہ ہو۔

قَالَ اَبُوْ نُعَیْمٍ اِصْفَهَانِیْ وُلِدَتْ قَبْلَ الْهِجْرَةِ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِیْنَ سَنَةً۔

ترجمہ - اسماء بنت ابی بکر ہجرت مدینہ سے ستائیس سال قبل پیدا ہوئیں۔ اسماء بنت ابی بکر سے ان کی چھوٹی بہن حضرت عائشہ دس سال چھوٹی تھیں۔

ثبوت ملاحظہ ہو۔

اہل سنت کی معتبر کتاب "اکمال فی اسماء الرجال لصاحب المشکوٰۃ ولی الدین صفحہ ۳"

وَهِیَ اَکْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا عَائِشَةَ بِعَشْرِ سِنِیْنَ وَ مَاتَتْ بَعْدَ قَتْلِ اِبْنِهَا بِعَشَرَةِ اَیَّامٍ وَّلَهَا

مِائَةُ سَنَةٍ وَ ذٰلِكَ سَنَةُ ثَلَاثَةٍ وَ سَبْعِيْنَ بِمَكَّةَ۔

ترجمہ۔ اسماء بنت ابی بکر اپنی بہن عائشہ سے عمر میں دس سال بڑی تھیں۔ اپنے بیٹے (عبداللہ) کے قتل کے دس دن بعد بعمر سو سال وفات پائی ان کی وفات مکہ میں ۷۳ھ میں ہوئی۔

نوٹ:۔ اگر ۷۳ ہجری میں اسماء سو سال کی تھی۔ تو وقت ہجرت وہ یقیناً ۲۷ سال کی تھی۔ اور اسماء دس برس عائشہ سے بڑی ہے۔ پس وقت ہجرت عائشہ ۱۷ سال کی تھی۔

(سہم مسموم فی جواب نکاح ام کلثوم مصنفہ غلام حسین نجفی صفحہ ۱۵۰۔ ۱۵۱)

جواب:۔ سہم مسموم کے مصنف نجفی شیعی کا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر شریف کو زیر بحث لانے کے دو مقاصد ہیں۔ ایک یہ کہ ثابت کیا جائے۔ کہ اہل سنت کے نزدیک جو حضرت عائشہ کی بوقت نکاح چھ سات برس کی عمر تھی۔ غلط اور بے بنیاد ہے۔ اسی مقصد کے ضمن میں وہ مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کے حضور گستاخیاں بھی درج کرنا چاہتا ہے۔ تاکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہونے کی وجہ سے ان کی کوئی فضیلت ثابت نہ ہونے پائے۔ دوسرا مقصد اس کا یہ ہے۔ کہ حضرت علی مرتضیٰ کی ایک اور صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی کم عمری میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے ثابت کرنا اہل سنت کی غلطی ہے۔ اور اسی ضمن میں یہ مسئلہ پیش آتا ہے۔ کہ کیا کم سنی میں بچی کی شادی ہو سکتی ہے۔ یا نہیں۔ کیونکہ اہل سنت حضرت عائشہ صدیقہ کی شادی اور جنابہ ام کلثوم کی شادی کم عمری میں ثابت کر کے اسے شرعاً جائز قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا نجفی کو یہ بات پسند نہ آئی۔ اس نے مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کی کم عمری میں شادی پر اعتراض کر کے یہ بتلانا چاہا، کہ

جب ان کی کم عمری میں شادی پر ام کلثوم کی کم عمری کی شادی کو قیاس کیا جاتا ہے۔ تو یہ قیاس ہی غلط ہے۔ کیونکہ مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کی عمر بوقت شادی ۱۷ برس تھی۔ جس سے یہ بھی ثابت ہوا۔ کہ ام کلثوم کی شادی کا معاملہ بھی درست نہیں۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ مائی صاحبہ کی عمر کے بارے میں اس نجفی شیعی نے جو کچھ لکھا۔ وہ دراصل غلام احمد پرویز علیہ ما علیہ کے مضمون کی چوری کی ہے۔ پرویز ایسا معروف و مشہور منکر حدیث ہے۔ کہ جس کو تمام فرق اسلامیہ بمعہ اہل تشیع خارج از اسلام قرار دیتے ہیں "معراج انسانیت" نامی اپنی ایک تصنیف میں اس نے یہ موضوع چھیڑا۔ نجفی سے اور نہ کچھ بن سکا۔ تو اس کی کتابوں سے حوالہ جات اور مضمون چرا کر اپنی تصنیف میں جمع کر کے بڑی بینگ لگائی۔ کسی نے صحیح کہا ہے کہ بوقتِ ضرورت گدھا بھی باپ بنا لیا جاتا ہے۔ اس گدھے باپ سے کے نجفی بیٹے نے کیا اوصافِ اجداد پائے۔ اور کیا خوبیاں پائیں۔ نجفی کو چونکہ مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کی تنقیص مقصود ہے۔ چاہے کہیں سے میسر آئے۔

قارئین کرام! نجفی نے ام المومنین رضی اللہ عنہا کی دپرویز کی کتاب سے چرا کر، عمر شریف بوقت نکاح جو ۱۷ برس لکھی۔ اس کے دو حوالہ جات ذکر کیے۔ ایک حوالہ اسد الغابہ اور دوسرا حوالہ الاصابہ سے۔ ان دونوں حوالوں سے ہمیں کیا اختلاف ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ان سے مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کی عمر بوقتِ نکاح ۱۷ سال ثابت ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ بلکہ ایک منطقی اور قیاسی طریقہ سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جس کو ہم کئی ایک طریقوں سے قابل استدلال نہیں سمجھتے۔

وجہ اوّل:۔ ایک حوالہ صاحب مشکوٰۃ علامہ ولی الدین کا دیا گیا تھا۔ جو انہوں

نے "الاکمال فی اسماء الرجال" میں ذکر کیا، جس صفحہ سے یہ حوالہ درج کیا گیا ہے۔ وہاں علامہ موصوف نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی مختلف سوانح درج کی ہے۔ جس میں ضمناً یہ مذکور ہے۔ کہ حضرت اسماء عمر میں حضرت عائشہ سے دس سال بڑی تھیں جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ کہ بوقتِ ہجرت اور بوقت شادی ان (عائشہ رضی اللہ عنہا) کی عمر ۱۷ سال کی تھی۔ کیونکہ بوقتِ ہجرت حضرت اسماء کی عمر ۲۷ برس تھی۔ لہٰذا دس سال کم کریں۔ تو ۱۷ سال باقی رہ جاتے ہیں اور یہی عمر حضرت عائشہ کی بوقتِ نکاح تھی الخ

مذکورہ کتاب میں اگر اس صفحہ کو دیکھا جائے۔ جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حالات زندگی مختصر طور پر انہی نے بیان کیے۔ تو وہاں صاف صاف عبارت موجود ہے۔

وَ بَقِيَتْ مَعَهٗ تِسْعَ سِنِيْنَ وَ مَاتَ عَنْهَا وَ لَهَا ثَمَانِيَةَ عَشَرَ سَنَةً وَ لَمْ يَتَزَوَّجْ بِكْرًا غَيْرَهَا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۶۱۲ مطبوعہ مکتبہ مصطفائی لاہور)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں ۹ سال تک رہیں۔ جب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا۔ تو اُس وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ۱۸ برس کی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوا کسی کنواری عورت سے شادی نہ کی۔

امام علامہ ولی الدین کی اس عبارت سے صراحۃً معلوم ہوا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت مائی صاحبہ ۱۸ برس کی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ۱۱ ہجری میں ہوتا ہے۔ لہٰذا بوقت ہجرت مائی صاحبہ (۱۸ - ۱۱) = ۷ سال کی تھیں۔ اسی عمر پر جمہور اہل سنت و اہل تشیع کا اتفاق ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ ایک ہی مصنف کی ایک ہی کتاب میں مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں دو متضاد روایتیں کیوں ہیں۔ تو اُس کا جواب یہ ہوگا کہ تناقض دراصل کاتب کی غلطی کا نتیجہ ہے۔ وہ یُوں کہ امام ولی الدین نے جب حضرت اسماء کی عمر کا ذکر کرتے ہوئے لکھا۔ وَهِيَ أَكْبَرُ مِنْ أُخْتِهَا عَائِشَةَ بِعَشْرِ سِنِيْنَ۔ یعنی حضرت اسماء اپنی بہن حضرت عائشہ سے بیس سال بڑی تھیں۔ اس عبارت میں " بِعَشْرِ سِنِيْنَ " کاتب کی غلطی سے ایسا لکھا گیا۔ اصل عبارت " بِعِشْرِيْنَ سَنَةً " تھا۔ کیونکہ اس عبارت کو مصنف کی اصلی عبارت قرار دینا عقلاً و نقلاً محال ہے۔ جبکہ وہ خود صراحت کر رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بوقتِ وصال مائی صاحبہ ۱۸ برس کی تھیں۔ اور ۹ سال کی عمر میں ان سے حضور کا زفاف ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال مبارک سنہ ۱۱ھ میں ہوا۔ اس حساب سے بوقتِ نکاح مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۶-۷ سال سے زائد نہیں ہوگی۔ یہ مفہوم تب ہی درست ہو سکتا ہے۔ جب " بعشرین سنۃ " ہو۔ اس حساب سے حضرت اسماء کی عمر مائی صاحبہ کی عمر سے بیس سال زیادہ ہوگی۔ اور بوقتِ ہجرت حضرت اسماء چونکہ ۲۷ برس کی تھیں۔ لہٰذا مائی صاحبہ کی عمر صرف ۷ سال کی تھی۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ " بعشر سنین " کاتب کی غلطی ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا کلمہ نہیں۔ ورنہ کس طرح باور کیا جا سکتا ہے۔ کہ مصنف خود اپنی تردید بھی کریں۔ اور جمہور اہل سنت اور تشیع کی تردید بھی کریں۔

وجہ دوم:

اکمال فی اسماء الرجال میں علامہ ولی الدین سے جو روایت منقول ہے۔ وہ چونکہ بے سند ہے۔ لہٰذا ایسی بے سند روایت کا کسی مستند اور مرفوع روایت

سے ہرگز تقابل نہیں کیا جا سکتا۔ صحاح ستہ میں بہت سی مسند مرفوع روایات سے ثابت ہے۔ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر بوقتِ شادی ۶ یا ۷ سال کی تھی۔ خود مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت صحیح ہے کہ میرے عقد کے وقت میری عمر ۶ سال کی تھی، اور بوقتِ رخصتی ۹ برس تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت میں ۱۸/۱۹ سال کی تھی۔ بخاری و مسلم شریف کی عبارت ملاحظہ ہو۔

مسلم شریف:

حدثنا یحیی بن یحیٰی قال انا ابو معاویۃ عن ہشام بن عروۃ ح قال وحدثنا ابن نمیر واللفظ لہ قال نا عبدۃ عن ہشام عَنْ ابیہ عن عَائِشَۃَ تَزَوَّجَنِی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنَا بِنْتُ سِتِّ سِنِیْنَ وَبَنٰی بِیْ وَاَنَا بِنْتُ تِسْعٍ۔ وحدثنا عبد بن حمید قال انا عبد الرزاق قال انا معمر عن الزہری عن عروۃ عن عائشۃ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَہَا وَہِیَ بِنْتُ سَبْعِ سِنِیْنَ وَزُفَّتْ اِلَیْہِ وَہِیَ بِنْتُ تِسْعِ سِنِیْنَ وَلُعَبُہَا مَعَہَا وَمَاتَ عَنْہَا وَہِیَ بِنْتُ ثَمَانِ عَشَرَۃَ۔

(مسلم شریف جلد اوّل ص۴۵۶ باب جواز تزویج الاب البکر الصغیرہ۔ مطبوعہ کراچی اصح المطابع)

ترجمہ۔ (بحذف اسناد) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا راوی کہ نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم نے میرے ساتھ شادی کی اس وقت میری عمر ۶ برس کی تھی۔
اور مجھے جب گھر میں لے گئے تو میں ۹ برس کی تھی۔
(دوسری روایت کے مطابق) حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے
جب حضرت عائشہ صدیقہ سے نکاح فرمایا تو اس وقت وہ (عائشہ
صدیقہ) سات برس کی تھیں۔ اور بوقتِ زفاف ان کی عمر ۹ سال تھی۔
ان کے کھلونے ابھی ان کے پاس ہی تھے۔ اور جب حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام کا وصال ہوا۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ۱۸ برس کی تھیں۔

بخاری شریف:۔

حدثنا محمد بن یوسف قال حدثنا سفیان عن
هشام عن ابیه عن عائشة۔ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ
وَسَلَّمَ تَزَوَّجَهَا وَهِیَ بِنْتُ سِتِّ سِنِیْنَ وَاُدْخِلَتْ
عَلَیْهِ وَهِیَ بِنْتُ تِسْعٍ وَمَکَثَتْ عِنْدَهٗ
تِسْعًا۔

(۱۔ بخاری شریف جلد دوم ص۷۷۱ باب نکاح
الرجل ولده الصغار مطبوعہ کراچی اصح المطابع)
(۲۔ ابوداؤد شریف جلد اول ص۲۸۹ کتاب النکاح
مطبوعہ ایچ۔ ایم سعید کراچی)
(۳۔ ابن ماجہ شریف ص۱۳۶ باب نکاح
الصغار۔ مطبوعہ سرگودہا۔ طبع جدید۔)

ترجمہ۔ (بحذف اسناد) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
سے جب شادی فرمائی۔ تو حضرت عائشہ اس وقت ۶ برس کی تھیں۔

اور جب ان سے زفاف ہوا۔ تو ان کی عمر ۹ سال کی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ۹ سال تک رہیں۔ بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا۔)

نظرِ انصاف:

قارئین و ناظرین کرام! اہل سنت کی معتبر اور متداول کتب حدیث سے ہم نے بطور نمونہ دو روایات بمعہ سند ذکر کیں۔ جو مسند ہونے کے علاوہ مرفوع بھی ہیں ایسی مسند مرفوع روایات کے مقابلہ میں نجفی خبطی نے حوالہ پیش کیا۔ جس کی سند بھی مذکور نہیں۔ پھر اس حوالہ سے اس بات کو کہ حضرت عائشہ کی عمر بوقت شادی ۱۷ برس تھی۔ ترجیح دینا کہاں کا انصاف ہے۔ لیکن عقل و دانش سے کام لینا مقصود ہو۔ تو پھر اس کی امید ہو سکتی ہے۔ جب عقل کی آنکھ تعصب کی پٹی باندھ لینے سے اندھی ہو جائے۔ اور دانش کے صفحات پرویز کے سپرد کر دیئے جائیں۔ تو پھر اُن کے ناکارہ ہونے پر بھی کوئی واویلا نہیں ہو سکتا۔ جس طرح بچھو کو ڈنگ مارنے سے کام، بھڑ کو کاٹنے سے واسطہ اور کتے کو بھونکنے سے سروکار یونہی اس ناعاقبت اندیش کو چاہ ضلالت و ذلالت میں ڈوبنے کا شوق۔ کون روک سکتا ہے؟ جبکہ اللہ تعالیٰ ہی کسی کی بدنصیبی اور بے عزتی کے اسباب مہیا کر دے۔ علامہ رومی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب لکھا ؎

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکان کند

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تنقیص شان اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے بارے میں بنتِ فاطمہ ہونے سے انکار اور پھر ان کا فاروق اعظم کی

عقد زوجیت میں آنے سے انکار یہ ہیں اصل مقاصد نجفی خبطی کے۔ اس کی تحریرات شنیعہ اور استدلالات فاسدہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بارگاہِ رب العزت میں اِسے حاضر ہونے کا کوئی یقین نہیں۔ ورنہ وہ ایسی حرکات سے اجتناب کرتا۔

ہم جب ان کی کسی کتاب سے ان پر کوئی اعتراض کرتے ہیں۔ تو نجفی کا اکثر و بیشتر یہ جواب ہوتا ہے۔ کہ بے سند اور غیر مرفوع حدیث ہمارے لیئے حجت نہیں۔ اور اس روایت کے فلاں راوی مجہول، متروک یا کذاب وغیرہ ہیں۔ لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے بارے میں خود ایسی باتیں پیش کرتا ہے۔ جن کی نہ کوئی سند نہ کوئی صراحۃً اس مضمون پر دلالت کرنے والے الفاظ بلکہ چار و ناچار ایک محدث کا قول ہی ہو سکتا ہے۔ جو کاتب کی غلطی کی وجہ سے غلط چھپ گیا جس کی وضاحت ہم پچھلے اوراق میں کر چکے ہیں۔ تو اگر نجفی اپنے قواعد و ضوابط کو پیشِ نظر رکھ کر ان الفاظ کو پرکھتا۔ تو یقیناً انہیں قابلِ استدلال نہ سمجھتا۔ لیکن تبرّا بازی کا بہانہ کیسے ملتا۔ جو گھٹی میں پڑا ہوا ہے۔ خدا سمجھے ایسے تبرّا بازوں کو۔

وجہ سوم:

اہلِ تشیع کو جس قدر قابلِ قبول وہ روایات ہیں۔ جو ان کی کتب میں ہیں۔ اس قدر وہ روایات نہیں ہو سکتیں۔ جو اہلِ سنّت کی کتب میں پائی جاتی ہیں۔ اس حقیقت کے پیشِ نظر تو نجفی کو چاہیئے تھا۔ کہ اگر ہماری کسی کتاب میں ایسی روایت ملی۔ جو مائی صاحبہ کی بوقتِ شادی عمر ۱۷ برس بتاتی ہے اور اس کے مقابلہ میں جب ان کی خود اپنی معتبر اور مستند کتابوں میں ان کی اس وقت عمر ۶-۷ سال تحریر ہے۔ تو انہی روایات کو قابلِ یقین سمجھتا۔ جو ان کے مذہب کی کتب میں

ہیں لیکن یہاں ایسا ہرگز نہ ہوا۔ بلکہ ایک سُنی کے قول کو جو بے سند اور کاتب کی غلطی کے احتمالات تو یہ رکھتا ہے۔ اس پر نازاں اور خوش ہونا اس بات کا غماز ہے۔ کہ اس کو محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کی ازواج مطہرات، آپ کی اولاد امجاد اور دیگر صحابہ کرام پر تبرّا بازی سے کام ہے۔ پرویز کی لنتب سے ایسا سامان ہاتھ آئے۔ کسی سُنی کے بیے اصل قول سے غذا ل جائے۔ پس سمجھو کہ اس کی خواہشات خبیثہ پوری ہوئیں۔ تو پھر یہی کہا جائے گا۔ جس کا کھائیں اسی پر بھونکیں۔ ؎

ترا کھائیں اور تیرے غلاموں سے الجھیں
ہیں منکر عجب کھانے غرّانے والے

جبکہ دونوں مکتبہ فکر کی کتب معتبرہ میں یہ بات وضاحت وصراحت کے ساتھ مذکور ہے۔ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے وقت عمر ۶ سال کی تھی۔ اور رخصتی ۹ سال کی عمر میں ہوئی۔ تو اس کا صاف صاف مطلب یہی ہوا کہ اس عمر پر دونوں گروہ متفق ومتحد ہیں۔ لہذا اس کی مخالفت محض ہٹ دھرمی ہوگی۔ اور شومیٔ قسمت کی علامت کے سوا کچھ نہیں۔ اگر کسی قاری کے ذہن میں یہ بات آئے۔ کہ اہل سنّت کی مشہور ومعروف کتب سے حوالہ تو ذکر ہو گیا۔ لیکن اہل تشیع کی کسی کتاب کا حوالہ مذکور نہ ہوا۔ تو ہم اس بات کے پیش نظر چند کتب کے حوالہ جات پیش کر دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

وَالثَّالِثَةُ عَائِشَةُ بِنْتُ اَبِیْ بَکْرٍ تَزَوَّجَهَا بِمَكَّةَ وَهِيَ بِنْتُ سَبْعٍ وَلَمْ يَتَزَوَّجْ بِكْرًا غَيْرَهَا وَدَخَلَ بِهَا وَهِيَ بِنْتُ تِسْعٍ لِسَبْعَةِ اَشْهُرٍ مِّنْ مَقْدَمِهِ الْمَدِيْنَةَ وَبَقِيَتْ اِلٰى خِلَافَةِ مُعَاوِيَةَ۔

(۱۔ اعلام الورای باعلام الہدٰی لابی علی فضل بن حسن طبری شیعی ص۱۴۸ ذکر ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

(۲۔ مناقب آل ابی طالب مولفہ ابن شہر آشوب جلد اول ص۵۹ افضل فی اقربانہ الخ مطبوعہ قم جدید)

(۳۔ مروج الذہب للمسعودی جلد دوم ص۲۸۷ ذکر سنتہ اربع وخمسین ۔ مطبوعہ بیروت جدید)

(۴۔ منتخب التواریخ مؤلفہ ہاشم بن محمد علی خراسانی ص۲۱ فصل چہارم ۔ مطبوعہ تہران جدید)

ترجمہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے تیسری زوجہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ جو ابوبکر صدیق کی دختر نیک اختر تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مکہ میں (ہجرت سے قبل) شادی کی۔ اس وقت ان کی عمر سات برس کی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات میں صرف یہی ایک کنواری تھیں۔ رخصتی اور زفاف کے وقت حضرت عائشہ کی عمر ۹ سال تھی۔ یہ ہجرت مدینہ کے سات مہینہ بعد کا واقع ہے۔ امیر معاویہ کے دورِ خلافت تک زندہ رہیں۔

دس ہزار روپیہ نقد انعام :

نجفی شیعی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر بوقتِ شادی ۱۰ برس ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور ضمناً یہ بھی ثابت کیا۔ کہ یہ بوقت شادی مُطلقہ

تھیں۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد زوجیت میں آنے سے قبل کسی اور کے نکاح میں تھیں۔ وہاں سے طلاق ہو گئی تھی۔ ہم نے ان دونوں لغویات کو رد کر دکھایا ہے۔ آخر میں ہم نجفی شیعی کو مبلغ دس ہزار روپیہ نقد انعام کی پیش کش کرتے ہیں۔ کہ جس طرح ہم نے باسند اور مرفوع روایات سے ثابت کیا ہے۔ کہ اہل سنت اور اہل تشیع کے نزدیک مائی صاحبہ کی بوقت شادی ۶ سال عمر تھی۔ اسی طرح مسند و مرفوع روایت سے یہ ثابت کر دکھایا جائے۔ کہ مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کی عمر بوقت شادی ۱۷ برس کی تھی۔ اور یہ کہ وہ مطلقہ تھیں۔ ہماری طرف سے یہ کھلا چیلنج ہے کہ کوئی شیعی ذاکر و مجتہد اگر ہماری اس پیش کش کو بمعہ شرائط مذکورہ پورا کر دے۔ تو بموجب اعلان رقم مذکورہ بطور انعام پیش کر دی جائے گی۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ

نجفی شیعی کی قلق ششم

اعتراض :-

غلام حسین نجفی شیعی نے اپنی کتاب سہم مسموم فی جواب نکاح ام کلثوم کے صفحہ ۲۵۶ تا ۲۶۲ جو سات صفحات کالے کیے ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

سیدہ ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۱۸ھ میں گیارہ برس تھی، اور حقوق زوجیت کے لیے ایسی عمر نامناسب نہیں ہوتی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یہ جواب کیوں دیا۔ کہ وہ صبیۃ ہے کیونکہ صبیۃ شیر خوار بچی کو کہتے ہیں گیارہ سال کی لڑکی کو صبیۃ نہیں کہتے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ام کلثوم بنت فاطمہ سے عقد نہیں کیا بلکہ کسی اور ام کلثوم سے عقد کیا ہو گا۔

جواب اوّل :-

جبکہ معتبر کتب شیعہ کی مستند روایات میں اس بات کی تصدیق موجود ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے وصال شریف کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی ام کلثوم کو اپنے گھر لے آئے۔ تو ان روایات کی موجودگی میں نجفی صاحب کو اس نکاح کا انکار کر کے اپنے بڑوں پر تنقید نہیں کرنی چاہیے تھی۔ جبکہ ناسخ التواریخ میں اس بات کی تردید یوں موجود ہے کہ بچی کہہ کر یہ ثابت کرنا کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ

کی ان سے اولاد کیسے ہو سکتی ہے یہ غلط ہے بلکہ صاحب ناسخ التواریخ نے لکھا کہ میرا فیصلہ یہ ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت ان کی عمر بیس سال تھی۔ جس کا واضح معنی یہ ہے کہ سیدہ ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہما کا عقد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے تقریباً ۱۱-۱۲ سال کی عمر میں ہوا۔ لہٰذا اصل عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

ناسخ التواریخ :-

ابو محمد در کتاب الامامۃ حدیث می کند کہ امیر المومنین علیہ السلام ام کلثوم را باعمر بن الخطاب کابین بست لکن چوں صغیرہ بود نتوانست با او ہم بستر گشت و پیش از آنکہ با او طریق مضاجعت بسپارد مقتول گشت و ایں سخن بنزد بندہ درست نشود چہ روزی کہ عمر مقتول گشت ام کلثوم کمتر از بیست سال نداشت۔

(ناسخ التواریخ مصنفہ میرزا محمد تقی سپہر
جلد اول صـ۲۴۴ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ :- ابو محمد نے کتاب الامامت میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے نکاح کر کے حق مہر مقرر کر لیا۔ لیکن چونکہ وہ کم سن اور صغیرہ تھیں اس لیے حقوق زوجیت ادا کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ اور اس سے پہلے کہ حقوقِ زوجیت ادا کرنے کی نوبت آتی حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے (مصنف کہتا ہے کہ میرے نزدیک یہ بات سچی نہیں ہے کیونکہ جس دن فاروق اعظم رضی اللہ عنہ شہید

ہوئے اس دن سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی عمر بیس سال تھی۔
مرزا محمد تقی صاحب ناسخ التواریخ نے اس بات کو ثابت کر دیا کہ ام کلثوم بنت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا عقد تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ متفق علیہ ہے مگر یہ کہنا کہ ان کے کم سن اور صغیرہ ہونے کی وجہ سے قبل دخول (حقوق زوجیت) عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا۔ غلط ہے کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے وصال کے وقت ان (سیّدہ ام کلثوم) کی عمر بیس سال تھی۔
جبکہ صاحبِ ناسخ التواریخ کو بھی تو معلوم ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو لفظ صبیۃ کہہ کر عذر پیش کیا ہے اور لفظ صبیۃ تو شیر خوار بچی کو کہتے ہیں۔
لہٰذا ثابت ہوا کہ لفظِ صبیۃ سے استدلال کرتے ہوئے سیّدہ ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے عقد کا انکار کرنا تاریخی حقائق کو مسخ کرنے کے برابر ہے۔
صرف اسی بات پر اڑے رہنا کہ لفظِ صبیۃ چونکہ شیر خوار بچی کو کہتے ہیں اس لیے عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے سیّدہ ام کلثوم کے عقد کو ثابت کرنا یہ غلط ہے۔ یہ بھی نجفی صاحب کی لغاتِ عرب سے عدم توجہی کا نتیجہ ہے ورنہ لغتِ عرب میں جیسے لفظ صبیۃ کا اطلاق شیر خوار بچی پر آتا ہے اسی طرح جاریۃ پر کیا جاتا ہے۔ حالانکہ جاریۃ پوری جوان عورت کو کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ عرب کی سب سے بڑی اور معتبر لغت لسان العرب میں یوں موجود ہے

ش

لسان العرب :۔

والجاریۃ صبیۃ .... یقال للجاریۃ صبیۃ۔

(لسان العرب مصنفہ ابی الفضل جمال الدین مصری جلد الرابع عشر ص ۔ ۴۵ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ :۔ جاریہ صبیہ (بھی) ہوتی ہے اور جاریہ کو صبیہ کہا جاتا ہے۔

لہذا ثابت ہوا کہ جاریہ پر بھی لفظ صبیہ بولا جاتا ہے باقی رہی یہ بات کہ جاریۃ کا کیا معنی ہے۔ تو اس کا معنی بھی اسی کتاب سے ملاحظہ فرمائیں۔

لسان العرب :۔

والجاریۃ الفتیۃ من النساء

(لسان العرب جلد رابع عشر ص ۱۴۳ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ :۔ جاریۃ جوان عورت کو کہتے ہیں۔

لہذا باوجود اتنی بڑی شہادت کے پھر بھی کوئی نہ تو اپنے بڑوں کی کتب پر اعتماد کرے اور نہ ہی لغتِ عرب پر اعتبار کرے اس کا علاج تبرہی کر سکتی ہے اللہ تعالیٰ نجفی صاحب کو حق سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

فاعتبروا یااولی الابصار

ساری بحث کا لب لباب

یہ ہے کہ ام کلثوم بنتِ فاطمہ و علی کا نکاح حضرت عمر فاروق سے ہوا اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان میں کوئی دشمنی نہ تھی بلکہ محبت و پیار کے بندھنوں میں جکڑے ہوئے تھے اور یہ نکاح اس کی اعلیٰ دلیل ہے۔ اس نکاح کے ثبوت کے لیے اہل سنت اور اہل تشیع کی صحیح اور مستند روایات ان گنت ہیں۔

بحث چہارم:

نکاح ام کلثوم کے متعلق شیعہ لوگوں کے حیلہ جات

حیلہ اول:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ام کلثوم کا عقد فاروق اعظم سے بے بسی اور مجبوری سے کیا تھا

جس کی دلیل یہ روایات ہیں۔

مجالس المومنین:

روایت ۱:

در کتاب استغاثہ وغیر آں مسطور است کہ چوں عمر بن خطاب جہت ترویج خلافت فاسدۂ خود داعیہ تزویج ام کلثوم دختر حضرت امیر نمود و آں حضرت جہت اقامت حجج مکرر اظہار اباد امتناع نمود آخر عمر عباس را نزد خود طلبید و سوگند خوردہ گفت کہ اگر علی را بدامادی من راضی نمی سازی آنچہ در دفع او ممکن باشد خواہم کرد۔ و منصب سقایہ حج و زمزم را از تو خواہم گرفت عباس ملاحظہ نمود کہ اگر ایں نسبت واقع نشود آں فظ غلیظ مرتکب چناں امر ناصواب خواہد شد۔ از حضرت امیر علیہ السلام التماس و الحاح نمود کہ ولایت نکاح آں مطہرہ مظلومہ را باو تفویض نماید و چوں مبالغہ عباس در آں باب از حد گزشت۔ آں حضرت

از روئے اکراہ ساکت شد تا آنکہ عباس از خود ازنکاب تزویج او نمود

(مجالس المومنین جلد اول ص۱۸۲ مطبوعہ تہران ایڈیشن ۱۲۷۵ھ قصہ تزویج ام کلثوم)

ترجمہ: کتاب استغاثہ اور دیگر کتب میں لکھا ہوا ہے۔ کہ جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت فاسدہ کو رواج دینے کے لیے ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہ سے شادی کرنا چاہی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اتمام حجت کے لیے اس پر رضامندی سے انکار کر دیا۔ تو آخر کار حضرت عمر نے حضرت عباس کو بلوایا۔ اور قسم کھا کر کہا۔ کہ اگر دو علی، کو میرے داماد بننے پر تم راضی نہ کرو گے۔ تو پھر مجھ سے اس کے خلاف جو کچھ ہوا کر گزروں گا۔ اور حاجیوں کی ماء رسانی اور زمزم کی ڈیوٹی تجھ سے واپس لے لی جائے گی۔ حضرت عباس نے غور کیا۔ کہ اگر یہ عقد نہ ہوا۔ تو یہ تند خوا ایسا کر گزرے گا۔ (معاذ اللہ) جس کی دھمکی دی ہے۔ تو عباس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منت وسماجت کے ساتھ التماس کی۔ کہ پاکیزہ اور مظلومہ دختر کی شادی کی ولایت مجھے سپرد کر دیں۔ جب حضرت عباس نے اس معاملہ میں بہت اصرار کیا۔ تو حضرت علی نے مجبوراً خاموشی اختیار کی۔ حتیٰ کہ حضرت عباس نے خود اپنی مرضی سے یہ نکاح کر دیا۔

روایت ۲:

فروع کافی:

عَنْ زُرَارَةَ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ فِیْ تَزْوِیْجِ

اُمِّ کُلْثُوْمٍ فَقَالَ اِنَّ ذٰلِكَ فَرْجٌ غُصِبْنَاهُ ۔

(۱) (فروع کافی نولکشوری جلد دوم ص۱۴۱ طبع قدیم)
(۲) فروع کافی جلد پنجم ص۳۴۶ کتاب النکاح باب تزویج ام کلثوم مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: زرارہ نے روایت کی۔ کہ امام جعفر رضی اللہ عنہ سے ام کلثوم کے نکاح کے متعلق دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا۔ یہ سب سے پہلی شرم گاہ ہے۔ جو ہم سے چھین گئی۔

روایت ۳:

فروع کافی:

عَنْ هِشَامِ بْنِ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ لَمَّا خَطَبَ اِلَيْهِ قَالَ لَهٗ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِنَّهَا صَبِيَّةٌ قَالَ فَلَقِيَ الْعَبَّاسَ فَقَالَ لَهٗ مَالِيْ اَبِيْ بَاْسٌ قَالَ فَمَا ذَاكَ قَالَ خَطَبْتُ اِلَى ابْنِ اَخِيْكَ فَرَدَّنِيْ اَمَا وَاللّٰهِ لَاُعِيْدَنَّ زَمْزَمَ وَلَا اَدَعُ لَكُمْ مَكْرَمَةً اِلَّا هَدَمْتُهَا وَلَاُقِيْمَنَّ عَلَيْهِ شَاهِدَيْنِ بِاَنَّهٗ سَرَقَ وَلَاَقْطَعَنَّ يَمِيْنَهٗ فَاَتَاهُ الْعَبَّاسُ فَاَخْبَرَهٗ وَسَاَلَهٗ اَنْ يَّجْعَلَ الْاَمْرَ اِلَيْهِ فَجَعَلَهٗ اِلَيْهِ ۔

(۱) فروع کافی جلد دوم ص۱۴۱ طبع قدیم لکھنو)
(۲) فروع کافی جلد پنجم ص۳۴۶ کتاب النکاح باب تزویج ام کلثوم مطبوعہ تہران طبع جدید

ترجمہ: ہشام بن سالم نے حضرت امام جعفر سے روایت کی۔ کہ حضرت علی سے ام کلثوم کا رشتہ مانگا گیا تو آپ نے فرمایا۔ وہ ابھی نابالغ ہے کہا، پھر عمر حضرت عباس سے ملے۔ اور پوچھا۔ کیا مجھ میں کوئی نقص ہے؟ عباس نے پوچھا۔ کیا بات ہے؟ کہنے لگے۔ تمہارے بھتیجے سے رشتہ طلب کیا ہے۔ اور انہوں نے انکار کر دیا۔ خدا کی قسم! میں زمزم کی ذمہ داری واپس لے لوں گا۔ اور جملہ اعزازات ختم کر دوں گا۔ اور "علی" کے خلاف چوری کے جرم میں دو گواہ بنا کر اس کے ہاتھ کٹوا دوں گا۔ حضرت عباس حضرت علی رضی اللہ عنہما کے پاس آئے۔ اور سب کچھ کہہ سنایا۔ اور درخواست کی۔ کہ یہ معاملہ آپ میرے سپرد کر دیں۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے سپرد کر دیا۔

حیلہ کا جواب: یہ حیلہ گستاخی اہل بیت کی اعلیٰ مثال ہے

جہاں تک مسئلہ نکاح ہونے کا ہے۔ وہ تو ان روایات میں ثابت ہو چکا ہے۔ کہ ام کلثوم بنت علی کا نکاح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے یقیناً ہوا ہے۔ لیکن اس بیان میں بغض عمر (رضی اللہ عنہ) ان شیعوں کی فطرت کا لازمہ تھا۔ جس کی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اس نکاح کے سلسلہ میں دھونس اور رعب خلافت کے حربے استعمال کرنے کے الزامات لگائے گئے۔ لیکن ان ظالموں نے عداوتِ عمر کی رو میں بہہ کر "ام کلثوم اور حضرت علی" کی جو توہین کی۔ وہ بھی قابل شرم ہے۔ "ام کلثوم" کے عقد ہو جانے کو "شرمگاہ چھین جانے" سے تعبیر کیا۔ یہ الفاظ اگر کسی معمولی عورت کو کہے جائیں۔ تو وہ بھی برداشت نہ کر سکے

چہ جائے کہ اس پاک دامن اور پاک باز "دختر علی" کے متعلق جس کی والدہ کی طہارت اور عفت پر زمانہ گواہ ہے۔ اس پر یہ الفاظ بولے جائیں۔ کیا ان الفاظ سے عرش الٰہی نہ کانپے گا۔ اور خدا کی پھٹکار کہنے والے پر نہ پڑے گی۔ پھر ان ناہنجار اور ناعاقبت شناس ظالموں نے یہ الفاظ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیئے۔ "شرم تم کو مگر نہیں آتی"

دوسری طرف حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اس مقام پر اتنا بے بس اور مجبور ثابت کیا گیا۔ کہ انہیں ڈرا دھمکا کر اور جبر و اکراہ سے اس بات پر آمادہ کرایا گیا۔ حتیٰ کہ وہ اپنی لخت جگر کو بیاہ دینے کے سوا کوئی چارہ نہ پا سکے۔ کیا "اسد اللہ الغالب" انہی کے حق میں نہیں؟ اور کیا خود حضرت علی نے یہ نہ فرمایا کہ "اگر تمام عرب میرے مقابلہ میں آجائے۔ تو میں ان سے نہیں ڈروں گا۔ اور حتی الامکان ان کی گردنیں اڑا دوں گا۔ بلکہ بیٹی کی شادی کا معاملہ ایسا ہے۔ کہ عام آدمی اپنی جان کی بازی تو لگا سکتا ہے۔ لیکن بیٹی کو زبردستی بیاہنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ تو جبر و اکراہ کا حیلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی انتہا درجہ کی توہین کے مترادف ہے۔ اور اس قسم کی مثالیں شیعہ لوگوں سے ہی مل سکتی ہیں۔

اس کے برخلاف حقیقت یہ ہے۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی دختر نیک اختر کی جو شادی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ساتھ کی۔ وہ شرعی قانون پر عمل کرنے کے لیے کی۔ ملاحظہ ہو۔ فروع کافی کی عبارت۔ جو عقد ام کلثوم کے ذکر میں درج کی گئی ہے۔

فروع کافی:

كَتَبَ عَلِيُّ بْنُ اَسْبَاطٍ اِلٰى اَبِىْ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِىْ اَمْرِ بَنَاتِهٖ وَاَنَّهٗ لَا يَجِدُ اَحَدًا مِثْلَهٗ فَكَتَبَ

اِلَیْہِ اَبُوْ جَعْفَرٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ فَہِمْتُ مَا ذَکَرْتَ مِنْ اَمْرِ بَنَاتِكَ وَ اَنَّكَ لَا تَجِدُ اَحَدًا مِثْلَكَ وَلَا تَنْتَظِرْ فِیْ ذٰلِکَ رَحِمَكَ اللّٰہُ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا جَآءَکُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ خُلُقَہٗ وَدِیْنَہٗ فَزَوِّجُوْہُ وَاِلَّا تَفْعَلُوْہُ تَکُنْ فِتْنَۃٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ کَبِیْرٌ۔

(فروع کافی جلد دوم ص ۱۴۱ مطبوعہ نولکشور طبع قدیم)

(فروع کافی جلد ۵ ص ۳۴۷ کتاب النکاح باب نکاح ام کلثوم آخر منہ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: علی بن اسباط نے امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کو اپنی لڑکیوں کے بارے میں پوچھا۔ اور اسے اپنے جیسا کوئی رشتہ بچیوں کے لیے نہ مل سکا تھا تو اسے امام موصوف نے لکھا۔ میں سمجھ گیا کہ تمہیں اپنے مرتبہ کا داماد میسر نہیں آرہا۔ مگر تم اس بات کا انتظار مت کرو۔ اللہ تم پر رحم کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ جب تمہارے پاس رشتہ کے لیے ایسا شخص آجائے۔ جس کے اخلاق اور دین کو تم پسند کرتے ہو۔ تو اس سے شادی کر دو۔ وگرنہ زمین میں بہت بڑا فساد اور فتنہ برپا ہو جائے گا۔

اس حدیث کو ام کلثوم کے عقد میں درج کرنے کا مطلب بالکل ظاہر ہے۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ چونکہ حضرت عمر کی دینداری اور اخلاقی قدروں کو اچھا سمجھتے تھے۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل کرتے ہوئے رشتہ دے دیا۔ اور فتنہ و فساد سے بچ گئے۔

جواب (۲): معتبر شیعہ مجتہدین کے نزدیک غیر سیّد کا نکاح سیّد زادی سے ہو سکتا ہے۔ اس پر اُن کے دلائل

تفسیر لوامع التنزیل

در اینجا دلالت می کند کہ دختر والا نسب و عالی حسب و جلیل منصب، بدنی ذات اگرچہ در اصل غلام زنگی و حبشی باشد دادن جائز است۔ ایں احد مطاعن اسلام است۔ چنانچہ خود اعزہ اسلام ایں قبیح و منکر میدانند۔ بل میگویند کہ علماء مسلمانان تجویز کردہ اند کہ نکاح سید ہند دختر سادات بنی فاطمہ را کہ اولاد رسول باشد بعام آدمی اگرچہ شرابی قمار باز کم ذات و غلام حبشی رذیل صفات اباً و جداً باشد دریں عقل تفکر میکند۔ جواب اول عند العقل و مجموع نقل بل بالضرورۃ ثابت و مقطوع است۔ کہ ہمہ آدمیاں من حیث الذات متحد اند۔ پس نفی بودن ایں کفائۃ و مماثلہ ذاتی در ایشاں ثابت و ثبوت ایں مناکح در بین خود ایشاں لازم و ثابت باشد و از اینجا در حدیث مرتضی علی علیہ السلام آمدہ "اِنَّ النَّاسَ مِنْ جِهَةِ التِّمْثَالِ اَكْفَاءٌ اَبُوْنَا اٰدَمُ وَالْاُمُّ حَوَّاءُ"۔ (دوسرے صفحہ پر آگے چل کر لکھا ہے) پس دختر عالی دینا بسافل مومن بانیو جہ ہم جائز شد۔ و آیہ فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ۔ یعنی بعد نفخ صور انساب و القاب در خلق باقی نمی ماند و ازاں پرسش نشود پس ثابت شد ہم ایں گمان بے مغز است جواب ثالث آنچہ در ملت اعتبار دارد انتساب در دین توحید بین ان کہ

والنکوح چہ اعتبار دارد چہ کفر و ایمان ضدین اند باہم جمع عند النقل والعقل نمی شوند واز نقل ہمیں وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ کافی است پس عند اللہ ہمہ عباد در عبدیت مساوی چنانچہ نزد آقا ہمہ غلام وکنیز بحیثیت غلامی مساوی اند۔

(تفسیر لوامع التنزیل جلد دوم ص ۵، ۴ مطبوعہ لاہور ادل در جواز نکاح عالی بدانی متحد ملت)

ترجمہ: اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اعلیٰ نسب و حسب اور بلند مرتبہ والی خاتون کو حبشی سیاہ غلام کے عقد میں دینا جائز ہے۔ اور یہ بات اسلام پر ایک طعن سے کم نہیں۔ جیسا کہ اسلام کے سرکردہ لوگ بھی اسے بُرا اور قابل نفرت سمجھتے ہیں۔ بلکہ کہتے ہیں۔ کہ مسلمان علماء اس بات کو جائز سمجھتے ہیں۔ کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد میں سے دختران نیک اختر کی شادی عام آدمی سے چاہے وہ شرابی، جواری، کم ذات حبشی غلام اور کمینہ صفات ہو۔ ہو سکتی ہے۔ (اس کا جواب یہ ہے)

جواب ملا:

عقلاً اور نقلاً بلکہ ضرورۃً یہ بات ثابت اور یقینی ہے۔ کہ تمام آدمی باعتبار ذات ایک ہی ہیں۔ لہذا باعتبار ذات تمام افراد انسانی کا ہم شکل ہونا اس کو جائز سمجھتا ہے۔ کہ اس قسم کے رشتے ان میں لازمی ہونے چاہئیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی مقام کے مناسب ایک حدیث بھی ہے۔ "تمام انسان آدم و حوا کی اولاد ہونے کے اعتبار سے ایک دوسرے کے "کفو" ہیں"۔ (آگے چل کر یہ کہا)

لہذا عالی نسب کی خاتون کا نکاح ادنیٰ مومن سے اسی وجہ سے جائز ہوا۔

اسی طرح قرآن پاک کی آیت ہے "جب صور پھونکا جائے گا" تو اس دن کوئی نسب نہ ہوگا۔ اور نہ اس کے بارے میں لوگوں سے سوال ہوگا، لہذا ثابت ہوا کہ تمام خدشات کھوکھلے ہیں۔ (جواب اختصاراً بیان نہیں کیا گیا)

جواب ۳:

ملت اسلامیہ میں دین کا اتحاد میاں بیوی کے درمیان لازمی بات ہے۔ کیونکہ کفر و ایمان دونوں ضدیں ہیں۔ عقلاً و نقلاً دونوں جمع نہیں ہو سکتیں۔ آیہ کریمہ "مشرکین سے نکاح مت کرو" اس کی تائید کے لیے کافی ہے۔ لہذا اللہ کے نزدیک اس کے تمام بندے بندگی میں برابر ہیں۔ جس طرح ایک آقا کے نزدیک غلام اور لونڈی غلامی کے اعتبار سے، مساوی ہیں۔

مذکورہ روایت سے مندرجہ ذیل امور صراحۃً ثابت ہوئے

۱۔ اولاد آدم ہونے میں سید اور غیر سید سب برابر ہیں۔

۲۔ اعلیٰ حسب و نسب والی خاتون کی شادی ادنیٰ ذات کے آدمی سے خواہ وہ حبشی ہی کیوں نہ ہو۔ جائز ہے۔

۳۔ علمائے اسلام کا فیصلہ ہے۔ کہ اولادِ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی دختران کا نکاح عام مسلمان آدمی سے جائز ہے۔

۴۔ جب صور پھونکا جائے گا۔ تو تمام حسب و نسب ختم ہو جائیں گے۔ لہذا عقد کے لیے ان کی اہمیت بے معنی ہے۔

۵۔ نکاح میں رکاوٹ اختلاف دین ہے۔ یعنی مسلمان اور کافر آپس میں بیاہ شادی نہیں کر سکتے۔ جس کو لا تنکحوا المشرکین میں اللہ نے بیان فرما دیا۔

ہے۔ اس کے علاوہ دونوں مسلمان ہوں۔ تو کوئی شرط اور پابندی ممانعت نہیں۔ جس کی بنا پر نکاح نہ ہو سکتا ہو۔

خلاصۂ کلام:

اہل تشیع کو یہ اعتراض تھا۔ کہ سیّد زادی کا غیر سیّد سے نکاح جائز نہیں۔ لہذا سیدہ ام کلثوم سے عمر فاروق کا نکاح ماننا غلط ہے۔ لیکن حوالہ مذکورہ سے انہیں یہ اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں رہتا۔ کیونکہ جب از روئے قرآن و حدیث اور ارشادِ علی رضی اللہ عنہ یہ بات درست اور جائز ہے۔ کہ یہ رشتہ ہو سکتا ہے۔ تو پھر اعتراض کیسا؟ کیونکہ اولاد آدم ہوتے اور دین اسلام کے پیرو ہونے کے اعتبار سے حسب و نسب کا لحاظ بے کار ہے۔ اور صور اسرافیل کے وقت رہی سہی کسر بھی نکل جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرما دیا۔ ”فلا انساب بینھم“ مزید سنیئے۔

فروع کافی:

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ اَلْکُفُوُ اَنْ یَّکُوْنَ عَفِیْفًا۔

(فروع کافی جلد ۵ ص۲۴۷ کتاب النکاح باب الکفو مطبوعہ تہران طبع جدید، طبع قدیم جلد دوم ص۱۴۱)

ترجمہ: یعنی امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کفو یہی ہے۔ کہ آدمی پاکدامن اور پاکباز ہو۔

ان تمام باتوں سے معلوم ہوا۔ کہ رشتہ و ناطہ میں ہاشم و غیر ہاشم کا فرق بے کار ہے لہذا شیعہ لوگ کس منہ سے داماد علی رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرتے ہیں۔ کہ وہ بنی ہاشم

یں سے نہ تھے۔ جب کہ خود ان کی کتب کہہ رہی ہیں۔ کہ قریش بنی ہاشم سے نکاح کر سکتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب حسب و نسب اور دین و اسلام کے اعتبار سے صاحب عزت و وقار تھے۔ تو پھر ان کے ساتھ "ام کلثوم بنت علی" کی شادی ان کے لیے کیوں پریشانی کا سبب بنی ہوئی ہے۔

سیدزادی کے غیر سید سے جواز عقد پر ایک دلیل نکاح ام کلثوم بھی ہے۔

مسالک الافہام:

وَزَوَّجَ النَّبِيُّ اِبْنَتَهُ عُثْمَانَ وَزَوَّجَ اِبْنَتَهُ زَيْنَبَ بِاَبِي الْعَاصِ بْنِ الرَّبِيْعِ وَلَيْسَا مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ وَكَذٰلِكَ زَوَّجَ عَلِيٌّ اِبْنَتَهُ اُمَّ كُلْثُوْمٍ مِنْ عُمَرَ وَتَزَوَّجَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ فَاطِمَةَ بِنْتَ الْحُسَيْنِ وَتَزَوَّجَ مُصْعَبُ بْنُ الزُّبَيْرِ اُخْتَهَا سَكِيْنَةَ وَكُلُّهُمْ مِنْ غَيْرِ بَنِيْ هَاشِمٍ۔

(مسالک الافہام شرح شرائع الاسلام کتاب النکاح باب لواحق العقد جلد اوّل)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک بیٹی کی شادی حضرت عثمان سے اور دوسری بیٹی زینب کی ابوالعاص بن ربیع سے کی۔ حالانکہ یہ دونوں بنی ہاشم میں سے نہ تھے۔ اسی طرح حضرت علی نے اپنی بیٹی ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر سے کیا۔ اور عبداللہ بن عمرو بن عثمان کے ساتھ فاطمہ بنت حسین کی شادی ہوئی۔ اور سکینہ بنت حسین کی شادی مصعب بن زبیر سے ہوئی۔ یہ سب کے سب غیر بنی ہاشم تھے۔

خلاصۂ کلام:

یہ ہے۔ کہ شیعہ حضرات کے "شیخ زین الدین احمد العاملی المعروف بالشہید الثانی" نے مذکور کلام میں جس وضاحت سے یہ مسئلہ بیان کر دیا ہے۔ (کہ سیدزادی کا نکاح غیر سید سے ہوا۔ اور آئندہ کے لیے بھی جائز ہے۔) اس کے بعد کسی وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ شیعہ حضرات کا اعتراض دراصل اپنی کتابوں سے لاعلمی کی دلیل ہے۔ کاش وہ اپنی کتب کا مطالعہ کرتے اور پھر اس قسم کے اعتراض کی گنجائش نہ پاتے۔

جیلہ دوم:

"ام کلثوم" نامی عورت جو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عقد میں آئیں۔ وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی نہ تھیں۔ لہٰذا حضرت علی کی بیٹی ہونے کے جو ثبوت و واقعات پیش ہوئے۔ خود بخود غلط ہو گئے۔

جواب ۱:

سب سے پہلی بات تو یہ ہے۔ کہ کسی معتبر کتاب میں فاروق اعظم کے عقد میں آنے والی ام کلثوم کا بنت ابوبکر ہونا ثابت نہیں۔ اور اگر بفرضِ محال ہو بھی۔ تو "استبصار" کی مذکورہ عبارت کا کیا معنی ہوگا۔ عبارت ملاحظہ ہو۔

لَمَّا تُوُفِّیَ عُمَرُ اَتٰی اِلٰی اُمِّ کَلْثُوْمٍ فَانْطَلَقَ بِهَا اِلٰی بَیْتِهٖ "جب عمر بن خطاب فوت ہوئے۔ حضرت علی ان کی بیوی ام کلثوم کے پاس تشریف لائے۔ اور انہیں اپنے گھر لے گئے۔ کیونکہ اگر بیٹی ابوبکر کی تھیں۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پرائی بیٹی، کو اپنے گھر کیوں لائے؟ اور بقول شیعہ جب ابوبکر اور علی رضی اللہ عنہما کے درمیان

دشمنی تھی۔ تو کیا کوئی دشمن اپنے دشمن کی بیٹی اپنے گھر لے جانا پسند کرے گا؟ پھر میں صاف صاف کہتا ہوں۔ کہ اگر واقعی ام کلثوم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں۔ تو تم اے شیعو! حضرت علی کرم اللہ وجہہ یا دیگر آئمہ اہل بیت میں سے کسی کا قول اس بارے میں صراحت سے دکھا سکتے ہو؟ لیکن میں دعوی سے کہتا ہوں۔ کہ تم ایڑی چوٹی کا زور بھی لگا دو۔ تو پھر بھی ایک حوالہ پیش نہیں کر سکو گے۔

وضاحت:

طبقات ابن سعد:

ام کلثوم بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نکاح پہلے "طلحہ بن عبیداللہ بن عثمان" سے ہوا۔ جب حضرت طلحہ "در جنگ جمل" میں شہید ہو گئے تو پھر ان کا نکاح ایک اور طلحہ نامی شخص سے ہوا۔ یعنی طلحہ بن عبیداللہ بن عبدالرحمٰن، لہٰذا ان کا نکاح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ہرگز ثابت نہیں۔

(طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۴۶۲ مطبوعہ بیروت)

جواب ۲:

آنحضرت را دو دختر است یکے رقیہ کبریٰ مکناہ بام کلثوم کہ در سرائے عمر بن خطاب بود۔

(طراز المذہب مظفری ص ۳۳)

ترجمہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی دو بیٹیاں تھیں۔ ایک "رقیہ کبریٰ" جن کی کنیت "ام کلثوم" تھی۔ جو کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے گھر (بحیثیت زوجہ) تھیں۔

جواب ۳ :

عَنْ جَعْفَرٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ مَاتَتْ اُمُّ كُلْثُوْمِ بِنْتُ عَلِیٍّ وَ ابْنُهَا زَیْدُ بْنُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِیْ سَاعَةٍ وَّاحِدَةٍ ۔

(تہذیب الاحکام جلد ۹ صفحہ ۳۶۳ باب میراث الغرقی والمهدوم ۔ طبع جدید)

ترجمہ: امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں۔ کہ ام کلثوم جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ اور ام کلثوم کا بیٹا ”زید بن عمر“ یہ دونوں ماں بیٹا ایک ہی دن ایک ہی وقت فوت ہوئے۔

اس روایت کا راوی اور مروی عنہ دونوں اہل بیت کے سرتاج۔ لہٰذا اس سے بڑھ کر قابل وثوق اور کونسی روایت ہو گی۔ تو جب خود گھر والے مانتے اور کہتے ہیں۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ام کلثوم کی شادی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ اور پھر ان کے ہاں ”زید“ بیٹا بھی پیدا ہوا آخر کار دونوں ماں بیٹے ایک ہی دن خدا کو پیارے ہو گئے۔ اس وضاحت کے بعد اگر پھر بھی کوئی شور مچائے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عقد میں حضرت علی کی بیٹی ام کلثوم نہ تھی۔ بلکہ ابوبکر صدیق کی دختر ام کلثوم تھی۔ تو ایسے شخص کی ہٹ دھرمی اور بے وقوفی میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ لہٰذا تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی دختر ام کلثوم کی شادی حضرت فاروق اعظم سے ہوئی تھی۔ نہ کہ وہ ام کلثوم جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں۔

جواب ۴ : حیلہ اول اور حیلہ دوم خود آپس میں متعارض ہیں۔ کیونکہ حیلہ اول میں

حیلہ گروں نے مانا تھا۔ کہ ام کلثوم بنتِ علی رضی اللہ عنہ ہی کی شادی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی لیکن بوجہ مجبوری۔ اور دوسرے حیلہ میں صاف انکار کر یہ خاتون "دختر علی" نہیں بلکہ "دختر صدیق" تھیں۔ اگر دختر صدیق تھیں۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مجبور ہو کر شادی کر دینے کا کونسا تُک بنتا ہے۔ دراصل یہ لوگ حیلے بہانوں سے جان چھڑاتے ہیں۔ لیکن چھوٹتی نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ام کلثوم رضی اللہ عنہ دختر علی رضی اللہ عنہ ہی کی شادی برضا و رغبت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ اور ان سے اولاد بھی ہوئی۔

•

ایک مغالطہ:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب سید نہ تھے۔ تو سیدزادی سے ان کا نکاح کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

دوسرا یہ کہ جب ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما نابالغہ تھیں۔ تو پھر ان سے عمر بن خطاب کا نکاح جو اس وقت چالیس برس کے تھے۔ کیسے ممکن ہے۔؟

جواب:

جہاں تک پہلے مغالطہ کا معاملہ ہے۔ اس کا تفصیلی جواب آپ پڑھ چکے۔ "فروع کافی ص ۱۴۰ کتاب النکاح" باب آخر منہ مطبوعہ نولکشور طبع قدیم، فروع کافی جلد پنجم ص ۳۴۵ کتاب النکاح باب آخر منہ۔ مطبوعہ تہران طبع جدید میں مذکور ہے فَقُرَيْشٌ يَتَزَوَّجُ مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ۔ قریش بنی ہاشم سے نکاح کر سکتے ہیں۔ فاروق اعظم قریشی تو یقیناً ہیں۔ دوسرا مغالطہ غلط فہمی پر مبنی ہے۔ کیونکہ شادی کے لیے مرد اور عورت کی عمر کا کوئی تعین نہ شیعہ مذہب میں اور نہ ہی سنی مذہب میں ہے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

سے عقد فرمایا۔ تو اس وقت سیدہ عائشہ کی عمر سات سال اور رخصتی کے وقت نو برس تھی۔ "حیات القلوب جلد دوم ص۱۰۳۸" ملاحظہ ہو۔

حیات القلوب:

عائشہ دختر ابو بکر بود۔ و حضرت اورا در مکہ خواستگاری نمود۔ در وقتیکہ ہفت سالہ بود۔ و زن باکرہ بغیر از او تزویج نہ فرمودہ۔ و چوں ہفت ماہ از دخول مدینہ مشرفہ گذشت حضرت اورا زفاف نمود و در آں وقت نہ سالہ بود۔

(حیات القلوب جلد دوم ص۱۵۳۸ باب پنجاہ و دوم عدد زنان آنحضرت مطبوعہ نولکشور لکھنؤ طبع قدیم۔)

ترجمہ: حضرت عائشہ، ابو بکر صدیق کی دختر تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں ان سے شادی کی۔ جب کہ اس وقت ان کی عمر سات سال تھی۔ اور ان کے علاوہ کوئی عورت آپ نے کنواری نہ کی۔ جب مدینہ منورہ گئے ہوئے سات ماہ گزر گئے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے زفاف فرمایا۔

جب کہ حلت و حرمت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ تو پھر اس شادی پر اعتراض کیوں؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سات سالہ کنواری سے جو شادی کی وہ ناجائز تھی؟ اگر وہ جائز سمجھتے ہو۔ اور یقیناً جائز ہے بھی۔

تو پھر ام کلثوم بنت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی صغر سنی میں فاروق اعظم سے شادی کیونکر محل اعتراض ٹھہری۔

تمہاری عقل مقدم نہیں۔ آسوۂ رسول اور سیرت مبارکہ کو اولیت ہے۔

ہوش سے کام لو۔ اور آخرت کے سنوارنے کی فکر کرو۔

اَلَیْسَ مِنْکُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ

گھر کا بھیدی:

معتبر شیعہ مورخ مرزا تقی لکھتا ہے عمر رض کی طرف سے طلب رشتہ پر علی رض نے ام کلثوم کا ان سے عقد کر دیا اور کہا کہ جب جوان ہو گی تو آپ کے لیے ہی ہو گی۔ (پوری پیچھے عبارت گزر چکی۔) ناسخ التواریخ تاریخ خلفاء جلد دوم صفحہ ۲۹۶۔ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔

ام کلثوم بنت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق تحقیقی بحث

ام کلثوم بنت ابوبکر صدیق کا ہمیں انکار نہیں۔ ہم یہ ثابت کرتے ہیں۔ کہ ام کلثوم نامی دو عورتیں دو مختلف والدین کی بیٹی تھیں۔ ایک ام کلثوم کے والد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور والدہ حبیبہ بنت خارجہ خزرجیہ ہیں۔ اور دوسری ام کلثوم کے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور والدہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا ہیں۔ لیکن جہاں تک عمر بن خطاب کی بیوی بننے والی ام کلثوم کا معاملہ ہے۔ تو وہ یقیناً حضرت علی اور جناب فاطمہ زہرا کی دختر تھیں۔ ام کلثوم بنت ابوبکر صدیق کو عمر بن خطاب نے پیغام نکاح بھیجا۔ لیکن ان کے انکار کرنے پر نکاح ہوا نہیں تھا۔ اس سلسلہ میں دو حوالہ جات ہمارے سامنے ہیں۔

تاریخ طبری:

قَالَ الْمَدَائِنِیُّ وَخَطَبَ اُمَّ کُلْثُوْمٍ بِنْتَ اَبِیْ بَکْرٍ وَ هِیَ

صَغِیْرَۃٌ وَّ اَرْسَلَ فِیْہَا اِلٰی عَآئِشَۃَ فَقَالَتِ الْاَمْرُ اِلَیْکَ فَقَالَتْ اُمُّ کُلْثُوْمٍ لَا حَاجَۃَ لِیْ فِیْہِ فَقَالَتْ لَہَا عَآئِشَۃُ تَرْغَبِیْنَ عَنْ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ قَالَتْ نَعَمْ اِنَّہٗ خَشِنُ الْعَیْشِ شَدِیْدٌ عَلَی النِّسَآءِ ۔

(۱) ابن ابی حدید شرح نہج البلاغۃ جلد ۲ ص۱۵۷ اجزا ساڑھ فی حوادث صدرت من عمر الخ مطبوعہ بیروت)

(۲) (تاریخ طبری جلد ثالث جز ۵ ص۱۷ بیروت)

ترجمہ: مدائنی نے کہا کہ حضرت عمر بن خطاب نے ام کلثوم بنت ابوبکر کا رشتہ مانگا۔ ان کی عمر بہت کم تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پیغام رشتہ بھیجا۔ تو حضرت عائشہ نے فرمایا۔ وہ اس معاملہ میں خود مختار ہے۔ پھر ام کلثوم نے کہا۔ مجھے عمر بن خطاب کے ساتھ نکاح کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ اپنی بیویوں کے ساتھ برتاؤ میں سخت ہیں۔

المعارف:

وَاَمَّا اُمُّ کَلْثُوْمٍ بِنْتَ اَبِیْ بَکْرٍ فَخَطَبَہَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اِلٰی عَآئِشَۃَ فَاَنْعَمَتْ لَہٗ وَکَرِہَتْ اُمُّ کَلْثُوْمٍ فَاحْتَالَتْ لَہٗ حَتّٰی اَمْسَکَ عَنْہَا ۔

(المعارف لابن قتیبہ ص۷۶ مطبوعہ مصر تحت اولاد صدیق)

ترجمہ: ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دختر ام کلثوم کا رشتہ بذریعہ عائشہ صدیقہ،

عمر بن خطاب نے مانگا۔ حضرت عائشہ نے اس میں کچھ غور فرمایا۔
اور ام کلثوم نے اس کو اچھا نہ سمجھا۔ لہذا حیلہ و بہانہ سے انکار
کر دیا۔ اور عمر بن خطاب نے بھی ارادہ ترک کر دیا۔

ان دونوں روایتوں سے صرف اتنا ثبوت ملتا ہے۔ کہ ام کلثوم بنت ابو بکر صدیق کا رشتہ حضرت عمر بن خطاب نے مانگا تھا۔ لیکن یہ رشتہ ہوا نہ تھا۔ اور جس ام کلثوم کا رشتہ فاروق اعظم سے ہوا۔ وہ یہ نہ تھیں۔ بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں۔

اس کی تائید کتب شیعہ میں بھی بڑی وضاحت کے ساتھ پائی جاتی ہے جیسا کہ مرزا تقی میر شیعہ مؤرخ نے اپنی شہرہ آفاق تاریخ بنام ناسخ التواریخ میں اس واقعہ کو بڑی تفصیل کے ساتھ یوں ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

ام کلثوم بنت ابی بکر کا رشتہ عمر رض سے نہیں ہو سکا تھا۔

ناسخ التواریخ:

وعمر دو زنے دیگر را خواست از برائے خویش نکاح کنند و
ایشاں رضا ندادند نخست ام ابان دختر عتبہ او گفت من عمر را
نخواہم چہ مردی درشت خوئے و ترش روئے بود و بر روئے
زناں در بہ بند و بمعاش سخت گیرد دوم ام کلثوم دختر ابو بکر و او
بسال کہتر عائشہ بود عمر کس بعائشہ فرستاد و او را خواستار شد عائشہ
بپذیرفت و گفت از بہر خواہر من شوئے نیکوتر از تو کجا بدست شود
از آں سوئے چوں ایں سخن بام کلثوم مکشوف داشت سخت
بگریست و گفت من او را بشوئے نخواہم۔

(ناسخ التواریخ تاریخ خلفاء جلد سوم ص ۵۶)

ترجمہ: (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی آٹھ ازواج اور ان کی اولاد کے ذکر کے بعد مرزا تقی شیعہ مؤرخ نے لکھا کہ) حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دو اور عورتوں سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا مگر انہوں نے رضامندی ظاہر نہ کی۔ ایک ام ابان دختر عتبہ ہے جس نے کہا کہ عمر (رضی اللہ عنہ) کو میں نہیں چاہتی کیونکہ وہ سخت مزاج و سخت گیر ہیں۔ بیویوں پر دروازہ بند اور معاش کو سخت رکھتے ہیں۔ دوسری ام کلثوم دختر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ جو عمر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے چھوٹی تھیں۔ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے ایک شخص کے ہاتھ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے عقد کرنے کا پیغام بھیجا جسے سیدہ نے قبول فرمایا۔ اور کہا مجھے اپنی بہن کے لیے آپ سے بڑھ کر بہتر اور نیک شوہر کون ہو سکتا ہے؟

دوسری طرف یہ خبر ام کلثوم دختر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوئی تو وہ سخت گریہ کناں ہوئیں۔ اور کہا میں انہیں شوہر بنانا پسند نہیں کرتی۔

نوٹ:

اسی مقام پر شیعہ مؤرخ مرزا تقی نے اس سے آگے واقعہ کو یوں ذکر کیا ہے۔ اور جب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم ہوا کہ ام کلثوم بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے عقد کرنے سے انکار کر دیا تو انہوں نے اگر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یوں مشورہ دیا۔

اگر تو نے باادب خواہی ام کلثوم دختر علی علیہ السلام را نکاح کن کہ پروردۂ علی و فاطمہ است ونشرا داز رسول خدا لسے وارد نہ

ترجمہ: یعنی اگر آپ کسی باادب عورت سے نکاح کرنا چاہتے ہیں تو پھر ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہ سے نکاح کریں کیونکہ وہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی پروردہ ہیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے قریبی تعلق رکھتی ہیں۔

تو اس طرح عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بجائے ام کلثوم بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ام کلثوم بنت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے عقد کر لیا۔

لمحہ فکریہ:

شیعہ مؤرخ تقی میر کی اتنی بڑی تصریح کے بعد بھی اگر کوئی شیعہ یہی رٹ لگاتا رہے کہ وہ ام کلثوم بنت علی المرتضیٰ نہ تھیں۔ بلکہ ام کلثوم بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھیں تو اس کی ہٹ دھرمی کا کیا علاج ہو سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ام کلثوم بنتِ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عقد میں کسی سنی یا شیعہ مولوی اور محدث کو کوئی اختلاف نہیں سوائے اس بات کے کہ شیعہ عوام یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم یہ مان لیں تو پھر ہمارے سب مسلک کا دیوالیہ نکل جاتا ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

ام کلثوم بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مزید تعارف

ام کلثوم بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ وہی خوش قسمت خاتون ہیں۔ جن کی ولادت سے قبل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کی پیدائش کی خبر دی تھی۔ ملاحظہ ہو۔

نسب القریش:

اُمُّ كُلْثُوْمٍ بِنْتُ اَبِىْ بَكْرٍ وَّ اُمُّهَا حَبِيْبَةُ بِنْتُ خَارِجَةَ ابْنِ زَيْدِ بْنِ اَبِىْ زُهَيْرٍ مِّنْ بَنِى الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ وَ اُمُّ كُلْثُوْمٍ بِنْتُ اَبِىْ بَكْرٍ هٰذِهِ الَّتِىْ قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ لِعَائِشَةَ بِنْتِهٖ حِيْنَ حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ اِنَّمَا هُمَا اَخَوَاكِ وَ اُخْتَاكِ قَالَتْ عَائِشَةُ هٰذِهٖ اَسْمَاءُ قَدْ عَرَفْتُهَا فَمَنِ الْاُخْرٰى قَالَ ذُوْ بَطْنِ بِنْتِ خَارِجَةَ قَدْ اُلْقِىَ فِىْ خَلَدِىْ اَنَّهَا جَارِيَةٌ فَكَانَتْ كَمَا قَالَ وَ وَلَدَتْ بَعْدَ مَوْتِهٖ.

(کتاب در نسب القریش لابی عبد اللہ المصعب الزبیری ص ۲۷۸ تحت ولد تیم بن مرہ)

ترجمہ: ام کلثوم دختر ابو بکر صدیق جن کی والدہ کا نام حبیبہ بنت خارجہ تھا یہ وہی ام کلثوم ہیں۔ جن کے بارے میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بوقت وفات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا۔ تمہارے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں۔ حضرت عائشہ نے عرض کی۔ ایک بہن "اسماء" تو مجھے معلوم ہے۔ دوسری کون ہے؟ فرمایا حبیبہ بنت خارجہ (جو ابو بکر کی زوجہ ہیں) کے شکم میں جو بچہ ہے، اس کے متعلق میرے دل میں یہ بات ڈال دی گئی ہے۔ کہ یہ بچی ہے۔ تو جس طرح ابو بکر نے فرمایا۔ ایسے ہی ان کی وفات کے بعد بچی ہی پیدا ہوئی۔

ام کلثوم بنت صدیق کی شادی:

جب یہ بات واضح ہو گئی۔ کہ ام کلثوم بنت صدیق رضی اللہ عنہ کی خواستگاری تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کی۔ لیکن نکاح نہ ہو سکا۔ اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ ان کی شادی کس سے ہوئی؟ تو اس کی وضاحت "طبقات ابن سعد" میں یوں مذکور ہے۔

طبقات ابن سعد:

اُمُّ كُلْثُوْمٍ بِنْتُ اَبِیْ بَكْرِنِ الصِّدِّیْقِ بْنِ اَبِیْ قُحَافَةَ بْنِ عَامِرٍ الخ وَاُمُّهَا حَبِیْبَةُ بِنْتُ خَارِجَةَ بْنِ زَیْدٍ الخ تَزَوَّجَهَا طَلْحَةُ بْنُ عُبَیْدِ اللّٰهِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ عَمْرِو بْنِ كَعْبٍ فَوَلَدَتْ لَهٗ زَكَرِیَّا وَیُوْسُفَ مَاتَ صَغِیْرًا وَّعَائِشَةَ بَنِیْ طَلْحَةَ فَقُتِلَ عَنْهَا طَلْحَةُ بْنُ عُبَیْدِ اللّٰهِ یَوْمَ الْجَمَلِ .... ثُمَّ تَزَوَّجَتْ اُمُّ كَلْثُوْمٍ بَعْدَ طَلْحَةَ بْنِ عُبَیْدِ اللّٰهِ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ ابْنَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ رَبِیْعَةَ بْنِ الْمُغِیْرَةِ فَوَلَدَتْ لَهُ الْاَحْوَلَ مُوْسٰی وَ اُمَّ حُمَیْدٍ وَّ اُمَّ عُثْمَانَ۔

(طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۴۶۲)

ترجمہ: ام کلثوم بنت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان کی والدہ کا نام حبیبہ بنت خارجہ تھا۔ ان کی شادی ابتداء میں طلحہ بن عبیداللہ بن عثمان بن عمرو کے ساتھ ہوئی۔ جن کے ہاں ان سے دو بچے پیدا ہوئے۔ ذکریا اور یوسف (یوسف کا بچپن میں انتقال ہو گیا تھا) اور عائشہ بنی طلحہ۔

جنگ جمل کے دن طلحہ شہید ہو گئے۔ پھر ان کے بعد ام کلثوم بنت صدیق رضی اللہ عنہ کی شادی عبدالرحمٰن ابن عبداللہ کے ساتھ ہوئی۔ ان کے ہاں انہوں نے "احول، موسےٰ، ام حمید، اور ام عثمان کو جنم دیا۔

خلاصہ کلام:

مذکورہ حوالہ جات سے تین باتیں ثابت ہوئیں۔

۱۔ ہم پر جو الزام لگایا جاتا ہے۔ کہ تمہاری کتابوں میں ام کلثوم بنت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا عقد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔ یہ الزام سراسر غلط اور لغو محض ہے۔

۲ ہماری کتب میں ان کا نکاح طلحہ بن عبیداللہ سے پھر ان کے بعد عبدالرحمٰن سے ہوا۔ جن کے ہاں ان سے اولاد بھی ہوئی۔

۳۔ اگر شیعہ لوگ یہ ثابت کرتے ہیں۔ کہ جس ام کلثوم کی شادی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی۔ وہ بنت صدیق تھیں۔ تو پھر انہیں یہ بھی ثابت کرنا پڑے گا۔ کہ ان کی والدہ کا نام "فاطمہ بنت رسول اللہ" تھا۔ نہ کہ "حبیبہ بنتِ خارجہ" تھا۔ تو تمہارے بس میں نہیں۔ کہ یہ بات ثابت کر سکو۔ تمہارے حسد و بغض نے کیا کیا گل کھلائے۔ اسی بغض و عداوت کی وجہ سے تم نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر لعن طعن جائز رکھا۔ اور اسی وجہ سے جناب رقیہ اور ام کلثوم جو کہ یکے بعد دیگرے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں آئیں۔ تم نے بنات رسول ماننے سے انکار کر دیا۔ اور بغضِ فاروق کی وجہ سے "ام کلثوم بنت علی المرتضیٰ" کو ان

کے عقد سے خارج کر دیا؛

حیلہ سوم:

علی مرتضیٰ نے ایک جنی ام کلثوم کی ہم شکل بنا کر فاروق رضی اللہ عنہ کے عقد میں دے دی تھی۔ فیاللعجب۔

انوار نعمانیہ:

إِنَّ الْمُفِيْدَ رَفَعَهُ إِلَى عُمَرَ بْنِ أُذَيْنَةَ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي
عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنَّ النَّاسَ يَحْتَجُّوْنَ عَلَيْنَا
أَنَّ أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ زَوَّجَ فُلَانًا ابْنَتَهُ
أُمَّ كُلْثُوْمٍ وَكَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مُتَّكِئًا فَجَلَسَ
وَقَالَ أَتَقُوْلُوْنَ إِنَّ عَلِيًّا عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنْكَحَ
فُلَانًا ابْنَتَهُ أَنَّ قَوْمًا يَزْعُمُوْنَ ذٰلِكَ مَا
يَهْتَدُوْنَ إِلَى سَوَاءِ السَّبِيْلِ وَلَا الرَّشَادِ ثُمَّ
صَفَقَ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِيَدِهِ وَقَالَ سُبْحَانَ اللهِ
مَا كَانَ أَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقْدِرُ
أَنْ يَحُوْلَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا كَذِبُوْا لَمْ يَكُنْ مَا قَالُوْا
إِنَّ فُلَانًا خَطَبَ أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ابْنَتَهُ أُمَّ كُلْثُوْمٍ
فَأَبَى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ لِلْعَبَّاسِ وَاللهِ لَئِنْ
لَمْ تُزَوِّجْنِيْ لَأَنْتَزِعَنَّ مِنْكَ السِّقَايَةَ
وَزَمْزَمَ فَأَتَى الْعَبَّاسُ عَلِيًّا عَلَيْهِ السَّلَامُ
فَكَلَّمَهُ فَأَبَى فَأَلَحَّ الْعَبَّاسُ فَلَمَّا رَأٰى

آئے۔ کیا یہ سب باتیں ایک "جنیہ" کے متعلق تھیں۔ ایک ناری کے ہاں انسان سے بچّہ پیدا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اختلاف جنس مانع حمل ہوتا ہے۔ پھر بیٹا کیسے پیدا ہو گیا۔ پھر یہ بھی کہ جنیہ مذہباً یہودیہ تھی۔ مسلمانوں کے امیر کا عقد یہودیہ سے کیا جا رہا ہے۔ پھر اس کا نماز جنازہ بھی پڑھا گیا۔ اور وہ واپس اہل نجران کے پاس چلی گئی۔ حضرت علی ام کلثوم کو گھر لے آئے۔ اور جس ام کلثوم کو چھپا رکھا تھا۔ یہ وہی تھی۔ یا کوئی اور تھی۔؟

اس حیلہ میں پہلے حیلوں کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ، ان کی دختر ام کلثوم رضی اللہ عنہا، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور نہ جانے کِن کِن کی توہین کے پہلو نکلتے ہیں۔ خدا عقل دے۔ اور نور بہ نصیب فرمائے۔

فصل سوم

آلِ عثمان اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی اہلبیت اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ داریاں

رشتہ اوّل : دامادی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم:

تمام صحابہ کرام میں سے صرف اور صرف حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو یہ اعزاز حاصل ہے۔ کہ انہیں دامادیٔ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم یکے بعد دیگرے دو مرتبہ حاصل ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دختر سیدہ رقیہ تھیں۔ ان کی وفات کے بعد دوسری صاحبزادی سیدہ ام کلثوم سے شادی ہوئی۔ شیعہ حضرات یہاں بھی پریشان ہیں۔ کہ حضرت عثمان کو یہ اعزاز مل گیا۔ اس لیے وہ سرے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ایک ہی صاحبزادی مانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک ہی دختر در سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا، تھیں۔ جب ان کے علاوہ آپ کی کوئی بیٹی نہ تھی۔ تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بغیر کسی کی دامادی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ لہٰذا ہم کتب شیعہ سے یہ ثابت کریں گے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نہیں بلکہ چار صاحبزادیاں تھیں۔ اور ان میں سے دو کا عقد یکے بعد دیگرے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ہوا

دلائل تعدد بنات رسول

قرآن سورۃ احزاب

یا ایھا النبی قل لازواجك وبناتك ۔

ترجمہ: اے پیغمبر بگو مر زنانِ خود را و مر دختران خود را۔

(منہج الصادقین جلد ۷ صفحہ ۳۲۲)

معلوم ہوا نبی علیہ السلام کی ایک سے زائد بیٹیاں تھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں حضرت خدیجہ کے بطن سے تھیں

شیعہ کتب سے وزنی دلائل

اصول کافی:

وَتَزَوَّجَ خَدِيْجَةَ وَهُوَ ابْنُ بِضْعٍ وَّ عِشْرِيْنَ سَنَةً فَوُلِدَ لَهٗ مِنْهَا قَبْلَ مَبْعَثِهٖ الْقَاسِمُ وَرُقَيَّةُ وَزَيْنَبُ وَاُمُّ كُلْثُوْمٍ وَوُلِدَ لَهٗ بَعْدَ الْمَبْعَثِ الطَّيِّبُ وَالطَّاهِرُ وَالْفَاطِمَةُ عَلَيْهَا السَّلَامُ.

(اصول کافی جلد اول ص۴۳۹ کتاب الحجۃ باب مولد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ ووفاتہ، مطبوعہ تہران طبع جدید۔)
(اصول کافی مترجم جلد اول ص۴۴۵ مطبوعہ کراچی)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بیس سال سے زائد عمر میں شادی کی۔ اور ان کے بطن سے قبل بعثت "قاسم" رقیہ، زینب، ام کلثوم" پیدا ہوئے۔ اور بعثت کے بعد "طیب، طاہر اور فاطمہ" پیدا ہوئے۔

نوٹ:

"اصول کافی" شیعہ حضرات کے ہاں ایسی بلند پایہ کتاب ہے۔ جس کے بارے میں "امام غائب امام مہدی" نے فرمایا "الکافی کاف لشیعتنا" ہمارے شیعوں کے لیے "کافی" کافی ہے۔ بلکہ ان کے نزدیک اس کا درجہ قرآن سے بھی بڑھ کر ہے۔ کیونکہ کثیر روایات ایسی ہیں۔ جن میں اس بات کی صراحت ہے۔ کہ موجودہ قرآن نامکمل ہے۔ ہم اس کو ان شاء اللہ "تحریف القرآن" کے باب میں ذکر کریں گے۔

تو اس معتبر کتاب کی روایت سے ثابت ہوا کہ آپ کی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے چار صاحبزادیاں تھیں۔ اور تین صاحبزادے تھے۔ اس تعداد میں کوئی اختلاف ذکر نہیں کیا۔ اگر اختلاف ذکر کیا۔ تو اس بارے میں کہ بعثت سے قبل اور بعثت کے بعد کون کون پیدا ہوئے۔ ایک روایت میں قبل بعثت "قاسم" رقیہ، زینب، ام کلثوم، طیب، طاہر" پیدا ہوئے۔ اور بعد بعثت صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔

حیات القلوب:

در قرب الاسناد بسند معتبر از حضرت صادق روایت کردہ است۔ کہ از برائے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم از خدیجہ متولد شدند۔ طاہر و قاسم و فاطمہ، ام کلثوم و رقیہ و زینب۔

(حیات القلوب جلد دوم ص۱۰۲۶ باب پنجاہ و یکم مطبوعہ نولکشور طبع قدیم)

ترجمہ: قرب الاسناد میں معتبر اسناد کے ساتھ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے۔ کہ حضرت خدیجہ الکبریٰ کے بطن اقدس سے نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ اولاد پیدا ہوئی۔ طاہر، قاسم، فاطمہ، ام کلثوم، رقیہ، زینب رضی اللہ عنہم۔

مرآت العقول:

قَالَ ابْنُ شَهْرِ آشُوْبَ فِی الْمُنَاقِبِ وُلِدَ مِنْ خَدِیْجَۃَ الْقَاسِمُ وَعَبْدُ اللّٰہِ وَھُمَا الطَّیِّبُ وَالطَّاھِرُ وَاَرْبَعُ بَنَاتٍ زَیْنَبُ، رُقَیَّۃُ وَ اُمُّ کُلْثُوْمٍ وَھِیَ اٰمِنَۃُ وَ فَاطِمَۃُ۔

(مرآت العقول جلد ا ص۲۵۲)

ترجمہ: ابن شہر آشوب نے "المناقب" میں کہا۔ کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے یہ اولاد پیدا ہوئی۔ القاسم و عبد اللہ انہی دونوں کو الطاہر اور الطیب بھی کہتے ہیں۔ اور چار صاحبزادیاں۔ زینب و رقیہ و ام کلثوم (جن کو آمنہ بھی کہتے ہیں۔) اور فاطمہ۔

حیات القلوب:

وشہور آنست کہ دختران آنحضرت چہار نفر بودند۔ وہمہ از خدیجہ بوجود آمدند، اول زینب وحضرت پیش از بعثت وحرام شدن دختر بکافران دادن اورا بابی العاص بن ربیع تزویج نمود۔

(حیات القلوب جلد دوم ص۱۰۲۷ باب ۵۱
مطبوعہ نولکشور طبع قدیم)

ترجمہ: اور مشہور یہ ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں چار تھیں۔ اور یہ تمام حضرت خدیجہ کے ہاں پیدا ہوئیں۔ ان میں سے پہلی حضرت زینب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل اور کافروں کے ساتھ شادی بیاہ حرام ہونے سے قبل "ابوالعاص بن ربیع" کی زوجیت میں تھیں۔

منتہی الامال:

حضرت ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا سے حضور کی صاحبزادیاں چار ہوئیں جن میں سے دو یکے بعد دیگرے عثمان غنی کے عقد میں آئیں:

در قرب الاسناد از صادق علیہ السلام روایت شدہ است۔ کہ از برائے رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم از خدیجہ متولد شدند طاہر وقاسم وفاطمہ ام کلثوم ورقیہ وزینب وتزویج نمود فاطمہ را

بحضرت امیر المومنین وزینب را بابی العاص بن الربیع کہ از بنی امیہ بود وام کلثوم را بعثمان بن عفان و پیش از آنکہ بخانۂ عثمان برود برحمت الٰہی واصل شد و بعد ازاو حضرت رقیہ را باو تزویج نمود۔

(۱) (منتہی الامال مصنفہ شیخ عباس قمی جلد اول ص۱۲۵ دربیان احوال اولاد امجاد آنحضرت فصل ہشتم باب اول مطبوعہ ایران)

(۲) (بالفاظ مختلفہ مروج الذہب جلد دوم ص۲۹۱ (مسعودی)

ترجمہ: قرب الاسناد میں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حضرت خدیجہ سے یہ اولاد پیدا ہوئی۔ طاہر، قاسم، فاطمہ، ام کلثوم، رقیہ، زینب، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت زینب کی ابو العاص بن ربیع کے ساتھ ہوئی۔ جو بنی امیہ سے تھا۔ اور ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ لیکن رخصتی سے قبل انتقال فرما گئیں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رقیہ کی ان سے شادی کر دی۔

حاشیہ منتہی الامال:

تزویج زینب بابی العاص پیش از بعثت وحرام شدن دختر بکافران بود۔ واز زینب امامہ دختر ابو العاص بوجود آمد۔ وحضرت امیر المومنین علیہ السلام بعد از فاطمہ سلام اللہ علیہا بمقتضائے وصیت آں مخدرہ

او را تزویج فرمود۔ ونقل شدہ کہ ابوالعاص در جنگ بدر اسیر شد و زینب قلادۂ کہ حضرت خدیجہ باو دادہ بود بنزد حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرستاد برائے فدائے شوہر خود چوں حضرت نظرش قلادہ افتاد خدیجہ را یاد نمود۔ ورقت کرد واز ما بہ طلب نمود کہ فدائے او را ببخشند و ابوالعاص را بی فدا رہا کنند صحابہ چنیں کردند۔ حضرت از ابوالعاص شرط گرفت کہ چوں بمکہ برگردد۔ زینب را بخدمت آنحضرت فرستد۔ او بشرط خود وفا نمود۔ زینب را فرستاد۔ بعد از آں خود بمدینہ آمد ومسلمان شد و زینب در مدینہ سال ہفتم و بقولی در سال ہشتم ہجرت برحمت ایزدی واصل شد۔

(حاشیہ منتہی الامال جلد اول ص۱۲۵ باب اوّل فصل ہشتم)

ترجمہ: حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شادی ابوالعاص کے ساتھ بعثت سے قبل اور حرمت نکاح با کافراں سے قبل ہوئی تھی۔ ان کے ہاں "امامہ" پیدا ہوئی۔ جس سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد ان کی وصیت کے مطابق نکاح کیا تھا۔ اور نقل کیا گیا ہے۔ کہ ابوالعاص غزوہ بدر میں قیدی ہوگیا۔ تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے وہ ہار سے کر حضور کی بارگاہ میں بھیجا۔ جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے انہیں دیا تھا۔ تاکہ فدیہ کے طور پر اسے دے کر ان کے خاوند ابوالعاص کو رہا کر دیا جائے۔ جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نظر اس ہار پر پڑی۔ تو حضرت خدیجہ یاد آگئیں۔ اور آپ آبدیدہ ہو گئے۔

صحابہ کرام سے فرمایا۔ کہ ابو العاص کا فدیہ معاف کر کے بلا فدیہ اُسے رہا کر دو۔ صحابہ نے ایسے ہی کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو العاص سے وعدہ لیا۔ کہ جب مکہ جاؤ گے۔ تو زینب کو میرے پاس بھیجنا ابو العاص نے اپنی شرط (وعدہ) کو پورا کیا۔ اور حضرت زینب کو حضور کے پاس بھیجا۔ اس کے بعد یہ خود بھی مدینہ آگیا۔ اور مسلمان ہو گیا۔ حضرت زینب مدینہ منورہ میں ساتویں یا آٹھویں سال ہجرت میں انتقال فرما گئیں۔

حیات القلوب :-

چوں فاطمہ علیہا السلام آں حضرت را دید گریست فرمود کہ چہ چیز ترا بگریہ آوردہ است ای دختر محمد صلے اللہ علیہ وسلم فاطمہ فرمود کہ عائشہ نام مادر مرا برد داو را بنقص وکمی مرتبہ نسبت داد پس حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم در خشم شد وگفت بس کن حمیرا کہ خدا برکت می دہند زنے را کہ شوہر را بسیار دوست میدارد وبسیار فرزند آورد وخدیجہ اورا خدا رحمت کند از من طاہر مطہر را ہم رسانید کہ او عبد اللہ بود وقاسم را آورد ورقیہ وفاطمہ وزینب وام کلثوم از و ہم رسید خدا رحم ترا عقیم گردانید کہ ہیچ فرزند از تو ہم نمی رسد۔

(حیات القلوب جلد دوم ص۱۵۷ مطبوعہ نولکشور طبع قدیم باب ۵ فضائل خدیجہ)

ترجمہ: جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، تو رونا شروع کر دیا۔ پوچھا۔ تمہیں کس نے رلایا۔ عرض کی۔ عائشہ

نے میری والدہ کا نام بے کران کے نقص بیان کئے۔ اور کم مرتبہ کہا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ آگیا۔ اور فرمایا۔ حمیرا چپ ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ اس عورت کو برکتوں سے نوازتا ہے۔ جو شوہر کی خدمتگار ہو۔ اور خاوند سے محبت کرنے کے ساتھ ساتھ صاحب اولاد کثیرہ ہو۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اللہ انہیں غریق رحمت فرمائے۔ ان کے بطن سے طاہر اور مطہر (عبداللہ) پیدا ہوئے۔ اور قاسم کو اس نے جنا۔ رقیہ، فاطمہ، زینب، ام کلثوم بھی اسی سے پیدا ہوئیں اللہ نے تیرے رحم کو بانجھ بنایا۔ جس سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔

تنبیہ :-

اس دلیل میں "ملا باقر مجلسی شیعی" نے اپنی تبرائی عادت کے مطابق ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں زبان طعن دراز کی۔ جو کسی شخص پر مخفی نہیں۔ لیکن اس خبث باطنی کے باوجود ہم جس موضوع پر گفتگو کر رہے ہیں وہ بالکل صاف اور کھلے الفاظ میں اس نے بیان کر دیا۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں تھیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ کی فضیلت اس وجہ سے بیان کی۔ کہ وہ پانچ چھ بچوں کی ماں بنی تھیں۔ جن میں چار لڑکیاں اور باقی لڑکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد" ازمن طاہر و مطہر ہم رسانید،، وغیرہ سے یہ بات بھی بالکل عیاں ہے کہ آپ کی یہ سب اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آنے کے بعد ہوئی۔ نہ کہ حضرت خدیجہ پہلے خاوند سے پیدا شدہ اولاد ساتھ لائی تھیں۔

ذبح عظیم: امام حسین کی جنتی خالائیں

عَنْ رَبِیْعَةَ السَّعْدِیِّ قَالَ اَتَیْتُ حُذَیْفَةَ فَسَئَلْتُهٗ مِنْ اَشْیَاءَ فَقَالَ اِسْمَعْ مِنِّیْ وَعِهٗ وَبَلِّغِ النَّاسَ اِنِّیْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَسَمِعْتُهٗ بِاُذُنِیْ وَقَدْ جَآءَ الْحُسَیْنُ عَلَی الْمِنْبَرِ فَجَعَلَهٗ عَلٰی مَنْكِبَیْهِ ثُمَّ قَالَ اَیُّهَا النَّاسُ هٰذَا الْحُسَیْنُ خَیْرُ النَّاسِ جَدًّا وَّجَدَّةً جَدُّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ سَیِّدُ وَلَدِ اٰدَمَ وَجَدَّتُهٗ خَدِیْجَةُ سَابِقَةُ الْاِیْمَانِ مِنْ كُلِّ الْاُمَّةِ وَهٰذَا الْحُسَیْنُ خَیْرُ النَّاسِ خَالًا وَّخَالَةً وَخَالُهٗ عَبْدُ اللّٰهِ وَاِبْرَاهِیْمُ وَخَالَتُهٗ زَیْنَبُ وَرُقَیَّةُ وَاُمُّ كُلْثُوْمٍ وَهٰذَا الْحُسَیْنُ خَیْرُ النَّاسِ عَمًّا وَّعَمَّةً وَعَمُّهٗ جَعْفَرُ وَعَقِیْلٌ وَعَمَّتُهٗ اُمُّ هَانِیْ وَهٰذَا الْحُسَیْنُ خَیْرُ النَّاسِ اَبًا وَّاُمًّا وَّاَخًا وَّاُخْتًا اَبُوْهُ عَلِیٌّ وَّاُمُّهٗ فَاطِمَةُ وَاَخُوْهُ الْحَسَنُ وَاُخْتُهٗ زَیْنَبُ وَاُمُّ كُلْثُوْمٍ ثُمَّ وَضَعَهٗ عَنْ مَنْكِبَیْهِ فَاَجْلَسَهٗ فِیْ جَنْبِهٖ فَقَالَ اَیُّهَا النَّاسُ هٰذَا الْحُسَیْنُ جَدُّهٗ فِی الْجَنَّةِ وَجَدَّتُهٗ فِی الْجَنَّةِ وَعَمَّاتُهٗ فِی الْجَنَّةِ وَاَبَوَاهُ فِی الْجَنَّةِ وَاَبُوْهُ فِی الْجَنَّةِ وَاُمُّهٗ فِی الْجَنَّةِ وَاَخُوْهُ فِی الْجَنَّةِ وَاُخْتَاهُ فِی الْجَنَّةِ وَهُوَ فِی الْجَنَّةِ

(ذبح عظیم ص ۲۴ مصنفہ سید اولاد حیدر مطبوعہ لاہور طبع جدید)

ترجمہ: ربیعہ سعدی کہتے ہیں۔ میں نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے چند مسائل پوچھے حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ سنو اور یاد رکھو اور لوگوں کو بھی بتا دینا۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے اپنے کانوں سے سنا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ منبر پر آ گئے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے کندھوں پر بٹھا لیا۔ پھر آپ نے فرمایا لوگو! یہ میرا حسین تمام لوگوں سے بہتر ہے۔ اس کے نانا جیسا کوئی نانا نہیں۔ اور اس کی نانی جیسی کوئی نانی نہیں۔ اس کا نانا اللہ کا رسول اولاد آدم کا سردار ہے۔ اور اس کی نانی خدیجہ ہے جسے تمام امت میں سے ایمان لانے میں سبقت حاصل ہے۔ یہ حسین ماموں اور خالہ کے اعتبار سے لوگوں سے بہتر ہے۔ اس کے ماموں عبد اللہ اور ابراہیم اور اس کی خالائیں زینب، رقیہ، ام کلثوم ہیں۔ اور یہ حسین چچا اور پھوپھی کے اعتبار سے بھی سب سے بہتر ہے۔ اس کے چچا جعفر و عقیل اور اس کی پھوپھی ام ہانی ہیں۔ یہ حسین باپ، ماں اور بہن بھائیوں کے اعتبار سے بھی لوگوں سے افضل ہے۔ اس کا باپ علی اس کی ماں فاطمہ اور اس کا بھائی حسن اور اس کی بہنیں زینب وام کلثوم ہیں۔ یہ کہہ کر کندھے سے نیچے اتارا۔ اور اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ پھر فرمایا۔ لوگو! یہ وہ حسین ہے۔ کہ جس کا نانا، نانی، ماموں، خالائیں چچے، پھوپھی، باپ، ماں بھائی اور دونوں بہنیں جنتی ہیں۔ اور یہ خود بھی جنتی ہے۔

تحفۃ العوام:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى الْقَاسِمِ وَالطَّاهِرِ ابْنَيْ نَبِيِّكَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى رَقِيَّةَ بِنْتِ نَبِيِّكَ وَالْعَنْ مَنْ اٰذٰى نَبِيَّكَ فِيْهَا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اُمِّ كُلْثُوْمٍ بِنْتِ نَبِيِّكَ وَالْعَنْ مَنْ اٰذٰى نَبِيَّكَ فِيْهَا۔

(تحفۃ العوام حصہ اول باب ۱۷ ص ۱۱۳ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ۔)

ترجمہ: اے اللہ! قاسم اور طاہر پر رحمت بھیج۔ جو دونوں تیرے نبی کے بیٹے ہیں۔ اے اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر رقیہ پر رحمت نازل فرما۔ اور جس نے تیرے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس بیٹی کے معاملہ میں تکلیف دی اس پر لعنت فرما۔ اے اللہ ام کلثوم بنتِ رسول پر رحمت فرما اور اس کے معاملہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ دینے والے پر لعنت فرما

تنبیہ:

اس عبارت میں جو سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم کے معاملہ میں آپ کو تکلیف دینے والے پر اللہ کی لعنت ذکر ہوئی۔ اس مقام پر ایک مفہوم تو شیعہ لوگوں نے بیان کیا۔ کہ دراصل حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اس بددعا کا مصداق بنایا گیا۔ وہ اس طرح کہ یہ دونوں شاہزادیاں یکے بعد دیگرے ان کے عقد میں آئیں۔ اور عثمان غنی نے دونوں کو تکلیف دہ حالات میں رکھا۔ اور اذیت پہنچاتے رہے۔ لیکن یہ بات عقلاً نقلاً ہر طرح باطل ہے۔ عقلاً اس لیے

کہ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے واقعتاً پہلی بیوی حضرت رقیہ کو تنگ کیا ہوتا۔ تو انہی کی دوسری بہن حضرت عثمان کے عقد میں کب آتیں؟ کیا کوئی اپنی ایک بیٹی کی دکھ بھری زندگی دیکھ کر دوسری بیٹی کو انہی حالات میں ڈالنا پسند کرتا ہے؟ عقل اسے گوارہ نہیں کرتی۔ تو اگر واقعی جناب رقیہ حضرت عثمان کے گھر اذیت میں زندگی بسر کرتیں۔ تو ان کی وفات کے بعد ام کلثوم ان کے عقد میں نہ دی جاتیں۔

نقلاً اس لیے ناممکن کہ جنگ تبوک کے موقعہ پر تمام صحابہ میں سے بڑھ کر حضرت عثمان نے مجاہدین کے لیے مالی امداد کی۔ جس کی خوشی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا۔ کہ عثمان کو رہِ خدا میں مال خرچ کرنے کی وجہ سے اب کوئی عمل نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ جب یہ خوشخبری حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں ارشاد فرمادی۔ تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ عثمان غنی رضی اللہ جنتی ہیں۔ اور جنتی پر لعنت بھیجنا خود اپنا منہ کالا کرنا ہے۔

پھر اس لیے بھی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت عثمان کو جو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے افضل کہا۔ تو فضیلت کی وجہ بھی یہی بیان فرمائی۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یکے بعد دیگرے دو صاحبزادیاں انہیں عطا فرمائیں۔ اور شیخین اس سے محروم رہے۔ لہٰذا شیعہ لوگوں کا مذکورہ مطلب نکالنا سراسر جہالت اور تعصب ہے۔

دوسرا مفہوم یہ ہو سکتا ہے۔ کہ جو شخص ان دو صاحبزادیوں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں ہونے سے انکار کر کے باعث اذیت بنے۔ ان پر اللہ کی پھٹکار۔ کیونکہ بیٹیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اور منسوب کسی اور طرف کر دیں۔ کیا اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم رنجیدہ خاطر نہ ہوں گے۔ اور جس نے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اذیت دی۔ وہ واقعی لعنتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ اب تم اے شیعو! خود سوچو۔ کہ سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر نہ ہونے کا کون قائل ہے۔ جو اس کا قائل ہے اس پر اللہ رب العزت اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام دنیا والوں کی لعنت۔ لعنت۔ لعنت۔

انوار نعمانیہ:

رقیہ اور ام کلثوم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہروں سے نہیں بلکہ آپ کے بطن سے حضور صلی علیہ وسلم کے گھر پیدا ہوئیں اور عثمان کے عقد میں آئیں۔

انوار نعمانیہ:

اَقُوْلُ الْاُخْتَانِ اللَّتَانِ تَزَوَّجَهُمَا عُثْمَانُ اِحْدٰهُمَا رُقِيَّةُ تَزَوَّجَهَا عُتْبَةُ ابْنُ اَبِيْ لَهَبٍ لَعَنَهُ اللّٰهُ فَطَلَّقَهَا قَبْلَ اَنْ يَدْخُلَ بِهَا وَلَحِقَهَا مِنْهُ اَذًى فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ سَلِّطْ عَلٰى عُتْبَةَ كَلْبًا مِّنْ كِلَابِكَ فَتَنَاوَلَهُ الْاَسَدُ مِنْ بَيْنِ اَصْحَابِهٖ وَتَزَوَّجَ بَعْدَهٗ بِالْمَدِيْنَةِ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ فَوَلَدَتْ لَهٗ عَبْدَ اللّٰهِ وَمَاتَ صَغِيْرًا نَقَرَهٗ دِيْكٌ عَلٰى عَيْنِهٖ فَمَرِضَ وَمَاتَ وَتُوُفِّيَتْ بِالْمَدِيْنَةِ زَمَنَ بَدْرٍ فَتَخَلَّفَ عُثْمَانُ عَلٰى دَفْنِهَا وَمَنَعَهٗ ذٰلِكَ اَنْ يَّشْهَدَ بَدْرًا وَقَدْ كَانَ عُثْمَانُ هَاجَرَ اِلَى الْحَبْشَةِ وَمَعَهٗ رُقِيَّةُ وَالْاُخْرٰى اُمُّ كُلْثُوْمٍ تَزَوَّجَهَا اَيْضًا عُثْمَانُ

بَعْدَ اُخْتِهَا رُقَيَّةَ وَتُوُفِّيَتْ عِنْدَهُ وَقَدِ اخْتَلَفَتِ الْعُلَمَاءُ لِاخْتِلَافِ الرِّوَايَاتِ فِي اَنَّهُمَا هَلْ هُمَا مِنْ بَنَاتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خَدِيْجَةَ اَوْ اَنَّهُمَا رَبَائِبُهُ مِنْ خَدِيْجَةَ مِنْ اَحَدِ زَوْجَيْهَا الْاَوَّلَيْنِ فَاِنَّهَا اَوَّلًا قَدْ تَزَوَّجَهَا عَتِيْقُ بْنُ الْعَائِدِ الْمَخْزُوْمِيُّ فَوَلَدَتْ لَهُ جَارِيَةً ثُمَّ تَزَوَّجَهَا اَبُوْ هَالَةَ الْاَسَدِيُّ فَوَلَدَتْ لَهُ هِنْدَ بْنَ اَبِيْ هَالَةَ ثُمَّ تَزَوَّجَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهٰذَا الْاِخْتِلَافُ لَا اَثَرَ لَهُ لِاَنَّ عُثْمَانَ فِيْ زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ كَانَ مِمَّنْ اَظْهَرَ الْاِسْلَامَ وَاَبْطَنَ النِّفَاقَ وَهُوَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ كَانَ مُكَلَّفًا بِظَوَاهِرِ الْاَوَامِرِ كَحَالِنَا نَحْنُ اَيْضًا وَكَانَ يَمِيْلُ اِلَى مُوَاصَلَةِ الْمُنَافِقِيْنَ بِرَجَاءِ الْاِيْمَانِ الْبَاطِنِيِّ مِنْهُمْ مَعَ اَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَرَادَ الْاِيْمَانَ الْوَاقِعِيَّ لَكَانَ اَقَلَّ قَلِيْلٍ فَاِنَّ اَغْلَبَ الصَّحَابَةِ كَانُوْا عَلَى النِّفَاقِ۔

(انوار نعمانیہ جلد اول ص ۸۰ طبع جدید مطبوعہ ایران

تبریز تذکرہ نور مرتضوی)

(انوار نعمانیہ ص ۲۶ مطبوعہ تہران) طبع قدیم

ترجمہ: میں کہتا ہوں۔ جن دو بہنوں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے شادی کی تھی۔ ان میں ایک کا نام رقیہ تھا۔ اس سے پہلے عتبہ بن ابولہب، لعنۃ اللہ نے شادی کی تھی۔ وطی سے قبل انہیں طلاق دے دی۔ اس سے حضرت رقیہ کو بہت تکالیف سہنا پڑیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے کہا تھا۔ اے اللہ! اپنے کتوں میں سے کوئی کتا اس پر مسلط کر دے۔ تو اس کے دوستوں کے درمیان سے اس کو شیر نے پھاڑ کھایا اس کے بعد مدینہ میں پھر ان کی شادی حضرت عثمان بن عفان سے ہوئی۔ (لفظ مدینہ یا تو مصنف کی کم علمی کی وجہ سے لکھا گیا۔ یا کاتب نے سہواً ایسا کر دیا۔ کیونکہ حضرت عثمان ہجرت حبشہ کے بعد مدینہ آئے۔ اور ہجرت حبشہ کے وقت حضرت رقیہ ان کے ساتھ تھیں۔ ان کا عقد مکہ میں ہوا تھا) حضرت عثمان کے عقد میں آنے کے بعد ان کے ہاں ایک بچہ "عبداللہ" پیدا ہوا۔ چھوٹی عمر میں مرغ نے آنکھ میں چونچ ماری۔ جس سے بیمار ہو کر فوت ہو گیا۔
حضرت رقیہ کا زمانہ غزوہ بدر میں انتقال ہوا۔ ان کی تیمارداری پھر دفن وکفن کی وجہ سے حضرت عثمان اس غزوہ میں شریک نہ ہو سکے۔ حضرت عثمان کے ہجرت حبشہ کے وقت جناب رقیہ ان کے ساتھ تھیں۔ دوسری کا نام ام کلثوم تھا۔ ان سے بھی حضرت عثمان نے سیدہ رقیہ کے بعد شادی کی۔ ان کا انتقال بھی حضرت عثمان کی زوجیت میں ہی ہوا۔
روایات کے اختلاف کی بناء پر علماء کا اس بارے میں اختلاف ہوا کہ کیا یہ دونوں (رقیہ، ام کلثوم) نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں تھیں۔ اور آپ کے ہاں جناب خدیجہ سے پیدا ہوئیں۔ یا یہ کہ حضرت خدیجہ کے پہلے دو خاوندوں سے تھیں۔ اور صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر ان کی پرورش ہوئی۔ کیونکہ حضرت خدیجہ نے پہلے "عتیق بن عائذ مخزومی" سے نکاح کیا۔ اس سے

ایک لڑکی ہوئی۔ پھر "ابو ہالہ اسدی"، سے شادی ہوئی۔ اس کے گھران کے بطن سے "ہند بن ابی ہالہ"، کا تولد ہوا۔ ان دونوں کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ لیکن اس اختلاف کا عثمان غنی کے ہاں دو نوں یکے بعد دیگرے آنے پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ عثمان ان لوگوں میں سے تھے (معاذ اللہ) جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بظاہر مسلمان اور باطن میں منافقین تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کے ظاہری احکام کے مکلف تھے۔ جیسا کہ ہم ہیں۔ اور آپ منافقین کے دلی طور پر مومن ہو جانے کے خیال سے ان سے میل جول رکھتے تھے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حقیقی ایمان کا ارادہ فرماتے۔ تو بہت تھوڑے سے خالص مومن نکلتے۔ صحابہ کی اکثریت آپ کے زمانے میں منافق تھی۔

(العیاذ باللہ)

مذکورہ عبارت سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے

۱۔ نعمت اللہ جزائری کے فتوی کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں (رقیہ، ام کلثوم) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں آئیں۔

۲۔ یہ دونوں عقد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ہوئے۔

۳۔ ہجرت حبشہ کے وقت سیدہ رقیہ حضرت عثمان غنی کی زوجیت میں ہوتے ہوئے ان کے ساتھ تھیں۔

۴ غزوہ بدر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ رقیہ کی تیمارداری کی خاطر حضرت عثمان کو اس غزوہ میں شرکت کرنے کی اجازت نہ دی۔

۵۔ بالفرض اگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شیعہ لوگوں کے خیال کے مطابق ظاہراً مسلمان تھے۔ پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دونوں صاحبزادیوں کا عقد ان سے کر دیا۔ تو پھر ان دونوں صاحبزادیوں کو ربیبہ ثابت کرنے کی لایعنی کوشش کس لیے؟

۶۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حقیقی مسلمان بہت کم تھے۔ (معاذ اللہ) منافقین تھے۔

لمحہ فکریہ:

مذکورہ امور سے یہ تو بالکل واضح ہوا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ یکے بعد دیگرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں عقد میں آئیں۔ اس کے ساتھ ساتھ "ملا نعمت اللہ تبرائی" نے اپنی گندی فطرت کا بھی ثبوت فراہم کر دیا۔ اس نے (معاذ اللہ) حضرت عثمان کو ہی نہیں بلکہ صحابہ کرام کی اکثریت کو منافق کہا۔ صرف تین چار افراد اس کے نزدیک حقیقی مسلمان تھے۔ (مقداد بن اسود، سلمان فارسی، زبیر بن عوام) اگر اس تبرائی کی بات درست مان لی جائے تو "بیعت رضوان" میں شریک سترہ سو صحابہ کے بارے میں کیا حکم ہوگا۔ جن کے متعلق اللہ خود فرماتا ہے "فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ" پھر اسی آیت کریمہ کے تحت ان کی تفسیر "منہج الصادقین" میں ایک حدیث

نقل کی گئی ہے "جن لوگوں نے بیعت رضوان میں شرکت کی ان میں سے کوئی بھی دوزخ میں نہیں جائے گا"، اس کا کیا معنی ہو گا؟

لہذا میں شیعہ حضرات سے درخواست کرتا ہوں کہ اس قسم کے "تبرائی" علماء سے بیزاری کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر ایمان لاتے ہوئے اپنی عاقبت سنوار لو۔

مرآت العقول:

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَوَّلُ مَنْ وُلِدَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ قَبْلَ النُّبُوَّةِ الْقَاسِمُ وَيُكَنّٰى بِهٖ ثُمَّ زَيْنَبُ ثُمَّ رُقَيَّةُ ثُمَّ فَاطِمَةُ ثُمَّ اُمُّ كُلْثُوْمٍ ثُمَّ وُلِدَ لَهٗ فِى الْاِسْلَامِ عَبْدُ اللّٰهِ فَسُمِّيَ الطَّيِّبَ وَالطَّاهِرَ وَاُمُّهُمْ جَمِيْعًا خَدِيْجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ۔ (مراۃ العقول جلد ۱ ص ۳۵۲)

ترجمہ: حضرت ابن عباس نے فرمایا اعلان نبوت سے قبل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں سب سے پہلے قاسم پیدا ہوئے جن سے آپ کی کنیت ابوالقاسم ہے پھر زینب پھر رقیہ پھر فاطمہ اور پھر ام کلثوم پیدا ہوئیں۔ اور ظہور اسلام کے بعد عبداللہ (جن کا نام طیب ہے) اور طاہر پیدا ہوئے، اور ان سب کی والدہ خدیجہ بنت خویلد ہیں۔

وَقَالَ شَهْرَ آشُوْبٍ وُلِدَ مِنْ خَدِيْجَةَ الْقَاسِمُ وَعَبْدُ اللّٰهِ وَهُمَا الطَّاهِرُ وَالطَّيِّبُ وَاَرْبَعُ بَنَاتٍ زَيْنَبُ وَرُقَيَّةُ وَاُمُّ كُلْثُوْمٍ وَهِيَ اٰمِنَةُ وَفَاطِمَةُ۔

"المناقب" میں ابن شہر آشوب نے کہا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے "قاسم و عبداللہ" پیدا ہوئے جنہیں طیب و طاہر

بھی کہتے ہیں اور چار بیٹیاں زینب، رقیہ، ام کلثوم (جن کا نام آمنہ بھی ہے) اور فاطمہ رضی اللہ عنہن۔

قَالَ الْقُرْطُبِیْ اِجْتَمَعَ اَھْلُ النَّقْلِ عَلٰی اَنَّھَا وُلِدَتْ لَہٗ اَرْبَعُ بَنَاتٍ کُلُّھُنَّ اَدْرَکْنَ الْاِسْلَامَ وَھَاجَرْنَ زَیْنَبُ وَرُقَیَّۃُ وَاُمُّ کُلْثُوْمٍ وَفَاطِمَۃُ۔ (مراۃ العقول ص ۳۵۲ جلد اول)

ترجمہ: قرطبی نے کہا۔ کہ اہل نقل اس بات پر متفق ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حضرت خدیجہ کے بطن سے چار بیٹیاں پیدا ہوئیں سب مسلمان تھیں۔ اور تمام نے ہجرت بھی کی۔ زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہن۔

فروع کافی: نبی علیہ السلام ایک سے زائد بیٹیوں کے باپ تھے:

عَنْ حَمَّادِ بْنِ عِیْسٰی عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ سَمِعْتُہٗ یَقُوْلُ قَالَ اَبِیْ مَا زَوَّجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَائِرَ بَنَاتِہٖ وَلَا تَزَوَّجَ شَیْئًا مِّنْ نِّسَآئِہٖ عَلٰی اَکْثَرَ مِنْ اِثْنَیْ عَشَرَۃَ اُوْقِیَۃً وَنُشٍّ وَّالْاُوْقِیَۃُ اَرْبَعُوْنَ دِرْھَمًا وَّالنَّشُّ عِشْرُوْنَ دِرْھَمًا۔

(فروع کافی جلد دوم ص ۱۵۶ نولکشور)

ترجمہ: امام جعفر صادق فرماتے ہیں۔ کہ میں نے امام باقر سے سنا۔ وہ کہہ رہے تھے۔ کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام بیٹیوں اور بیویوں کا حق مہر ساڑھے بارہ اوقیہ سے زیادہ نہ باندھا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔ (یعنی ۵۰۰ درہم)

عَنْ حَمَّادِ بْنِ عُثْمَانَ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَبَا بَنَاتٍ۔

(۱) (فروع کافی جلد دوم نولکشور طبع قدیم)

(۲) (فروع کافی جلد ۶ ص۵ کتاب العقیقہ باب فضل البنات مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چند بیٹیوں کے باپ تھے۔

اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْعَاصِمِيُّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحَسَنِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَسْبَاطٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ الْجَارُوْدِ بْنِ الْمُنْذِرِ قَالَ قَالَ لِيْ اَبُوْ عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَلَغَنِيْ اَنَّهٗ وُلِدَ لَكَ اِبْنَةٌ وَ اَنَّكَ تَسْخَطُهَا وَ مَا عَلَيْكَ مِنْهَا رِيْحَانَةٌ تَشُمُّهَا وَ قَدْ كُفِيْتَ رِزْقَهَا وَ قَدْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبَا بَنَاتٍ۔

(۱) (فروع کافی جلد دوم ص۲۵۶ مطبوعہ نولکشور طبع قدیم)

(۲) (فروع کافی جلد ۶ ص۶ کتاب العقیقہ باب فضل البنات مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے کہا۔ کہ مجھے معلوم ہوا۔ کہ اے جارود بن منذر تیری ایک ہی بیٹی ہے۔ اور تو اُسے اچھی نہیں سمجھتا۔ اور تجھے اس سے کوئی خوشبو (اُنس) نہیں۔ وہ اپنا رزق کھائے گی۔ حالانکہ (اگر لڑکی ایسی ہی نکمی اولاد ہوتی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی بیٹیوں والے نہ ہوتے) آپ بیٹیوں والے تھے۔

استبصار:

عَنْ يَزِيْدَ بْنِ خَلِيْفَةَ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ اَبِيْ عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَسَاَلَهٗ رَجُلٌ مِّنَ الْقُمِّيِّيْنَ فَقَالَ يَا اَبَا عَبْدِ اللهِ اَتُصَلِّي النِّسَاءُ

عَلَى الْجَنَازَةِ قَالَ فَقَالَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِيْهَا هَدَرَ دَمَ الْمُغِيْرَةِ بْنِ اَبِى الْعَاصِ وَحَدَّثَ حَدِيْثًا طَوِيْلًا وَاِنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ النَّبِىِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ تُوُفِّيَتْ وَاِنَّ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ خَرَجَتْ فِىْ نِسَآئِهَا فَصَلَّتْ عَلٰى اُخْتِهَا۔

(کتاب الاستبصار جلد اول ص ۴۸۵) (تہذیب الاحکام جلد ۸ ص ۱۶۱ باب عدۃ النساء مطبوعہ تہران طبع جدید)

(کتاب الاستبصار جلد اول ص ۴۸۵ کتاب الجنائز باب الصلاۃ علی جنازۃ معہا امراۃ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: یزید بن خلیفہ کہتا ہے کہ میں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ تو ایک قمی آدمی نے پوچھا۔ کیا عورتیں نماز جنازہ پڑھ سکتی ہیں؟ امام جعفر نے جواب دیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغیرہ بن ابوالعاص کا خون ضائع ہونے کی بات فرما رہے تھے۔ اس پر امام موصوف نے لمبی حدیث بیان کی۔ اور فرمایا۔ کہ حضرت زینب بنت رسول خدا کا جب وصال ہوا۔ تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دیگر عورتوں کے ساتھ اپنی بہن کی نماز جنازہ پڑھی۔

مجمع البیان:

مہاجرین حبشہ میں عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ رقیہ بنت رسول بھی شامل تھیں۔

فَخَرَجَ اِلَيْهَا سِتَّۃٌ اَحَدَ عَشَرَ رَجُلًا وَّ اَرْبَعُ نِسْوَةٍ وَهُمْ

عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ وَ امْرَاَتُهٗ رُقَيَّةُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ الزُّبَيْرُ بْنُ الْعَوَامِ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ .... وَ هٰذِهٖ هِيَ الْهِجْرَةُ الْاُوْلٰى ۔ (تفسیر مجمع البیان جلد دوم جز سوم صد ۳۱۲ مطبوعہ تہران)

ترجمہ: حبشہ کی طرف پوشیدہ طور پر ہجرت کرنے کے لیے ۱۱ مرد اور ۴ عورتیں نکلیں جن میں سے حضرت عثمان بن عفان اور ان کی بیوی سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے .... یہ سب سے پہلی ہجرت تھی۔

فیض الاسلام: بقول شیعہ محقق عثمان رضی اللہ عنہ شیخین سے افضل ہیں کیونکہ ان کے عقد میں پے بہ پے دو دختران رسول آئیں

پس خویشاوندی عثمان از ابوبکر و عمر بہ پیغمبر نزدیک تر است و بہ دامادی پیغمبر مرتبہ اے یافتہ ای کہ ابوبکر و عمر نیافتند عثمان رقیہ و ام کلثوم را بنا بر مشہور دختران پیغمبر اند بہمسری خود در آورد و ابتدا اول رقیہ را و بعد از چند گاہ کہ آں مظلومہ وفات نمود ام کلثوم را بجائے خواہر باو دادند۔

(شرح نہج البلاغہ فارسی فیض الاسلام خطبہ ۱۶۳ ص ۵۲۸ مطبوعہ تہران)

ترجمہ: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ باعتبار قرابت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے قریب ہیں۔ کہ اتنی قربت ابوبکر صدیق اور عمر بن خطاب کو بھی حاصل نہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا داماد بن کر وہ مرتبہ پایا۔ جو

ابوبکروعمر کو نہ ملا۔ حضرت عثمان نے سیدہ رقیہ اور ام کلثوم سے شادی کی۔ جو مشہور روایات کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں تھیں۔ پہلے سیدہ رقیہ سے شادی ہوئی۔ اور ان کی وفات کے بعد ان کی ہمشیرہ ام کلثوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں آئیں۔

بقول شیعہ محقق حضرت عثمان شیخین کی بنسبت نسب میں نبی علیہ السلام کے زیادہ قریب ہیں

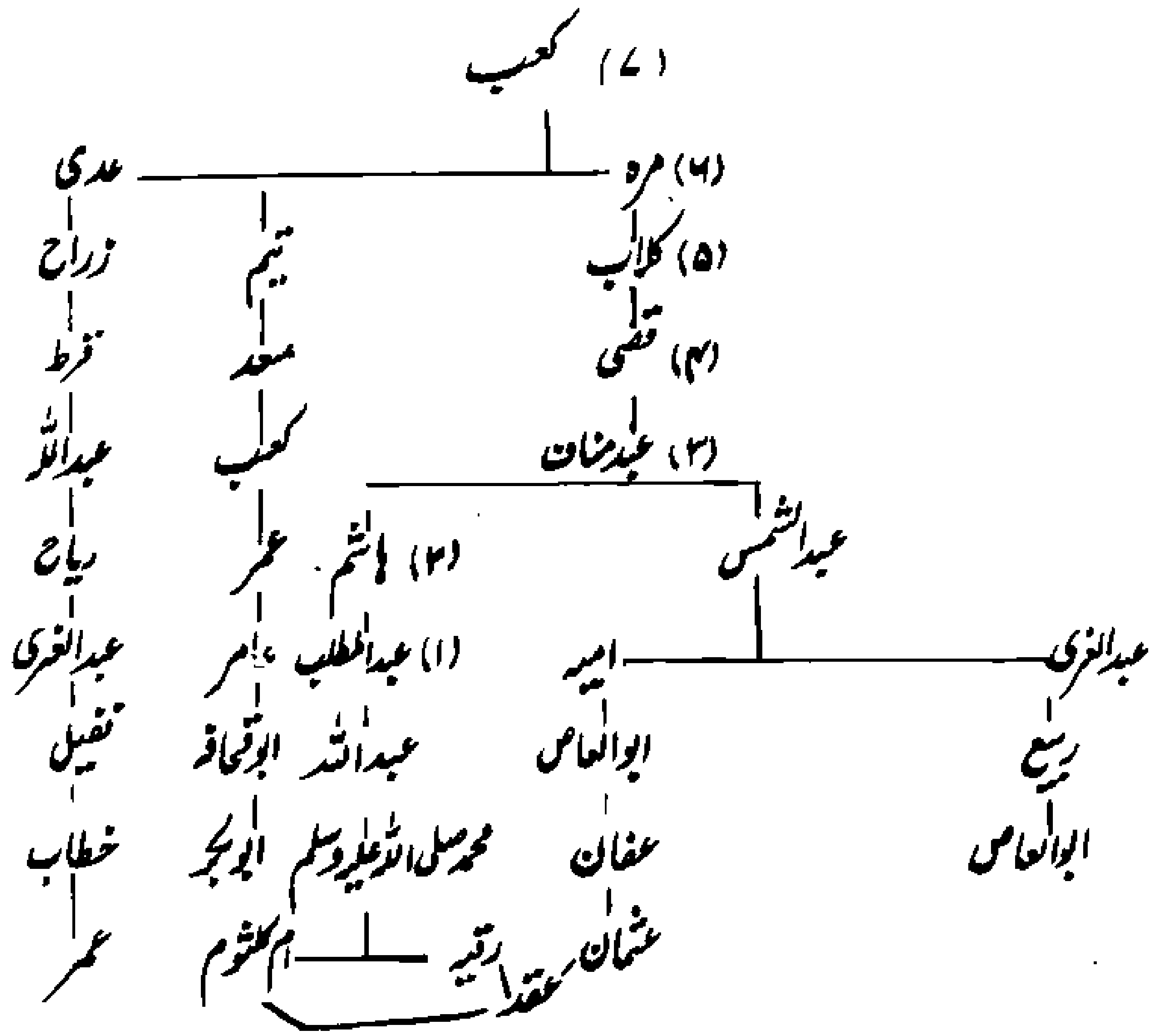
حضرت عثمان کی نسب یہ ہے عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف، تو عبد مناف رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تیسرے دادا ہیں۔ کیونکہ آپ کا نسب یہ ہے۔ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب۔

اور ابوبکر کی نسب یہ ہے۔ ابوبکر بن ابی قحافہ عثمان بن عامر بن عمر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب۔ اور مرہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا چھٹا دادا ہے۔ اور عمر فاروق کی نسب یہ ہے۔ عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن ریاح بن عبد اللہ بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب اور کعب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتواں دادا ہے۔ ۱۲

یعنی عثمان غنی نبی علیہ السلام کے تیسرے دادا پر ابوبکر صدیق چھٹے اور عمر فاروق ساتویں دادا پر نبی علیہ السلام کے ساتھ نسب میں مل جاتے ہیں۔

(فیض الاسلام شرح، نہج البلاغہ ص ۵۲۹)

(اس حقیقت کو ہم نے درج ذیل نقشہ میں بیان کر دیا ہے۔)



نقشہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادوں کے ساتھ نمبر لگا دیئے ہیں تاکہ خلفائے ثلاثہ کے دادوں کو ملانے میں آسانی رہے۔

مجالس المومنین:

نبیؐ نے اپنی بیٹی عثمانؓ کو دی اور علی رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو دی۔

اگر نبی دختر بہ عثمان داد ولی دختر بعمر فرستاد۔

(مجالس المومنین جلد اول صفحہ ۲۰۴ مطبوعہ تہران
سن طباعت ۱۳۷۵ھ توقف امیرالمؤمنین
فی محاربۃ القوم طبقہ دوم تقریر لطیف فی علۃ)

ترجمہ: اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لڑکی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں دی۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دی۔

حیات القلوب:

عثمان غنی کی دامادیٔ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق امام جعفر صادق کا فتویٰ

وعیاشی روایت کردہ است کہ از صادق علیہ السلام پرسیدند کہ آیا حضرت رسول دختر خود را بعثمان داد حضرت فرمود کہ بلی۔

ترجمہ:

عیاشی نے روایت کی۔ کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیاہی تھی۔ حضرت امام صادق نے فرمایا۔ ہاں ضرور بیاہی تھی۔

التنبیہ والاشراف:

رقیہ بنت رسول سے عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر عبداللہ نامی لڑکا ہوا

وَكَانَ لَهُ مِنَ الْبَنِيْنَ تِسْعَةٌ عَبْدُ اللّٰهِ الْاَكْبَرُ تُوُفِّيَ وَلَهُ مِنَ الْعُمُرِ سِتُّ سِنِيْنَ اُمُّهٗ رُقَيَّةُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى مَا قَدَّمْنَا۔

ترجمہ: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے نو لڑکے تھے۔ ایک "عبداللہ الاکبر" تھا جو چھ برس کی عمر میں فوت ہو گیا جس کی والدہ سیدہ رقیہ تھیں۔ جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی دختر تھیں۔ جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔

(التنبیہ والاشراف للمسعودی ص۲۵۵ تحت ذکر خلافت عثمان)

عثمان بوجہ تیمارداری بنت رسول بدر سے غیر حاضر ہوئے مگر انہیں بدر کا حصہ اور اجر ملا

عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ تَخَلَّفَ عَنْ بَدْرٍ لِمَرَضِ رُقَيَّةَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَرَبَ لَهُ بِسَهْمِهٖ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَاَجْرِيْ؟ قَالَ وَاَجْرُكَ

(التنبیہ والاشراف للمسعودی ص۲۰۵ تحت السنۃ الثانیۃ)

ترجمہ: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ غزوہ بدر سے بوجہ تیمارداری سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ کے گھر رہ گئے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت کا حصہ انہیں دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ مجھے ثواب بھی ملے گا؟ فرمایا۔ ہاں ضرور ملے گا۔

ابن حدید:

قول نبی اگر میری تیسری بیٹی ہوتی تو وہ بھی عثمان کو دے دیتا۔ اسی لیے عثمان غنی کو ذوالنورین کہتے ہیں)

قَالَ شَيْخُنَا اَبُوْ عُثْمَانَ وَلَمَّا مَاتَتِ الْبِنْتَانِ تَحْتَ عُثْمَانَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَصْحَابِهٖ مَا تَنْتَظِرُوْنَ لِعُثْمَانَ اَلَا اَبُوْ اَيِّمٍ اَلَا اَخُوْ اَيِّمٍ زَوَّجْتُهُ اِبْنَتَيْنِ وَلَوْ اَنَّ عِنْدِيْ ثَالِثَةً لَفَعَلْتُ ذَالِكَ وَلِذٰلِكَ سُمِّيَ ذَا النُّوْرَيْنِ۔

(شرح نہج البلاغہ ابن ابی حدید جلد ۳ ص ۴۶۲ بیروت بڑا سائز۔ المفاضلۃ بین بنی عبد شمس وھی بنی ھاشم

ترجمہ:

ہمارے شیخ ابو عثمان نے کہا جب حضرت عثمان کے عقد میں یکے بعد دیگرے آنے والی دونوں بیویاں فوت ہو گئیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو فرمایا۔ تم عثمان کے لیے کس چیز کا انتظار کرتے ہو۔ کیا کسی بیوہ کے بھائی کا یا باپ کا! میں نے اپنی

دو بیٹیوں (رقیہ ام کلثوم) کا عقد اس سے کیا۔ اگر میرے پاس تیسری بھی ہوتی۔ تو اس کی شادی بھی اس سے کر دیتا۔ راوی کہتے ہیں۔ اسی لیے عثمان کو "ذوالنورین" دو نوروں والے کہتے ہیں۔

مروج الذہب: بنت رسول سے عثمان کے دو لڑکے ہوئے

وَكَانَ لَهُ مِنَ الْوَلَدِ عَبْدُ اللهِ الْاَكْبَرُ وَعَبْدُ اللهِ الْاَصْغَرُ اُمُّهُمَا رُقَيَّةُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دو صاحبزادے "عبد اللہ الاکبر" "عبد اللہ الاصغر" تھے۔ ان دونوں کی والدہ کا نام سیدہ رقیہ تھا۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی تھیں۔

(مروج الذہب للمسعودی جلد دوم ص ۳۴۱ ذکر خلافت عثمان بن عفان نسبہ)

ابن شہر آشوب:

وَاَوْلَادُہٗ وُلِدَ مِنْ خَدِیْجَۃَ اَلْقَاسِمُ وَ عَبْدُ اللّٰہِ وَھُمَا الطَّاھِرُ وَالطَّیِّبُ وَ اَرْبَعَ بَنَاتٍ زَیْنَبُ وَرُقَیَّۃُ وَاُمُّ کُلْثُوْمٍ وَھِیَ اٰمِنَۃُ وَفَاطِمَۃُ۔

(مناقب آل ابی طالب مصنفہ ابن شہر آشوب جلد اول
ص۱۶۱ باب ذکر سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصل فی اقوبائہ
و خدامہ مطبوعہ قم خیابان طبع جدید)

ترجمہ: جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا سے دو لڑکے ہوئے۔ قاسم اور عبداللہ جن کو طیب و طاہر بھی کہتے ہیں۔ اور بیٹیاں چار تھیں۔ زینب، رقیہ ام کلثوم اور فاطمہ۔

بغض عثمان اور اس کا خوفناک انجام

بعض لوگ جب مذکورہ دلائل کے سامنے عاجز آ جاتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ ہاں ہماری کتابوں میں یہ بات واقعی موجود ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یکے بعد دیگرے اپنی دو صاحبزادیوں کا عقد عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کر دیا لیکن اس کے باوجود عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اولاد طاہرہ کے دشمن تھے اور اسی وجہ

سے انہوں نے ظلماً آپ کی بیٹی کو شیعہ کر دیا۔ لہذا ثابت ہوا کہ وہ فاسق و فاجر تھے۔ معاذ اللہ اور ان کو داماد رسول ہونے کا کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا۔

شیعو! تمہیں ایسے خبیث عقائد کے انجام سے متنبہ ہونا چاہیے کہ تمہاری کتب میں یوں موجود ہے۔

ارشاد القلوب:

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّمَا امْرَاَۃٍ رَضِیَتْ بِتَزْوِیْجِ فَاسِقٍ وَھِیَ مُنَافِقَۃٌ جَلَسَتْ فِی النَّارِ۔ وَاِذَا مَاتَتْ فُتِحَ فِیْ قَبْرِھَا سَبْعُوْنَ بَابًا مِّنَ الْعَذَابِ وَ اِنْ قَالَتْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تَلْعَنُھَا کُلُّ مَلَکٍ بَیْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ وَ غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْھَا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَکَتَبَ اللّٰہُ عَلَیْھَا فِیْ کُلِّ یَوْمٍ وَّلَیْلَۃٍ سَبْعِیْنَ خَطِیْئَۃً۔

وَقَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ مَنْ زَوَّجَ کَرِیْمَتَہٗ بِفَاسِقٍ نَزَلَ عَلَیْہِ کُلَّ یَوْمٍ اَلْفُ لَعْنَۃٍ وَلَا یُصْعَدُ لَہٗ عَمَلٌ اِلَی السَّمَآءِ وَلَا یُسْتَجَابُ لَہٗ دُعَاؤُہٗ وَلَا یُقْبَلُ مِنْہُ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ۔

(ارشاد القلوب جلد اول ص۱۷۴ الباب الحادی والخمسون فی اخبار عن النبی والائمہ مطبوعہ بیروت طبع جدید۔)

ترجمہ: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی عورت فاسق کے ساتھ نکاح کرنے

پر راضی ہو جائے وہ منافقہ ہے۔ لہٰذا وہ جہنم میں ڈال دی جائے گی اور جب وہ مر جائے گی تو اس کی قبر میں ستر دروازے عذاب کے کھول دیئے جائیں گے اگرچہ وہ کلمہ بھی پڑھتی ہو۔ زمین و آسمان کے درمیان کے فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں۔ دنیا اور آخرت میں۔ اور ہر دن اور رات میں اللہ تعالیٰ اس کے اعمال نامے میں ستر گناہ لکھتا ہے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آدمی نے اپنی پاکدامنہ لڑکی کا فاسق کے ساتھ عقد کر دیا اس پر ہر دن میں ہزار دفعہ لعنت نازل ہوتی ہے اور اس کا کوئی عمل آسمان کی طرف نہیں چڑھتا اور نہ ہی اس کی کوئی دعا قبول ہوتی ہے۔ اور نہ ہی اس سے کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا۔

مذکورہ حدیث سے ثابت ہوا کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو فاسق و فاجر کہنے والا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اولاد طاہرہ کا سب سے بڑا موذی اور گستاخ ہے کیونکہ مذکورہ حدیث میں جو فاسق و فاجر کو بیٹی دینے والے اور اس عورت کے متعلق جو فاسق و فاجر کے ساتھ نکاح کرنے پر رضامند ہو جائے وعید آئی ہے اس کے مستحق اس موذی اور گستاخ کے نزدیک نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی صاحبزادیاں بھی بنتی ہیں۔ معاذ اللہ

شیعو! غور کرو اور ہوش سے کام لو۔ تمہارے اس خود ساختہ عقیدے کا انجام کیا ہونے والا ہے۔

ع ؎ اہل بیت پاک سے گستاخیاں بے باکیاں
لعنت اللہ علیہم دشمنانِ اہل بیت

فاعتبروا یا اولی الابصار

خصال شیخ صدوق:

وَاَمَّا عُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ فَقَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْ كِتَابِهٖ النَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗ اُمَّهَاتُهُمْ فَعَقُّوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ ذُرِّيَّتِهٖ وَ عَقُّوْا اُمَّهُمْ خَدِيْجَةَ فِيْ ذُرِّيَّتِهَا۔

(خصائل شیخ صدوق جلد دوم ص۳۲۲ باب السبعتریحا ج الناس علی یوم القیمۃ بسبع خصائل مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: (کبیرہ گناہوں میں سے) والدین کی نافرمانی ہے۔ تحقیق نازل کیا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں "نبی صلے اللہ علیہ وسلم مومنوں سے اُن کی جانوں سے بھی قریب ہیں اور آپ کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں"، پس اُن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی آپ کی اولاد کے بارے میں اور نافرمانی کی اپنی ماں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی ان کی اولاد کے بارے میں۔

حاصل کلام:

شیخ صدوق نے کبیرہ گناہوں کی تعداد سات بیان کی جن میں سے ایک والدین کی نافرمانی ہے۔ جس کی تفسیر اُس نے یوں کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی اولاد کے بارے میں نافرمانی کرنا یعنی انہیں ان کی اولاد نہ سمجھنا جس

کا واضح مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سوائے فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے دوسری صاحبزادیوں کا انکار کرتے ہیں وہ کبیرہ گناہ کے مرتکب ہیں۔ اور ان کی سزا قتل و زنا کی سزا کی مثل قرار پائی کیونکہ جس طرح قتل و زنا گناہ کبیرہ ہے اسی طرح بنات رسول کا انکار بھی گناہ کبیرہ ہے۔

آخری گزارش اور کھلا چیلنج:

ہم نے مذکورہ ان گنت ثبوت اور وہ بھی کتب شیعہ سے پیش کیے۔ جن سے یہ بات صراحتاً ثابت ہو گئی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں (صلبی) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تھیں۔ ان حوالہ جات میں سے اگر کوئی شیعہ ایک حوالہ بھی غلط ثابت کر دے۔ ہم اسے دس ہزار روپیہ نقد انعام پیش کریں گے۔ لیکن ہمارا دعویٰ ہے۔ تمام شیعہ مل کر بھی ان حوالہ جات میں سے ایک بھی غلط ثابت نہیں کر سکتے۔

لہٰذا گزارش ہے۔ کہ جب تمہاری کتب سے ثابت ہو گیا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ چاروں صاحبزادیاں آپ کی صلبی صاحبزادیاں ہیں۔ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے چاروں پیدا ہوئیں۔ تو تمہیں اے شیعو! اب انکار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت ہوتی ہے۔ اور آپ کی اذیت باعث عذاب الٰہی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۔

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت

ہیں اللہ کی لعنت۔ اور اللہ نے ان کے لیے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔

واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم

وما علینا الا البلغ المبین

سوال ۱۱: اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں چار تھیں۔ تو بوقتِ مباہلہ نجران کے عیسائیوں کے مقابلہ میں انہیں بھی ساتھ لاتے۔

حالانکہ اس وقت آپ کے ساتھ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اکیلی ہی تھیں۔

سوال ۱۲:

آیت تطہیر کے نزول کے وقت جب آپ نے اپنی چادر میں چند حضرات کو لپیٹا۔ اور پھر جن کے بارے میں فرمایا۔ "یہ میرے اہل بیت ہیں" ان میں بھی صرف حضرت خاتون جنت سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا ہی تھیں۔ لہذا بتلایا جائے کہ اگر حضرت فاطمہ کے علاوہ آپ کی دیگر تین صاحبزادیاں بھی تھیں۔ تو انہیں ان دو مواقع پر شریک کیوں نہ کیا گیا؟

جواب:

آیت مباہلہ ۹ھ کے آخر میں نازل ہوئی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مباہلہ سے واپس تشریف لائے۔ تو آیت تطہیر نازل ہوئی۔ جیسا کہ منتخب التواریخ ص۲۱ باب اول طبع تہران میں مذکور ہے۔

منتہی الامال:

حضرت رسول در روز مباہلہ بیروں آمد عبائی پوشیدہ بود از موئے سیاہ

پس امام حسن و امام حسین و حضرت فاطمہ و علی بن ابی طالب علیہم السلام را در زیر عبا داخل کرد۔ و ایں آیہ خواند۔ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔

(منتہی الامال جلد اول ص۱۰۹ وقائع دہم ہجری مطبوعہ ایران، بیرون آمدن آنحضرت برائے مباہلہ بانصاری)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم مباہلہ کے دن عبا (جبہ) پہنے باہر تشریف لائے۔ جو سیاہ بالوں کا بنا ہوا تھا۔ پھر امام حسن و حسین اور علی بن ابی طالب علیہم السلام آگئے۔ آپ نے ان سب کو جبہ میں لے لیا۔ اور یہ آیت پڑھی انما یرید اللہ الخ۔

مباہلہ اور نزول آیہ تطہیر سے قبل حضرت زینب رضی اللہ عنہا، رقیہ رضی اللہ عنہا وام کلثوم رضی اللہ عنہا کا وصال ہو چکا تھا۔

حیات القلوب:

وزینب در مدینہ سال ہفتم ہجرت و بروایتے در سال ہشتم برحمت ایزدی داخل شد .... ورقیہ در مدینہ برحمت ایزدی واصل شد درہنگامی کہ جنگ بدر روداد .... وگویند کہ در سال ہفتم ہجرت برحمت ایزدی واصل شد (ام کلثوم) مولف گوید۔ کہ آنچہ از روایات ظاہر شد۔ کہ تزویج و وفات ام کلثوم پیش از تزویج و وفات رقیہ بودہ است اصح واقویٰ است۔

(حیات القلوب جلد دوم ص۱۰۲۹ نولکشور باب پنجاہ ویکم ذکر اولاد امجاد آنحضرت طبع قدیم۔)

ترجمہ: حضرت زینب کا سن سات یا آٹھ ہجری مدینہ میں انتقال ہوا..... اور سیدہ رقیہ کا مدینہ میں غزوہ بدر کے دنوں میں انتقال ہوا۔ سیدہ ام کلثوم کے بارے میں کہتے ہیں۔ کہ سات ہجری میں اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ مولف کہتا ہے۔ کہ جو بات روایات سے ظاہر ہوئی۔ کہ سیدہ ام کلثوم کی شادی اور وفات سیدہ رقیہ کی شادی اور وفات سے پہلے ہوئی۔ یہ زیادہ صحیح اور قوی ہے

منتہی الامال:

در منتہی الامال جلد اول ص۱۲۵ پر مذکور ہے۔

فقیر گوید آنچہ مشہور است و مورخین نوشتہ اند۔ تزویج ام کلثوم بعثمان بعد از وفات رقیہ است۔ و رقیہ در سال دوم ہجری در ہنگامی کہ جنگ بدر بود وفات کرد۔

(منتہی الامال جلد اول ص۱۲۵ باب اول فصل ہشتم مطبوعہ ایران۔ در بیان احوال اولاد امجاد آنحضرت)

ترجمہ: منتہی الامال کا مصنف کہتا ہے۔ کہ مشہور مؤرخین کی تحریر کے مطابق بات یہ ہے۔ کہ سیدہ ام کلثوم کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ شادی سیدہ رقیہ کی وفات کے بعد ہوئی۔ سیدہ رقیہ نے دو ہجری غزوۂ بدر کے موقعہ پر انتقال فرمایا۔

خلاصہ کلام:

خلاصہ دونوں سوالات کے جواب کا یہ ہے۔ کہ جس وقت آیت مباہلہ اور آیت تطہیر نازل ہوئیں۔ ان تین صاحبزادیوں میں سے اس وقت کوئی بھی زندہ نہ تھی۔

جب ان کا وصال ہو چکا تھا۔ کسی کا سے ۲ھ، کسی کا ۳ھ، یا ۵ھ میں تو یہ ۸ھ کے واقعات میں کیسے شریک ہو سکتی تھیں۔

سوال ۱۳:

ہم مانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں چار تھیں۔ لیکن سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دوسری بیٹیاں حضرت خدیجہ کی تھیں یعنی حضرت خدیجہ کے پہلے خاوندوں سے تھیں۔ اور ان تین نے صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پرورش پائی۔ جس کی بنا پر انہیں آپ کی بیٹیاں کہا جاتا ہے۔ لیکن صلبی یا حقیقی بیٹیاں نہیں تھیں۔

جواب:

اس سوال کے اندر دراصل بغض عثمان رضی اللہ عنہ مخفی ہے۔ یکے بعد دیگرے دو بیٹیوں کا حضرت عثمان کی زوجیت میں آنا ایک ایسا فخر ہے۔ جو کسی دوسرے صحابی کو نصیب نہ ہوا۔ شیعہ چونکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو (معاذ اللہ) منافق، کافر، مرتد اور یہودی وغیرہ گردانتے ہیں۔ اس لیے ان کے گھر آنے والی عورتوں کو کب یہ لوگ عقیدت کی نظر سے دیکھ سکتے ہیں۔ اگر ان دونوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی صلبی بیٹی مان لیں۔ تو ان کے ساتھ عقیدت رکھنا لازم اور پھر یہ دونوں جس کی زوجہ بنیں اسے بھی قابل احترام سمجھنا پڑتا ہے۔ لیکن یہ سب کچھ انہیں گوارا نہیں اس لیے صاف انکار کر دیا۔ کہ حضرت عثمان کے عقد میں آنے والی دو عورتیں (رقیہ، ام کلثوم) خدیجہ کی پہلے خاوندوں سے بیٹیاں تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف حقیقی بیٹی ایک ہی جناب فاطمہ تھیں۔ لیکن انصاف پسند شخص جانتا ہے۔ کہ ہم گزشتہ اوراق میں خود ان کی کتب سے ثابت کر چکے ہیں کہ یہ تین (رقیہ، ام کلثوم، زینب) بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صلبی بیٹیاں تھیں۔ اس موضوع پر مزید کچھ کہنا تحصیل حاصل ہوگا۔

٭ ٭ ٭

سوال ۳: اگر چاروں بیٹیاں حقیقی تھیں۔ تو ان کا کفار سے رشتہ کیوں کیا گیا؟

جواب ۱:

اس سوال کے جواب سے قبل ایک بات میں ان سے پوچھنا چاہتا ہوں۔ کہ بالفرض اگر یہ تین بیٹیاں حضور کی پرورش میں رہیں حقیقی نہ تھیں۔ تو ربیبہ ہونے کے اعتبار سے ان کا رشتہ کفار سے تمہارے نزدیک جائز ہے۔؟

جواب ثانی:

درحقیقت یہ سوال عبث اور باطل ہے۔ کیونکہ قبل بعثت ایسے رشتوں کی ممانعت نہیں تھی۔ بلکہ اسلام کے ابتدائی ایام میں بھی مسلم اور غیر مسلم کے درمیان رشتہ ہوتا رہا جب "لا تنکحوا المشرکین حتّٰی یؤمنوا" آیت نازل ہوئی۔ تو کفار کے ساتھ رشتہ ناطہ منع ہو گیا۔

مجمع البیان:

وَاخْتُلِفَ فِیْ کَیْفِیَّۃِ عَرْضِہِنَّ فَقِیْلَ بِالتَّزْوِیْجِ وَکَانَ یَجُوْزُ فِیْ شَرْعِہٖ تَزْوِیْجُ الْمُؤْمِنَۃِ مِنَ الْکَافِرِ وَکَذَا یَجُوْزُ اَیْضًا فِیْ مَبْدَءِ الْاِسْلَامِ وَقَدْ زَوَّجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِنْتَہٗ مِنْ اَبِی الْعَاصِ بْنِ الرَّبِیْعِ قَبْلَ اَنْ یُّسْلِمَ ثُمَّ نُسِخَ۔ (تفسیر مجمع البیان جلد سوم جزء پنجم ص۱۸۴ مطبوعہ تہران سورہ ھود زیر آیت قال یقوم ھولاء بنتی الاٰیۃ)

ترجمہ: لوط علیہ السلام کا اپنی بیٹیوں کو کفار پر پیش کرنا۔ اس بارے میں کہا گیا ہے۔

کہ یہ بطریقہ نکاح تھا۔ کیونکہ اس شریعت میں مومن عورت کا کافر مرد سے نکاح جائز تھا۔ ابتدائے اسلام میں بھی یہ طریقہ رہا۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی زینب کی شادی ابوالعاص بن ربیع سے کی۔ حالانکہ وہ اس وقت مسلمان نہ ہوا تھا۔ پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

حیات القلوب:

وحضرت پیش از بعثت وحرام شدن دختر بکافراں دادن اورا(زینب) باابوالعاص بن ربیع تزویج نمود۔

(حیات القلوب جلد ۲ ص ۱۵۲۷ طبع قدیم مطبوعہ نولکشور باب پنجاہ ویکم ذکراولاد امجاد آنحضرت)

ترجمہ: بعثت سے قبل اور حرمت کے احکام اترنے سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی زینب کی شادی ابوالعاص بن ربیع سے کی تھی۔

نتیجہ:

ان اعتراضات وسوالات کے لغو اور باطل ہونے کے بعد ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں چار تھیں۔ اور چاروں حقیقی تھیں۔

رشتہ دوم

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا پوتا امام حسین رضی اللہ عنہ کا داماد تھا۔

ثبوت ۱: وَتَزَوَّجَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ فَاطِمَةَ بِنْتَ

الْحُسَیْنِ بْنِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ ۔

(شرح نہج البلاغہ ابن حدید جلد ۳ ص ۴۵۹ مطبوعہ بیروت
بڑا سائز فی شرح کتابہ الی معاویۃ و بیان مناکحات بنی ہاشم
و بنی عبد شمس)

ترجمہ: (بنی ہاشم اور بنی عبد شمس کے درمیان ہونے والی رشتہ داریوں میں سے ایک رشتہ یہ بھی تھا) عبداللہ بن عمرو بن عثمان نے امام حسین رضی اللہ عنہ کی دختر سیدہ فاطمہ بنت حسین سے شادی کی۔

نوٹ:۔

"ابن حدید معتزلی" نے اس مقام پر عثمان غنی کی اہل بیت کے ساتھ دو رشتہ داریوں کا ذکر کیا ہے۔ (۱) خود داماد رسول (۲) ان کا پوتا داماد حسین۔

مسالک الافہام:۔

ثبوت نمبر ۲:۔

تَزَوَّجَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ فَاطِمَۃَ بِنْتَ الْحُسَیْنِ ۔۔۔۔۔ وَکُلُّھُمْ مِنْ غَیْرِ بَنِیْ ھَاشِمٍ۔

(مسالک الافہام شرح شرائع الاحکام جلد اول باب لواحق العبد

ترجمہ: (بنی ہاشم نے جو رشتے غیر بنی ہاشم میں کیے۔ ان میں ایک رشتہ یہ ہے۔) عبداللہ بن عمرو بن عثمان نے فاطمہ بنت حسین سے شادی کی۔

مقاتل الطالبین:۔

ثبوت نمبر ۳:۔

وَاُمُّہٗ فَاطِمَۃُ بِنْتُ الْحُسَیْنِ کَانَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عَمْرٍو تَزَوَّجَھَا

بَعْدَ وَفَاةِ الْحَسَنِ بْنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ۔

(مقاتل الطالبین مصنفہ ابوالفرج اصفہانی شیعی صہ ۲۰۲ تذکرہ محمد بن عبداللہ بن عمرو مطبوعہ بیروت)

ترجمہ: محمد کی والدہ فاطمہ بنت حسین سے عبداللہ بن عمرو نے نکاح کیا تھا۔ اور یہ نکاح حسن بن حسن بن علی بن ابو طالب کی وفات کے بعد ہوا تھا۔

سبب نکاح:۔

مقاتل الطالبین:۔

اِنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ الْحُسَیْنِ لَمَّا خَطَبَهَا عَبْدُ اللّٰهِ اَبَتْ اَنْ تَتَزَوَّجَهٗ فَحَلَفَتْ اُمُّهَا عَلَیْهَا اَنْ تَزَوَّجَهٗ وَقَامَتْ فِی الشَّمْسِ وَآلَتْ اَلَّا تَبْرَحَ حَتّٰی تَتَزَوَّجَهٗ فَکَرِهَتْ فَاطِمَةُ اَنْ تَخْرُجَ فَتَزَوَّجَتْهُ۔

(مقاتل الطالبین صہ ۲۰۴ مطبوعہ بیروت تذکرہ محمد بن عبداللہ بن عمرو۔)

ترجمہ: جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پوتے عبداللہ نے فاطمہ بنت حسین کا رشتہ مانگا۔ تو انہوں نے انکار کر دیا۔ اس انکار پر فاطمہ کی والدہ نے قسم اٹھائی۔ کہ یہ شادی ضرور ہو گی۔ ورنہ میں سورج کے سامنے دھوپ میں کھڑی رہوں گی۔ اور یہاں سے ہرگز نہ ہٹوں گی۔ تو فاطمہ نے اس بات کو برا جانا۔ کہ دھوپ میں کھڑی میری ماں مر جائے۔ اس لیے شادی پر رضامند ہو گئی۔ اور شادی ہو گئی۔

ثبوت نمبر ۴:۔

ناسخ التواریخ:۔

وبعد از حسن مثنیٰ فاطمہ بحبالہ نکاح عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان درآمد

(ناسخ التواریخ جلد ۶ کتاب دوم ص۵۳۴)

ترجمہ: حسن مثنیٰ کی وفات کے بعد فاطمہ بنت حسین نے عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان سے شادی کر لی۔

رشتہ سوم

امام حسن رضی اللہ عنہ کی پوتی سے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پوتے کا عقد ہوا:۔

نسب قریش:۔ وَكَانَتْ اُمُّ الْقَاسِمِ بِنْتُ الْحَسَنِ بْنِ الْحَسَنِ عِنْدَ مَرْوَانَ بْنِ اَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ فَوَلَدَتْ لَهٗ مُحَمَّدَ بْنَ مَرْوَانَ ثُمَّ خَلَفَ عَلَيْهَا حُسَيْنُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِب فَتُوُفِّيَتْ عِنْدَهٗ وَلَيْسَ لَهَا مِنْهُ وَلَدٌ۔

(کتاب نسب قریش جلد ثانی ص۵۳ تذکرہ ام کلثوم)

ترجمہ: سیدنا حسن بن حسن کی بیٹی "ام قاسم"، مروان بن ابان بن عثمان غنی کے نکاح میں تھیں۔ ان کے ہاں اس سے "محمد بن مروان"، پیدا ہوا۔ پھر ان کا نکاح حسین بن عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس سے ہوا۔ وہیں

فوت ہو گئیں۔ لیکن ان کے ہاں کوئی بچہ نہ پیدا ہوا۔

خلاصہ :۔

سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی پوتی ''ام قاسم'' کے ساتھ حضرت عثمان کے پوتے ''مروان بن ابان'' کا عقد ہوا۔

رشتہ چہارم

امام حسین رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سے عثمان غنی کے پوتے کا عقد ہوا

ثبوت نمبر ۱:۔

طبقات ابن سعد :۔ سَکِیْنَۃُ بِنْتُ الْحُسَیْنِ بْنِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ وَاُمُّهَا الرَّبَابُ بِنْتُ اِمْرَئِ الْقَیْسِ بْنِ عَدِیٍّ .... تَزَوَّجَهَا مُصْعَبُ بْنُ الزُّبَیْرِ بْنِ الْعَوَّامِ اِبْتَکَرَهَا فَوَلَدَتْ لَهٗ فَاطِمَةَ ثُمَّ قُتِلَ عَنْهَا فَخَلَفَ عَلَیْهَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ .... فَوَلَدَتْ لَهٗ عُثْمَانَ الَّذِیْ یُقَالُ لَهٗ قَرِیْنٌ وَحَکِیْمًا وَرَبِیْحَةَ فَهَلَکَ عَنْهَا فَخَلَفَ عَنْهَا زَیْدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ الخ۔

(طبقات ابن سعد جلد ہشتم ص ۴۷۵ تذکرہ سکینہ بنت الحسین)

ترجمہ : امام حسین رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ''سیدہ سکینہ'' جن کی والدہ رباب بنت امری القیس تھیں۔ ان سے مصعب بن زبیر بن عوام نے شادی

کی۔ ان سے ان کے ہاں ایک لڑکی "فاطمہ" پیدا ہوئی۔ پھر وہ شہید ہو گئے۔ اس کے بعد "سیدہ سکینہ" عبداللہ بن عثمان بن عبداللہ کے عقد میں آئیں۔ ان سے یہ اولاد ہوئی۔ عثمانؓ (جن کو قرین کہا جاتا تھا۔) حکیم اور ربیحہ۔ اس کے بعد ان کی تیسری شادی زید بن عمرو بن عثمان سے ہوئی (بعض اہل علم نے کہا ہے۔ کہ زید بن عمرو کے فوت ہو جانے کے بعد "اصبح ابن عبد العزیز بن مروان" سے سکینہ بنت حسین" کی شادی ہوئی۔)

ثبوت نمبر ۲:۔

کتاب نسب قریش:۔

وَزَيْدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ هٰذَا هُوَ الَّذِي كَانَتْ عِنْدَهُ سُكَيْنَةُ بِنْتُ حُسَيْنٍ فَهَلَكَ عَنْهَا فَوَرِثَتْ۔

(کتاب نسب قریش جلد ۴ ص ۱۰۲)

ترجمہ: زید بن عمرو بن عثمان یہ وہی ہیں۔ جن کے عقد زوجیت میں بنت حسین سیدہ سکینہ تھیں۔ زید کا انتقال ہوا۔ اور وہ ان کی وارث بنیں۔

رشتہ پنجم

حضرت عثمان کے لڑکے "آبان" کی شادی جعفر طیار کی پوتی سے ہوئی:

المعارف:۔

وَكَانَتْ عِنْدَهُ أُمُّ كُلْثُوْمٍ بِنْتُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرَ الخ

ترجمہ: ابان بن عثمان کے نکاح میں ام کلثوم بنت عبداللہ بن جعفر تھی۔
(المعارف لابن قتیبہ ص۲۱۰ مطبوعہ دارالمعارف قاہرہ مصر)

رشتہ ششم

حسنین کریمین داماد عثمان غنی رض تھے

مناقب آل ابی طالب:

هَذَكَرَهُ الْحُسَيْنُ عَلَيْهِ السَّلَامُ خِطْبَةَ الْحَسَنِ عَائِشَةَ وَ فَعَلَهُ۔ (مناقب آل ابی طالب جلد ۴ ص ۲۹ مطبوعہ قم خیابان طبع جدید۔ فی المفردات من مناقبہ علیہ السلام)

ترجمہ: امام حسن رضی اللہ عنہ نے عائشہ بنت عثمان کی خواستگاری کی۔ اور رشتہ ہو گیا۔

مناقب

ثُمَّ اِنَّهُ كَانَ الْحُسَيْنُ تَزَوَّجَ لِعَائِشَةَ بِنْتِ عُثْمَانَ۔
(مناقب آل ابی طالب جلد ۴ ص ۴۰)

ترجمہ: امام حسن رضی اللہ عنہ کے بعد امام حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بیٹی "عائشہ" سے شادی کی۔

رشتہ ہفتم: عثمان غنی ماں باپ دونوں کی طرف سے بالترتیب چھٹی اور پانچویں صلب پر حضورﷺ سے مل جاتے ہیں)

مروج الذہب:

هُوَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ بْنِ اَبِي الْعَاصِ بْنِ اُمَيَّةَ بْنِ عَبْدِ الشَّمْسِ

...... وَيُكَنّٰى بِاَبِىْ عَبْدِ اللّٰهِ وَاَبِىْ عَمْرٍو وَالْاَغْلَبُ مِنْهُمَا اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ ۔ وَاُمُّهٗ اَرْوٰى بِنْتُ كُرَيْزِ بْنِ جَابِرِ بْنِ حَبِيْبِ بْنِ عَبْدِ شَمْسٍ الخ ۔

(مروج الذہب جلد دوم ص ۳۴۱ مطبوعہ بیروت ذکر خلافت عثمان بن عفان)

حاصل ترجمہ: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے باپ اور والدہ دونوں کا سلسلہ نسب "عبد شمس" پر مل جاتا ہے۔ اور عبد شمس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا "حضرت ہاشم" کا حقیقی بھائی ہے۔ لہذا عثمان غنی چوتھے درجے میں نسب کے اعتبار سے حضور سے جا ملتے ہیں ۔

فیض الاسلام:

درحالیکہ تو از جہت خویشی برسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم از آنہا نزدیک تری چوں عثمان پسر عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف می باشد و عبد مناف جد سوم حضرت رسول محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف۔

(شرح نہج البلاغہ فارسی فیض الاسلام ص ۵۲۸ خطبہ ۱۶۴ کی شرح مطبوعہ تہران)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جناب عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو فرمایا۔ کہ آپ باعتبار قرابت ابوبکر و عمر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب ہیں۔ کیونکہ حضرت عثمان اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تیسرے دادے میں جا ملتے ہیں ۔

رشتہ ہشتم

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھانجے تھے۔ اور عثمان غنی کی نانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں:۔

المستدرک:۔

قَالَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ بْنِ اَبِی الْعَاصِ بْنِ اُمَیَّۃَ ...... وَ اُمُّ عُثْمَانَ اَرْوٰی بِنْتُ کُرَیْزٍ وَ اُمُّ اَرْوٰی اُمُّ حَکِیْمٍ وَ ھِیَ الْبَیْضَاءُ عَمَّۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

(المستدرک جلد سوم ص ۹۶)

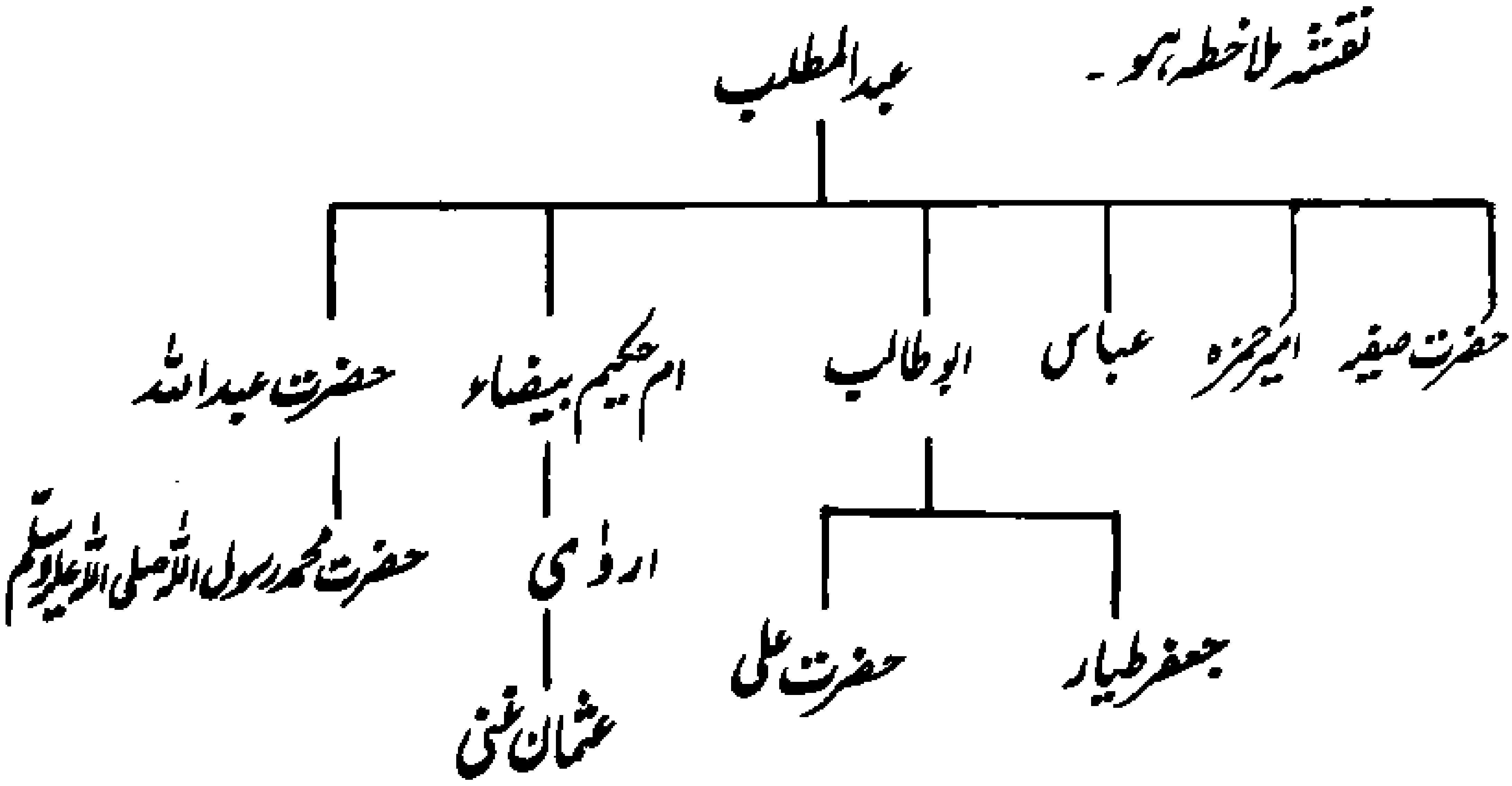
ترجمہ: حضرت عثمان بن عفان کی والدہ اروی بنت کریز ہیں۔ اور عثمان کی نانی "ام حکیم" جن کو "البیضاء" بھی کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سگی پھوپھی تھیں۔

نوٹ:۔

ام حکیم البیضاء بنت عبد المطلب اور صفیہ دونوں حقیقی ہمشیرگان ہیں۔ لہذا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی والدہ "اروی" کی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حقیقی خالہ ہوئیں۔ اسی طرح حضرت عثمان کی والدہ، عبد اللہ بن عبد المطلب اور عباس بن عبد المطلب اور حمزہ بن عبد المطلب کی سگی بھانجی ہوئی۔ اور والدۂ عثمان "اروی" کے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت جعفر طیار اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی پھوپھی زاد بہن ہونے کی وجہ سے خود حضرت عثمان ان کے بھانجے ہو گئے۔ اور یہ حضرات حضرت عثمان کے ماموں ہو گئے۔

نقشہ ملاحظہ ہو۔



باب دوم

نبی اور آل نبی سے خلفاء ثلاثہ کے

خوشگوار تعلقات

اس باب میں چار فصلیں ہیں۔

پہلی فصل شرعی مسائل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مشاورت

دوسری فصل ملکی مسائل میں مشاورت کے بیان میں

تیسری فصل میں رشتۂ فاطمہ کے متعلق حضرت علی کے حق میں خلفائے ثلاثہ کی کوشش

اور چوتھی فصل میں نبی وآل نبی پر صحابۂ ثلاثہ کی قربانیاں بیان ہوں گی۔

شیعہ حضرات کی یہ کوشش رہتی ہے کہ عوام میں کچھ ایسی باتیں پھیلائی جائیں جن کے ذریعہ وہ سمجھیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور خلفائے ثلاثہ کے درمیان اختلافات کی وسیع خلیج حائل تھی ان کا باہمی کوئی رابطہ نہ تھا اور وہ ایک دوسرے کے دلی مخالف اور دشمن تھے۔ ان میں باہمی لین دین، گفت گو اور دیگر معاشرتی اور سیاسی اتحاد کی کوئی علامت نہ تھی۔ خلفائے ثلاثہ (معاذ اللہ) اہل بیت کے بھی سخت دشمن تھے اور انہیں ایک آنکھ دیکھنا پسند نہ کرتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ

یہ شیعہ حضرات کا پروپیگنڈا ہے جو سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبات میں اس کی تردید موجود ہے اور شیعہ کتب میں یہاں تک مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام خلفائے ثلاثہ کے دور میں قاضی القضاۃ کا مقام تھا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "قال عمر علی اقضانا" حضرت عمر رضی اللہ عنہ

فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہم میں سب سے زیادہ اور بڑے قاضی ہیں۔

(امالی طوسی جلد اوّل ص ۲۵۶ مطبوعہ نجف اشرف طبع جدید)

بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرمودات کو فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اپنے لیے رہنما اصول سمجھتے تھے۔ متعدد کتب شیعہ میں یہ روایت موجود ہے:

قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ثَلَاثٌ اِنْ حَفِظْتَهُنَّ وَ عَمِلْتَ بِهِنَّ كَفَتْكَ مَا سِوَاهُنَّ وَاِنْ تَرَكْتَهُنَّ لَمْ يَنْفَعْكَ شَيْئٌ سِوَاهُنَّ قَالَ وَمَا هُنَّ يَا اَبَا الْحَسَنِ قَالَ اِقَامَةُ الْحُدُوْدِ عَلَى الْقَرِيْبِ وَالْبَعِيْدِ وَالْحُكْمُ بِكِتَابِ اللّٰهِ فِي الرِّضَا وَالسَّخَطِ وَ الْقَسْمُ بِالْعَدْلِ بَيْنَ الْاَحْمَرِ وَ الْاَسْوَدِ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ لَعَمْرِيْ لَقَدْ اَوْجَزْتَ وَ اَبْلَغْتَ۔

(۱۔ تہذیب الاحکام مصنفہ ابی جعفر طوسی شیعی جلد ۶ ص ۲۲۷ باب اداب الحکام طبع جدید تہران۔

۲۔ مناقب ابن شہر آشوب شیعی جلد دوم ص ۱۴۷ فصل فی المسابقۃ بالحزم وترك المداھنۃ مطبع علمیہ قم ایران طبع جدید)

ترجمہ: امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ تین باتوں کو اگر تم یاد کر لو اور ان پر عمل پیرا ہو جاؤ تو پھر کسی دوسری چیز کی تمہیں ضرورت نہیں اور اگر تم ان کو چھوڑ دو اور ان پر عمل نہ کرو تو ان کے بغیر کوئی چیز تمہیں نفع نہ دے گی۔ حضرت عمر نے پوچھا اے ابو الحسن!

وہ کیا ہیں۔ فرمایا:

۱۔ قریب و بعید پر حدود اللہ قائم کرنا۔

۲۔ خوشی اور غمی میں کتاب اللہ سے فیصلہ کرنا۔

۳۔ سیاہ و سپید کے درمیان بلا امتیاز عدل و انصاف کرنا۔

یہ سن کر حضرت عمر نے کہا بخدا! آپ نے مختصر اور فصیح و بلیغ کلام فرمایا۔

حاصل کلام:

اس روایت نے مذکورہ پروپیگنڈا کی واضح الفاظ میں تردید کر دی جو کسی ذی عقل پر مخفی نہیں مزید اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت فاروقِ اعظم سے کس قدر خلوص پیار و محبت تھا اگر ان حضرات کا باہمی خلوص نہ ہوتا تو نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسی جامع نصیحت فرماتے اور نہ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے صدقِ دل سے قبول کرتے۔ فاروق اعظم تو قسمیہ اس نصیحت کو جامع فصاحت و بلاغت مان رہے ہیں کیوں کہ انہیں حضرت علی کے کلام اور خلوص پر یقین تھا۔

فصل اول

شرعی مسائل میں خلفائے ثلاثہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مشاورت

خلافتِ صدیقی میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مجلس افتاء کے رکن تھے

حوالہ نمبر ۱:

وَكَانَ مَنْ يُؤْخَذُ عَنْهُ الْفِقْهُ فِي أَيَّامِ أَبِي بَكْرٍ

عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ وَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَ مُعَاذِ بْنِ الْجَبَلِ وَ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ وَ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ۔

(تاریخ لیعقوبی مصنفہ احمد بن ابی لیعقوب بن جعفر العباسی الشیعی جلد دوم ص ۱۳۸ طبع جدید مطبوعہ بیروت اخبار ایام ابی بکر)

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فقہی مسائل میں ان حضرات سے مشورہ لیا جاتا تھا۔ علی بن ابی طالب، عمر بن خطاب، معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت اور عبداللہ بن مسعود رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

خلاصہ:

احمد بن ابی لیعقوب نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فقہی مشیروں میں ایک حضرت علی بھی تھے بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو خلفائے ثلاثہ میں مفتی اعظم تھے۔ اس کے لیے حوالہ جات آرہے ہیں۔

حوالہ نمبر ۲: سیدنا ابوبکر نے فرمایا علی کی مٹھی نبی علیہ السلام کی مٹھی کے برابر ہے۔

عَنْ شَیْخِہِ الشَّیْخِ الْمُفِیْدِ اَبِیْ عَلِیِّ الْحَسَنِ بْنِ مُحَمَّدِ الطُّوْسِیِّ عَنِ الشَّیْخِ السَّعِیْدِ الْوَالِدِ .... عَنْ حَبْشِیِّ بْنِ جُنَادَۃَ قَالَ کُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ اَبِیْ بَکْرٍ فَاَتَاہُ رَجُلٌ فَقَالَ یَا خَلِیْفَۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ وَعَدَنِیْ اَنْ یَّحْثُوَلِیْ ثَلَاثَ حَثِیَّاتٍ مِنْ تَمَرٍ فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ اُدْعُوْلِیْ عَلِیًّا فَجَاءَہٗ

عَلِیٌّ فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ یَا اَبَا الْحَسَنِ اِنَّ ھٰذَا یَذْکُرُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ وَعَدَہٗ اَنْ یَّحْثُوْلَہٗ ثَلَاثَ حِثْیَاتٍ مِنْ تَمْرٍ فَاحْثُھَا لَہٗ فَحَثَالَہٗ ثَلَاثَ حِثْیَاتٍ مِنْ تَمْرٍ فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ عُدُّوْھَا فَوَجَدُوْا فِیْ کُلِّ حِثْیَۃٍ سِتِّیْنَ تَمْرَۃً فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ سَمِعْتُہٗ لَیْلَۃَ الْھِجْرَۃِ وَنَحْنُ خَارِجُوْنَ مِنْ مَکَّۃَ اِلَی الْمَدِیْنَۃِ یَقُوْلُ یَا اَبَا بَکْرٍ کَفِّیْ وَکَفُّ عَلِیٍّ فِی الْعَدْلِ سَوَاءٌ۔

(امالی شیخ ابی جعفر الطوسی الشیعی جلد اول ص ۶۶۔۶۷ طبع نجف اشرف)

ترجمہ: حبشی بن جنادہ نے کہا کہ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی آیا اور اس نے کہا اے رسول اللہ کے خلیفہ! حضور نے مجھے تین مٹھی کھجوریں دینے کا وعدہ فرمایا تھا لیکن بوجہ وصال آپ ایفائے عہد نہ کر سکے، تو ابوبکر صدیق نے فرمایا کہ حضرت علی کو بلاؤ حضرت علی آ گئے۔ ابوبکر صدیق نے کہا اے ابوالحسن! یہ شخص کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تین مٹھی کھجوریں دینے کا وعدہ فرمایا تھا تو اب تم اسے مطلوبہ کھجوریں دے دو۔ حضرت علی نے تین مٹھی کھجوریں اس سائل کو دے دیں۔ پھر ابوبکر صدیق نے ان کھجوروں کو گنوایا تو ہر مٹھی میں ساٹھ کھجوریں نکلیں۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیق نے کہا۔ ہجرت کی رات جب میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ جا رہے تھے تو میں نے آپ کی زبانِ اقدس سے یہ سنا تھا "میرا ہاتھ اور علی کا ہاتھ عدل میں برابر ہیں" واقعی حضور نے سچ فرمایا تھا۔

حوالہ نمبر۳ : حضرت عمر نے اغلام کرنے والے کو حضرت علی کے مشورہ سے جلا دیا۔

اَبُوْ عَلِیّ الْاَشْعَرِیّ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیّ الْکُوْفِیْ عَنِ الْعَبَّاسِ ابْنِ عَامِرٍ عَنْ سَیْفِ بْنِ عُمَیْرَۃَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْعَرْزَمِیْ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ یَقُوْلُ وُجِدَ رَجُلٌ مَعَ رَجُلٍ فِیْ اِمَارَۃِ عُمَرَ فَھَرَبَ اَحَدُھُمَا وَ اُخِذَ الْاٰخَرُ فَجِیْئَ بِہٖ اِلٰی عُمَرَ فَقَالَ لِلنَّاسِ مَا تَرَوْنَ قَالَ فَقَالَ ھٰذَا اِصْنَعْ کَذَا وَ قَالَ ھٰذَا اِصْنَعْ کَذَا قَالَ فَقَالَ مَا تَقُوْلُ یَا اَبَا الْحَسَنِ قَالَ اَضْرِبْ عُنُقَہٗ فَضُرِبَ عُنُقُہٗ قَالَ ثُمَّ اَرَادَ اَنْ یَحْمِلَہٗ فَقَالَ مَہْ اِنَّہٗ قَدْ بَقِیَ مِنْ حُدُوْدِہٖ شَیْئٌ قَالَ اَیُّ شَیْءٍ بَقِیَ قَالَ اُدْعُ بِحَطَبٍ فَدَعَا عُمَرُ بِحَطَبٍ فَاَمَرَ بِہٖ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَیْہِ السَّلَامُ فَاُحْرِقَ بِہٖ۔

۱۔ فروع کافی جلد ۷ ص ۱۹۹ کتاب الحدود باب الحد فی اللواط مطبوعہ تہران طبع جدید)

۲۔ الاستبصار جلد چہارم ص ۲۱۹ کتاب الحدود باب اللواط مطبوعہ تہران)

ترجمہ: امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں دو مردوں نے باہم لواطت کی۔ ان میں سے ایک بھاگ نکلا اور دوسرا پکڑا گیا۔ اسے حضرت عمر کے پاس لایا گیا۔ حضرت عمر نے لوگوں سے ان کی سزا کے بارے میں دریافت کیا۔ لوگوں نے مختلف آراء دیں۔ پھر حضرت علی رضی

اللہ عنہ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا اس کی گردن اڑا دو۔ اس پر عمل ہوا۔ پھر جب لاش اٹھانے لگے تو حضرت علی نے کہا ٹھہر جاؤ۔ ابھی اس کی سزا کچھ باقی ہے پوچھا کیا باقی ہے۔ فرمایا ایندھن منگواؤ۔ حضرت عمر نے ایندھن منگوایا۔ حضرت علی نے اسے اس ایندھن کی آگ میں جلانے کا حکم دیا اور اسے جلایا گیا۔

حوالہ نمبر۴: دورِ عثمانی میں حضرت علی نے بحیثیت قاضی ایک آدمی کی قصاصاً آنکھ نکال دی۔

عَلِيُّ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ ابْنِ فَضَّالٍ عَنْ سُلَيْمَانَ الدُّهَانِ عَنْ رُفَاعَةَ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ اِنَّ عُثْمَانَ اَتَاهُ رَجُلٌ مِنْ قَيْسٍ بِمَوْلٰى لَهٗ قَدْ لَطَمَ عَيْنَهٗ فَاَنْزَلَ الْمَاءَ فِيْهَا وَهِيَ قَائِمَةٌ لَيْسَ يُبْصِرُ بِهَا شَيْئًا فَقَالَ لَهٗ اُعْطِيْكَ الدِّيَةَ فَاَبٰى قَالَ فَاَرْسَلَ بِهِمَا اِلٰى عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقَالَ احْكُمْ بَيْنَ هٰذَيْنِ فَاَعْطَاهُ الدِّيَةَ فَاَبٰى قَالَ فَلَمْ يَزَالُوْا يُعْطُوْنَهُمْ حَتّٰى اَعْطَوْهُ دِيَتَيْنِ قَالَ فَقَالَ لَيْسَ اُرِيْدُ اِلَّا الْقِصَاصَ قَالَ فَدَعَا عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِمِرْاٰةٍ فَحَمَاهَا ثُمَّ دَعَا بِكُرْسُفٍ فَبَلَّهٗ ثُمَّ جَعَلَهٗ عَلٰى اَشْفَارِ عَيْنِهٖ وَعَلٰى حَوَالَيْهَا ثُمَّ اسْتَقْبَلَ بِعَيْنِهٖ عَيْنَ الشَّمْسِ قَالَ وَجَاءَ بِالْمِرْاٰةِ فَقَالَ اُنْظُرْ فَنَظَرَ فَذَابَ الشَّحْمُ وَبَقِيَتْ عَيْنُهٗ قَائِمَةً وَذَهَبَ الْبَصَرُ۔

(فروع کافی جلد ہفتم ص ۳۱۹ کتاب الدیات باب ان الجروح قصاص مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: حضرت امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس قبیلہ قیس کے ایک شخص نے اپنے مولیٰ کو ساتھ لے کر شکایت کی کہ اس مولیٰ نے میری آنکھ پھوڑ دی ہے۔ آنکھ کی بینائی جاتی رہی ہے۔ اس میں پانی بھر گیا ہے لیکن آنکھ (ڈھیلا) باقی ہے۔ حضرت عثمان نے مصالحت کی خاطر اسے دیت دلوانے کو کہا لیکن اس نے دیت لینے سے انکار کر دیا تو آپ نے ان دونوں کو حضرت علی کے پاس فیصلہ کے لیے بھیجا۔ حضرت علی نے بھی مصالحت کے طور پر دیت دلانا چاہی لیکن اس غلام نے پھر انکار کر دیا حتیٰ کہ دوگنی دیت لینے پر بھی راضی نہ ہوا وہ صرف قصاص کا مطالبہ کر رہا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شیشہ منگوایا۔ پھر سوتی کپڑے کا ایک ٹکڑا منگوایا۔ اسے تر کر کے اس کے مولیٰ کی آنکھ کے ارد گرد لپیٹا۔ پھر اس کی آنکھ کو سورج کی ٹکیہ کے سامنے کیا اور شیشہ منگوا کر کہا دیکھو اس نے دیکھا تو آنکھ کی چربی پگھل گئی اور بینائی جاتی رہی لیکن آنکھ (ڈھیلا) ضائع نہ ہوئی۔

حوالہ نمبر ۵:

مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى عَنْ اَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ يُوْسُفَ ابْنِ الْحَارِثِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْعَرْزَمِيِّ عَنْ اَبِيْهِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ قَالَ اُتِيَ عُمَرُ بِرَجُلٍ وَ قَدْ نُكِحَ فِيْ دُبُرِهٖ فَهَمَّ اَنْ يَجْلِدَهٗ فَقَالَ لِلشُّهُوْدِ رَاَيْتُمُوْهُ يَدْخُلُ كَمَا يَدْخُلُ الْمِيْلُ فِي الْمَكْحَلَةِ فَقَالُوْا نَعَمْ فَقَالَ لِعَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا تَرٰى فِيْ هٰذَا فَطَلَبَ

اَلْفَحْلَ الَّذِیْ نَکَحَہٗ فَلَمْ یَجِدْہُ فَقَالَ عَلِیٌّ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَرٰی فِیْہِ اَنْ تُضْرَبَ عُنُقُہٗ قَالَ فَاَمَرَ بِہٖ فَضُرِبَتْ عُنُقُہٗ ثُمَّ قَالَ فَخُذُوْہُ قَدْ بَقِیَتْ لَہٗ عُقُوْبَۃٌ اُخْرٰی قَالُوْا وَمَا ہِیَ قَالَ اُدْعُوْا بِطُنٍّ مِنْ حَطَبٍ فَدَعَا بِطُنٍّ مِنْ حَطَبٍ فَلُفَّ فِیْہِ ثُمَّ اَخْرَجَہٗ فَاَحْرَقَہٗ بِالنَّارِ۔

(فروع کافی جلد پنجم ص ۱۹۹، کتاب الحدود باب الحد فی اللواطہ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: امام جعفر صادق اپنے والد امام باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ ایک آدمی حضرت عمر کے پاس لایا گیا جس کے ساتھ دبر میں وطی (لواطت) کی گئی تھی حضرت عمر نے اس کو کوڑے لگانے کا ارادہ فرمایا۔ گواہوں سے پوچھا۔ تم نے کیا اس کی حالت ایسی ہی دیکھی جس طرح سرمہ دانی میں سلائی ہوتی ہے۔ گواہوں نے کہا جی حضور ہم نے اسی طرح دیکھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں رائے دریافت کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کے ساتھ بدفعلی کرنے والے کو بلاؤ لیکن وہ نہ مل سکا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میری رائے یہ ہے کہ اس کی گردن اڑا دو لہٰذا اس کے مطابق اس کی گردن اڑا دی گئی پھر حضرت علی نے فرمایا ابھی اس کی سزا کچھ باقی ہے۔ لوگوں نے پوچھا وہ کیا؟ فرمایا لکڑیوں کا ایک گٹھا لاؤ گٹھا لایا گیا۔ آپ نے فرمایا اس کو اس گٹھے میں لپیٹ کر باہر لے جا کر آگ لگا دو۔ اسے پھر جلا دیا گیا۔

حوالہ نمبر ۶: حضرت عمر نے علی المرتضیٰ کے مشورہ سے شرابی کو اسی کوڑے لگائے

عَلِیُّ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عِیْسٰی عَنْ یُوْنُسَ عَنْ اَبِیْ بَصِیْرٍ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ قُلْتُ لَهٗ کَیْفَ کَانَ یَجْلِدُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ قَالَ فَقَالَ کَانَ یَضْرِبُ بِالنِّعَالِ وَ یَزِیْدُ کُلَّمَا اُتِیَ بِالشَّارِبِ ثُمَّ لَمْ یَزَلِ النَّاسُ یَزِیْدُوْنَ حَتّٰی وَقَفَ عَلٰی ثَمَانِیْنَ اَشَارَ بِذٰلِكَ عَلِیٌّ عَلَیْهِ السَّلَام عَلٰی عُمَرَ فَرَضِیَ بِهَا ۔

(فروع کافی جلد ۷، ص ۲۱۴ کتاب الحدود ما یجب فیہ الحد فی الشراب۔ مطبوعہ تہران۔ طبع جدید)

ترجمہ: ابو بصیر نے حضرت امام جعفر صادق سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شرابی کو کس طرح حد لگایا کرتے تھے تو فرمایا آپ جوتی سے مارا کرتے تھے۔ پھر جب لوگ باز نہ آئے تو آپ نے سزا میں اضافہ کرنا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ اسی کوڑوں پر رک گئے۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسی سزا کا اشارہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس پر راضی ہو گئے۔

حوالہ نمبر ۷:

مُحَمَّدُ بْنُ یَحْیٰی عَنْ اَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَلِیِّ بْنِ الْحَکَمِ عَنْ مُوْسٰی بْنِ بَکْرٍ عَنْ زُرَارَةَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا جَعْفَرٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ یَقُوْلُ اِنَّ الْوَلِیْدَ بْنَ عُقْبَةَ

حِيْنَ شُهِدَ عَلَيْهِ بِشُرْبِ الْخَمْرِ قَالَ عُثْمَانُ لِعَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ اقْضِ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْا اَنَّهُ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاَمَرَ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَجُلِدَ بِسَوْطٍ لَهُ شُعْبَتَانِ اَرْبَعِيْنَ جَلْدَةً۔

(فروع کافی جلد ہفتم ص ۲۱۵ کتاب الحدود باب ما یجب فیہ الحد فی الشراب مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: زراہ کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا کہ ولید بن عقبہ کے خلاف جب شراب پینے کی گواہی ہو گئی تو حضرت عثمان نے حضرت علی کو اس کے (ولید بن عقبہ) اور اس کے اوپر شراب پینے کی گواہی دینے والوں کے مابین فیصلہ کرنے کو کہا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے دو شاخہ کوڑے سے چالیس کوڑے لگوائے۔

حوالہ نمبر ۸:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سِنَانٍ قَالَ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَلْحَدُّ فِي الْخَمْرِ اِنْ شَرِبَ مِنْهَا قَلِيْلًا اَوْ كَثِيْرًا قَالَ ثُمَّ قَالَ اُتِيَ عُمَرُ بِقُدَامَةَ ابْنِ مَظْعُوْنٍ وَ قَدْ شَرِبَ الْخَمْرَ وَ قَامَتْ عَلَيْهِ الْبَيِّنَةُ فَسَاَلَ عَلِيًّا عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاَمَرَهُ اَنْ يَجْلِدَهُ ثَمَانِيْنَ فَقَالَ قُدَامَةُ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَيْسَ عَلَيَّ حَدٌّ اَنَا مِنْ اَهْلِ هٰذِهِ الْاٰيَةِ "لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيْمَا

طَعِمُوْا" قَالَ فَقَالَ عَلِیٌّ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَسْتَ مِنْ اَھْلِھَا اِنَّ طَعَامَ اَھْلِھَا لَھُمْ حَلَالٌ لَیْسَ یَاْکُلُوْنَ وَلَا یَشْرِبُوْنَ اِلَّا مَا اَحَلَّہُ اللّٰہُ لَھُمْ ثُمَّ قَالَ عَلِیٌّ عَلَیْہِ السَّلَامُ اِنَّ الشَّارِبَ اِذَا شَرِبَ لَمْ یَدْرِ مَا یَاْکُلُ وَلَا مَا یَشْرِبُ فَاجْلِدُوْہُ ثَمَانِیْنَ جَلْدَۃً

۱۔ فروع کافی جلد نمبر ۷ ص ۲۱۶ کتاب الحدود باب ما یجب فیہ الحد فی الشراب۔ مطبوعہ تہران طبع جدید

۲۔ مناقب ابن شہر آشوب جلد نمبر ۲ ص ۳۶۶ مطبوعہ قم طبع جدید فی قضایاہ فی عہد الثانی۔

ترجمہ: امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھوڑی سی یا زیادہ شراب میں حد ہے۔ راوی کہتا ہے کہ امام موصوف نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس قدامہ بن مظعون کو شراب نوشی کے جرم میں پیش کیا گیا۔ اس پر گواہ بھی تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو آپ نے اسی کوڑے لگانے کا حکم دیا۔ قدامہ نے کہا یا امیر المومنین مجھ پر حد نہیں لگتی کیوں کہ میں اس آیت کے مطابق معاف شدہ ہوں "ایمان والوں اور نیک کام کرنے والوں پر کوئی گرفت نہیں اس پر جو انہوں نے کھایا" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا تو اس آیت والوں میں سے نہیں ہے کیوں کہ اس آیت کے مصداق لوگوں کا کھانا ان کے لیے حلال تھا۔ وہ اللہ کے حلال کیے بغیر نہ کھاتے تھے نہ پیتے تھے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب کوئی شخص شراب پی لیتا ہے اور اسے شراب پی کر یہ علم نہ ہو کہ اس نے کیا کھایا پیا تو اسے اسی کوڑے لگاؤ۔

حوالہ نمبر ۹: شیخین نے حضرت علی کے مشورہ سے ایک شرابی کی عذر خواہی پر اس پر حد جاری نہ کی۔

عَلِيُّ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ ابْنِ فَضَّالٍ عَنْ اَبِيْ بُكَيْرٍ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ شَرِبَ رَجُلٌ الْخَمْرَ عَلٰى عَهْدِ اَبِيْ بَكْرٍ فَرُفِعَ اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ فَقَالَ لَهٗ اَشَرِبْتَ خَمْرًا قَالَ نَعَمْ قَالَ وَ لِمَ وَ هِيَ مُحَرَّمَةٌ قَالَ فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ اِنِّيْ اَسْلَمْتُ وَ حَسُنَ اِسْلَامِيْ وَ مَنْزِلِيْ بَيْنَ ظَهْرَ اِنِيْ قَوْمٍ يَشْرَبُوْنَ الْخَمْرَ وَ يَسْتَحِلُّوْنَهَا وَ لَوْ عَلِمْتُ اَنَّهَا حَرَامٌ اِجْتَنَبْتُهَا فَالْتَفَتَ اَبُوْبَكْرٍ اِلٰى عُمَرَ فَقَالَ مَا تَقُوْلُ فِيْ اَمْرِ هٰذَا الرَّجُلِ؟ فَقَالَ عُمَرُ مُعْضَلَةٌ وَ لَيْسَ لَهَا اِلَّا اَبُو الْحَسَنِ قَالَ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ اُدْعُ لَنَا عَلِيًّا فَقَالَ عُمَرُ يُؤْتَى الْحَكَمُ فِيْ بَيْتِهٖ فَقَامَا وَ الرَّجُلُ مَعَهُمَا وَ مَنْ حَضَرَهُمَا مِنَ النَّاسِ حَتّٰى اَتَوْا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاَخْبَرَاهُ بِقِصَّةِ الرَّجُلِ وَ قَصَّ الرَّجُلُ قِصَّتَهٗ قَالَ فَقَالَ ابْعَثُوْا مَعَهٗ مَنْ يَدُوْرُ بِهٖ عَلٰى مَجَالِسِ الْمُهَاجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ مَنْ كَانَ تَلَا عَلَيْهِ اٰيَةَ التَّحْرِيْمِ فَلْيَشْهَدْ عَلَيْهِ فَفَعَلُوْا ذٰلِكَ بِهٖ فَلَمْ يَشْهَدْ عَلَيْهِ اَحَدٌ بِاَنَّهٗ قَرَاَ عَلَيْهِ اٰيَةَ التَّحْرِيْمِ فَخَلّٰى عَنْهُ وَ قَالَ لَهٗ اِنْ شَرِبْتَ بَعْدَهَا اَقَمْنَا عَلَيْكَ الْحَدَّ - (فروع کافی جلد ہفتم ص ۲۱۶-۲۱۷ کتاب الحدود)

باب ما یجب فیہ الحد فی الشراب مطبوعہ تہران

طبع جدید)

ترجمہ : امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک شخص نے شراب پی اس کو ابوبکر صدیق کے پاس فیصلہ کے لیے لایا گیا۔ آپ نے پوچھا اے شخص تو نے شراب پی ہے کہا ہاں۔ پوچھا کیوں پی حالاں کہ وہ حرام ہے کہنے لگا کہ میں نیا نیا مسلمان ہوا ہوں اور صدقِ دل سے اسلام لایا ہوں لیکن میرا گھر ان لوگوں کے گھروں میں ہے جو شراب پیتے ہیں اور اس کو حلال سمجھتے ہیں۔ اگر مجھے اس کے حرام ہونے کا علم ہوتا تو ہرگز نہ پیتا حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کی طرف دیکھا اور پوچھا کہ اس کا فیصلہ ہونا چاہیے حضرت عمر نے کہا یہ ایک سنجیدہ مسئلہ ہے اس کو صرف حضرت علی ہی حل کریں گے ابوبکر صدیق نے کہا کہ پھر حضرت علی کو یہاں بلاؤ۔ عمر کہنے لگے نہیں بلکہ ہمیں ان کے گھر جانا چاہیے۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات بمعہ اس آدمی اور حاضرین کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آ گئے۔ ابوبکر و عمر نے اس شخص کا تمام قصہ کہہ سنایا اور اس آدمی نے بھی اپنی آپ بیتی کہی۔ حضرت علی نے فرمایا اس کے ساتھ دو چار آدمی بھیجو تاکہ وہ مہاجرین و انصار کے مجمع میں اس کے بارے میں پوچھیں کہ کیا تم میں سے کسی نے شراب کی حرمت والی آیت اس مرد کو سنائی ہے تاکہ ان کی گواہی ہو جائے چنانچہ ایسا کیا گیا اور کوئی بھی ان میں سے گواہ نہ نکلا حضرت علی نے فرمایا اسے چھوڑ دیا جائے اور اسے کہا اگر تم نے اس کے بعد شراب پی تو ہم تمہیں کوڑے لگائیں گے۔

امالی طوسی:

فَقَالَ عُمَرُ لَا عِشْتُ فِیْ اُمَّۃٍ لَسْتَ فِیْهَا یَا اَبَا الْحَسَنِ

(امالی طوسی جلد دوم ص ۹۲ مطبوعہ قم طبع جدید)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں ایسی امت میں رہنا گوارا نہیں کرتا جن میں اے ابوالحسن! آپ نہ ہوں۔

ناظرین کرام! آپ اندازہ فرمائیں کہ ایک دوسرے کو انتہائی مفید مشوروں سے نوازنا اور دلی دعائیں دینا کیا دشمنوں کا یہ وطیرہ ہوتا ہے یا کہ مخلص اور جانی دوستوں کا؟ آپ یقیناً یہی فیصلہ کریں گے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم کے درمیان ایک دوسرے کے ساتھ بے پناہ محبت وعقیدت تھی اور بغض وعناد کے واقعات ان شیعہ لوگوں کے خودساختہ ہیں جن کی نہ کوئی حقیقت ہے اور نہ ہی بنیاد ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

ایک شبہ کا ازالہ: کیا خلفاء ثلاثہ شرعی مسائل حل نہیں کر سکتے تھے۔

ان حوالہ جات کے ضمن میں ایک شبہ کیا جا سکتا ہے کہ مذکورہ حوالہ جات شیعہ لوگوں نے اپنی کتب میں بایں نیت درج کیے ہیں کہ خلفائے ثلاثہ میں مختلف مقدمات کے فیصلہ کرنے کی اہلیت نہ تھی اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے محتاج تھے تو گویا اس سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت علی کے سوا باقی خلفاء (معاذ اللہ) خلافت کے منصب کے اہل نہ تھے۔ اسی مقصد کو اجاگر کرنے کی خاطر بعض جگہ شیعہ کتب میں ایسے الفاظ بڑھا بھی دیے گئے۔ لہٰذا قارئین کرام کے سامنے اس شبہ کو دور کرنے کے لیے خود انہی کی کتابوں سے چند حوالہ جات پیش کر رہا ہوں جو اس کا جواب ہوں گے۔

جواب ۱: بقول امام جعفر اللہ اس کی رحمت اور اس کے فرشتے عمر کی زبان پر بولتے ہیں۔

ہم اس بات کو تسلیم ہی نہیں کرتے کہ خلفائے ثلاثہ میں مسائل اسلامیہ کے حل کرنے کی اہلیت نہ تھی خاص کر خلیفہ ثانی کہ جن کی ذات سے مذکورہ حوالہ جات ... لق ہیں۔ انہی کے متعلق کتب شیعہ میں یہ عبارت موجود ہے۔

اِنَّ السَّكِيْنَةَ تَنْطِقُ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ۔

(احتجاج طبرسی جلد دوم ص ۲۴۷ مصنفہ احمد بن علی طبرسی طبع جدید مطبوعہ نجف اشرف)

ترجمہ: بے شک سکینہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر ناطق ہے۔

اس روایت کے حاشیہ پر یوں لکھا ہے:

اِنَّ الْحَقَّ تَنْطِقُ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ وَ اِنَّ مَلَكًا يَنْطِقُ عَلٰى لِسَانِهٖ وَغَيْرِهٖ ذَالِكَ - قال فی تلخیص الشافی ص ۲۴۷

یعنی حضرت عمر کی زبان پر حق بولتا ہے اور فرشتہ عمر کی زبان پر بولتا ہے۔

شیعہ حضرات کی معتبر کتب سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت عمر کی زبان پر حق اور فرشتہ بولتا ہے اور امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نے ان روایات کی تصدیق ان الفاظ سے کی ہے:

لست بمنکر فضل عمر لکن ابا بکر افضل من عمر

امام باقر رضی اللہ عنہ نے یحییٰ کو فرمایا کہ تو نے جو یہ کہا کہ حق، عمر کی زبان پر بولتا ہے اور اس سے ان کی فضیلت بیان کی لیکن فضیلت میں یاد رکھو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر ہیں۔ امام باقر رضی اللہ عنہ کی اس شہادت کے بعد اب یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو (معاذ اللہ) مسائل شرعیہ کے جواب نہیں آتے تھے۔

جواب ۲: دعائے رسول "اے اللہ عمر کو مسلمان کر کے اسلام کی مدد فرما"

ابن حدید معتزلی شیعی نے حضرت فاروقِ اعظم کی شان میں ایک روایت نقل کی ملاحظہ ہو

فَخَرَجَ اِلَیْہِ خَبَّابٌ فَقَالَ اَبْشِرْ یَا عُمَرُ فَاِنِّیْ اَرْجُوْ اَنْ تَکُوْنَ دَعْوَۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَکَ اللَّیْلَۃَ فَاِنَّہٗ لَمْ یَزَلْ یَدْعُوْ مُنْذُ اللَّیْلَۃِ اَللّٰھُمَّ اَعِزِّ الْاِسْلَامَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ۔

(شرح نہج البلاغہ ابن حدید جلد اوّل ص ۵۹ القول فی الحکایات الدالۃ علی ھیبۃ عمر مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ: حضرت خباب رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا اے عمر! خوشخبری ہو مجھے امید ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آج رات تیرے لیے دعا کی اور تو آپ کی دعا کی قبولیت کا مظہر ہوگا۔ آپ لگاتار دعا کرتے رہے اے اللہ! عمر بن خطاب کے ذریعہ اسلام کو عزت و غلبہ عطا فرما۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بابرکت وجود سے اسلام کو عزت و غلبہ عطا فرمایا کیونکہ حضرت عمر کے لیے یہ دعا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی۔ یوں تو ہر نبی مستجاب الدعوات ہوتا ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مستجاب الدعوات ہونا ہم تم سب کو مسلم ہے تو جب دعائے پیغمبر سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام کو مستحکم اور مضبوط کرنے والے بنے تو پھر یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کو تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بابرکت وجود سے استحکام عطا ہوا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسلام کے مسائل کا علم نہیں تھا اور آپ معاذ اللہ اس میں نا اہل تھے۔ اس قسم کا عقیدہ شیعہ لوگوں کا ہی ہو سکتا ہے کسی

خادم اہل بیت اور امتی رسول کا ایسا عقیدہ ہونا ناممکن ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

جواب ۳ : خدا نے فاروق اعظم کی رائے کے مطابق قرآن اُتارا

جنگ بدر کے قیدیوں کا جب مسئلہ در پیش ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں مشورہ طلب فرمایا۔ بعض نے فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا مشورہ دیا لیکن حضرت عمر اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما نے انہیں قتل کر دینے کا مشورہ دیا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر صحابہ کرام کے مشورہ کے مطابق ان سے جزیہ لے کر چھوڑ دیا تو یہ آیت نازل ہوئی:

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔ (پ ۱۰ ع ۵ الانفال)

یعنی اگر تحریر خدا پہلے سے نہ ہو گئی ہوتی تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس کے بارے میں تم پر بڑا سخت عذاب واقع ہوتا۔

(ترجمہ مقبول احمد شیعی)

قرآن پاک کی اس آیت کی تفسیر میں ملا فتح اللہ کاشانی لکھتا ہے:

در روایت آمدہ کہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرمود کہ اگر عذاب فرود آمدی غیر عمر و سعد بن معاذ از آں نجات نیافتندی زیرا کہ ایں ہر دو بقتل کفار راضی بودند نہ باخذ فدا۔

۱۔ (تفسیر منہج الصادقین جلد چہارم ص ۲۲۰ مطبوعہ تہران۔

۲۔ (شرح نہج البلاغہ ابن حدید جلد ۳ ص ۳۵۳ فی اختلاف الصحابۃ فی اساری بدر)

ترجمہ: ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر اللہ کا عذاب

اترتا تو عمر بن خطاب اور سعد بن معاذ کے بغیر کوئی نجات نہ پاتا کیوں کہ ان دونوں نے ان قیدیوں کو قتل کرنے پر رضامندی ظاہر کی تھی نہ کہ فدیہ لینے پر۔

حاصل کلام یہ کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی رائے بارگاہِ الٰہی میں مقبول تھی لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے مسائل شرعیہ کے حل کی عظیم اہلیت عطا فرمائی تھی۔ لہٰذا یہ کہنا سراسر غلط اور لغو ہے کہ آپ مسائل شرعیہ کے حل کرنے کے سلسلہ میں نااہل تھے۔ جنہیں صائب الرائے اللہ اور اس کا رسول کہیں اور جن کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تک فرمادیں کہ اگر عذاب الٰہی اترتا تو عمر اور سعد کے بغیر کوئی نہ بچتا۔ کیا ان کی رائے اور اہلیت میں کوئی شک ہو سکتا ہے

فصل دوم

خلفائے ثلاثہ کی ملکی مسائل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مشاورت

ملکی معاملات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خلفائے ثلاثہ کا مشیر رہنا بھی کتب شیعہ سے ثابت ہے۔ چنانچہ رومیوں سے آغاز جنگ حضرت عمر نے حضرت علیؓ کے مشورے سے کیا

تاریخ یعقوبی:

اَرَادَ اَبُوْبَکْرٍ اَنْ یَغْزُوَ الرُّوْمَ فَشَاوَرَ جَمَاعَۃً مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ فَقَدَّمُوْا وَاَخَّرُوْا فَاسْتَشَارَ عَلِیَّ ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ فَاَشَارَ اَنْ یَّفْعَلَ فَقَالَ اِنْ فَعَلْتَ ظَفِرْتَ فَقَالَ بَشَّرْتَ بِخَیْرٍ۔

(تاریخ یعقوبی ص ۱۳۲ طبع جدید بیروت۔ تحت ایام ابی بکر)

ترجمہ: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جنگ روم کا ارادہ کیا اور صحابہ کرام سے مشورہ طلب کیا تو انہوں نے تقدیم و تاخیر کے مشورے دیئے۔ حضرت علی بن ابی طالب سے مشورہ طلب کیا تو انہوں نے فرمایا لڑو۔ اگر جنگ کرو گے تو کامیاب ہو جاؤ گے تو ابو بکر صدیق نے کہا۔ آپ نے بڑی اچھی خوش خبری دی ہے۔

نھج البلاغۃ: عمر روم چلے تو علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

مِنْ كَلَامٍ لَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقَدْ شَاوَرَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فِي الْخُرُوجِ إِلَى غَزْوِ الرُّومِ ...... إِنَّكَ مَتَى تَسِرْ إِلَى هٰذَا الْعَدُوِّ بِنَفْسِكَ فَتَلْقَهُمْ فَتُنْكَبْ لَا تَكُنْ لِلْمُسْلِمِينَ كَانِفَةٌ دُونَ أَقْصَى بِلَادِهِمْ لَيْسَ بَعْدَكَ مَرْجِعٌ يَرْجِعُونَ إِلَيْهِ فَابْعَثْ إِلَيْهِمْ رَجُلًا مِحْرَبًا وَاحْفِزْ مَعَهُ أَهْلَ الْبَلَاءِ وَالنَّصِيحَةِ فَإِنْ أَظْهَرَ اللّٰهُ فَذَاكَ مَا تُحِبُّ وَإِنْ تَكُنِ الْأُخْرٰى كُنْتَ رِدْءًا لِلنَّاسِ وَمَثَابَةً لِلْمُسْلِمِينَ۔

(نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۱۳۴ ص ۱۹۳ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ: جب خلیفہ ثانی نے روم پر چڑھائی کا ارادہ کیا اور آپ سے بھی مشورہ لیا تو آپ نے فرمایا .... اب اگر تو خود دشمن کی طرف کوچ کرے اور منکوب و مخذول ہو جائے تو یہ سمجھ لے کہ مسلمانوں کو ان کے اقصائے بلاد تک پناہ نہ ملے گی اور تیرے بعد ایسا کوئی مرجع نہ ہوگا جس کی طرف وہ رجوع کریں لہذا تو دشمنوں کی طرف اس شخص کو بھیج جو آزمودہ کار ہو اور اس کے ماتحت ان لوگوں کو روانہ کر جو جنگ کی سختیوں کے متحمل ہوں اپنے سردار کی نصیحت کو قبول کریں۔ اب اگر خدا نے غلبہ نصیب کیا تب تو یہ وہی چیز ہے جسے

تو دوست رکھتا ہے اور اگر اس کے خلاف ظہور میں آیا تو ان لوگوں کا مددگار اور مسلمانوں کا مرجع تو ہی بن جائے گا۔

(نیرنگ فصاحت ترجمہ نہج البلاغہ ص ۱۹۰ مطبع یوسفی دہلی)

نہج البلاغة :

وَمِنْ كَلَامٍ لَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقَدِ اسْتَشَارَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فِي الشُّخُوصِ لِقِتَالِ الْفُرْسِ بِنَفْسِهِ ...... إِنَّ هٰذَا الْأَمْرَ لَمْ يَكُنْ نَصْرُهُ وَ لَا خِذْلَانُهُ بِكَثْرَةٍ وَلَا بِقِلَّةٍ وَ هُوَ دِيْنُ اللهِ الَّذِي أَظْهَرَهُ وَجُنْدُهُ الَّذِي أَعَدَّهُ وَ أَمَدَّهُ حَتّٰى بَلَغَ مَا بَلَغَ وَ طَلَعَ حَيْثُ طَلَعَ وَ نَحْنُ عَلٰى مَوْعُوْدٍ مِنَ اللهِ وَ اللهُ مُنْجِزٌ وَعْدَهُ وَ نَاصِرٌ جُنْدَهُ وَ مَكَانُ الْقَيِّمِ بِالْأَمْرِ مَكَانُ النِّظَامِ مِنَ الْخَرَزِ يَجْمَعُهُ وَيَضُمُّهُ فَإِنِ انْقَطَعَ النِّظَامُ تَفَرَّقَ الْخَرَزُ وَ ذَهَبَ ثُمَّ لَمْ يَجْتَمِعْ بِحَذَافِيْرِهِ أَبَدًا وَ الْعَرَبُ الْيَوْمَ وَ إِنْ كَانُوْا قَلِيْلًا فَهُمْ كَثِيْرُوْنَ بِالْإِسْلَامِ عَزِيْزُوْنَ بِالْاِجْتِمَاعِ فَكُنْ قُطْبًا وَ اسْتَدِرِ الرَّحَا بِالْعَرَبِ وَ أَصْلِهِمْ دُوْنَكَ نَارَ الْحَرْبِ فَإِنَّكَ إِنْ شَخَصْتَ مِنْ هٰذِهِ الْأَرْضِ انْتَقَضَتْ عَلَيْكَ الْعَرَبُ مِنْ أَطْرَافِهَا وَ أَقْطَارِهَا حَتّٰى يَكُوْنَ مَا تَدَعُ وَرَاءَكَ مِنَ الْعَوْرَاتِ أَهَمَّ إِلَيْكَ مِمَّا بَيْنَ يَدَيْكَ۔

إِنَّ الْأَعَاجِمَ إِنْ يَنْظُرُوْا إِلَيْكَ غَدًا يَقُوْلُوْا هٰذَا أَصْلُ الْعَرَبِ فَإِذَا اقْتَطَعْتُمُوْهُ اسْتَرَحْتُمْ

فَيَكُونُ ذَالِكَ اَشَدَّ لِكَلَبِهِمْ عَلَيْكَ وَطَمَعِهِمْ فِيْكَ

(نہج البلاغہ خطبہ ۱۴۶ ص ۲۰۳ مطبوعہ بیروت طبع جدید چھوٹا سائز)

ترجمہ: جب خلیفہ ثانی نے عجمی سپاہ کے مقابلہ میں خود جانا چاہا اور اس امر میں حضرت علی سے مشورہ لیا تو آپ نے فرمایا "دین اسلام کا غالب آجانا اور مغلوب ہو جانا کچھ سپاہ کی کثرت و قلت پر منحصر نہیں۔ یہ اسلام اس خدا کا دین ہے جس نے اس کو تمام ادیان و مذاہب پر غالب کیا ہے اور سپاہِ اسلام اس خدا کی فوج ہے جس نے اس کی ہر جگہ مدد اور اعانت کی۔ اسے ایک بلند مرتبہ پر پہنچایا۔ ان کا آفتاب وہاں طالع ہو گیا جہاں ہونا لازم تھا ہم لوگ اس وعدۂ خداوندی پر کامل یقین کے ساتھ ثابت ہیں جو اس نے غلبۂ اسلام کے بارے میں فرمایا بے شک وہ اپنے وعدوں کا وفا کرنے والا ہے۔ وہ اپنی سپاہ کا مددگار ہے۔ دینِ اسلام کے بزرگ اور صاحب اختیار کا مرتبہ رشتہ مروارید کی مانند ہے جو موتی کے دانوں کو ایک جگہ جمع کر کے باہم پیوست کر دیتا ہے۔ اگر یہ رشتہ ٹوٹ جائے تو تمام دانے متفرق ہو کر کہیں کہیں بکھر جائیں گے پھر اجتماع کامل نصیب نہ ہو گا آج کے روز اہل عرب اگرچہ قلیل ہیں لیکن اسلام کی شوکت انہیں کثیر ظاہر کر رہی ہے یہ اپنے اجتماع کی وجہ سے یقیناً دشمن پر غالب ہوں گے۔ اب تو ان کے لیے قطب آسیا بن جا اور آسیائے جنگ کو گروہ عرب کے ساتھ گردش دے اور اپنے سوا کسی دوسرے شخص کے ماتحت بنا کر انہیں لڑائی کی آنچ سے گرم کر کیوں کہ اگر تو مدینہ سے باہر چلا گیا تو عرب کے قبیلے اطراف و اکناف سے ٹوٹ پڑیں گے اس وقت پیچھے رہ جانے والی عورات سپاہ کی حفاظت تجھ پر اس شئی سے مقدم ہو جائے گی جو تیرے سامنے (جنگِ فارس) موجود ہے اور دوم یہ امر ہے کہ جب ایرانی کل کو تجھ کو دیکھیں گے تو آپس میں یہی

کہیں گے کہ بس یہی ان عربوں کا سردار ہے اگر تم نے اسے کاٹ چھانٹ دیا تو پھر راحت ہی راحت ہے۔ بے شک یہ اقوال تیری لڑائی پر انہیں حریص کر دیں گے۔ وہ تیری گرفتاری کی حد سے بڑھی ہوئی طمع کریں گے۔

(نیرنگ فصاحت ترجمہ نہج البلاغہ ص ۱۰۳ مطبع یوسفی دہلی)

کتب شیعہ کی مذکورہ عبارات سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے :

۱۔ خلفائے ثلاثہ اسلامی سلطنت کی ترقی اور ملکی استحکام کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہر مسئلہ میں اپنا مشیر خاص بناتے تھے اور ان کے صائب مشورہ پر عمل کرتے تھے

۲۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلفائے ثلاثہ کو درست مشورہ دینے کے بعد فرماتے یہ مشورہ تمہاری بھلائی کا آئینہ دار ہے تمہیں خوشخبری ہو۔

۳۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کا ماوٰی و مرکز سمجھتے تھے اور ان کی آخری تمنائیں ان سے وابستہ فرماتے تھے۔

۴۔ روم و ایران کی جنگ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذاتی شمولیت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پسند نہ فرمایا کیونکہ اس میں شرکت کے نتیجے میں اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ جام شہادت نوش فرما لیتے تو اس سے عالم اسلام اور مسلمانوں کو نا قابل برداشت صدمات کا سامنا کرنا پڑتا

۵۔ خلیفہ ثانی کی فتوحات کو حضرت علی رضی اللہ عنہ خدا اور رسول کی فتوحات سمجھتے تھے۔ اسی لیے فرمایا خدا اپنے وعدہ کو لازماً پورا فرمائے گا اگرچہ آپ خود میدان جنگ میں نہ بھی جائیں کیونکہ یہ حق و باطل کا معرکہ ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کے قلیل لشکر کے ذریعہ ہی حق کو باطل پر غالب کر دے گا۔

حاصل کلام :

متذکرہ بالا امور سے ہمیں اس بات کا روز روشن کی طرح ثبوت ملتا ہے کہ خلفائے

ثلاثہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ باہم یک جان اور دو قالب تھے۔ حضرت علی کی پر خلوص دعائیں، صائب مشورے، باہم شیر و شکر ہونا، ایک ہی لڑی میں مروارید کے کھرے موتیوں کی طرح پرویا ہوا ہونا یہ وہ امور ہیں جن سے ان کی باہمی عداوت اور حسد و بغض کے قصے لغویات اور بکواسات کے سوا کچھ نہیں رہ جاتے ؎ مدعی لاکھ برا چاہے تو کیا ہوتا ہے

وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے

یہ تو تھا ان حضرات کی تصویر کا صحیح رُخ جو کسی صاحب بصر و بصیرت سے مخفی نہیں رہ سکتا اور اگر وہ رُخ پیش کیا جائے جو ان حضرات کے ازلی دشمن، تبرائی محب اور نام نہاد مومن پیش کرتے ہیں جو خود انہی کی کتب سے ہم ذکر کر چکے ہیں۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کے شدید دشمن اور ایک دوسرے کے ساتھ سخت بغض و عناد رکھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ (معاذ اللہ) حالانکہ اس کے ساتھ ساتھ ہی اور یہ ذکر کیے گئے حوالہ جات بھی تو ان کی کتب کے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلفائے ثلاثہ کے مشیر مذہبی و سیاسی امور رہے تھے بلکہ ان کا ہی فیصلہ قابلِ عمل ہوتا تھا اور اس پر عمل کی بدولت مسلمانوں کے کامیابی نے قدم چومے۔

اگر بفرضِ محال یہ مان لیا جائے کہ ان حضرات کے درمیان عداوت و بغض تھا تو خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہر ایسا حربہ استعمال کرتے جس سے انہیں تکلیف پہنچتی تو ایسے دشمن کو جنگ روم میں جانے سے روکن کیسی دشمنی تھی؟ اگر حقیقت حال یہی ہوتی تو حضرت علی انہیں باصرار جنگ میں بھیجتے۔ پھر ان کی شہادت کی خبر سن کر خوشی کے نقارے بجاتے لیکن معاملہ بالکل برعکس ہے حضرت عمر جانا چاہتے ہیں اور حضرت علی ان کے جانے کو ملکی، ملی اور اسلامی نقصان بتا رہے ہیں اور ان نقصانات کے پیش نظر انہیں روک رہے ہیں۔ ان سب باتوں کو جان لینے اور سمجھ لینے کے بعد ہر صاحب ایمان یہی فیصلہ کرے گا کہ خلفائے ثلاثہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم باہمی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "رحماء بینھم" کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ بغض و عناد حسد و بغاوت تو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ آتے تھے۔

تحقیقی بحث

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ عداوت کے جوش میں نجفی صاحب نے کتب شیعہ کو اہلسنّت کی طرف منسوب کر دیا۔

غلام حسین نجفی شیعہ نے مذکورہ خوشگوار تعلقات کو بے بنیاد ثابت کرنے کے لیے چند شیعہ کتب سے حوالہ جات پیش کیے اور انہیں اہل سنت کی کتب قرار دیا ظاہر ہے شیعہ کتابوں سے حوالہ جات پیش کر کے سنیوں پر اتمام حجت کرنا حماقت ہے اور شیعہ کتب کو سنیوں کی طرف منسوب کرنا ستم بالائے ستم ہے۔

سہم مسموم :۔

ہمارے نبی پاک اپنی کافر قوم سے مل کر ایک جنگ میں شریک ہوئے تھے۔
ثبوت ملاحظہ ہو۔

۱۔ اہل سنت کی معتبر کتاب مروج الذہب ص ۲۹۳ جلد سوم ذکر شہود الفجار

۲۔ اہل سنت کی معتبر کتاب تاریخ یعقوبی ص ۱۲ جلد دوم ذکر الفجار۔

اِنَّہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ شَہِدَ یَوْمَ حَرْبِ الْفُجَّارِ فَلَمْ یَزَلْ یَحْضُرُ حَتّٰی فَتَحَ عَلَیْہِمْ۔

ترجمہ:۔ (جنگ فجار) کفار مکہ نے ایک دوسری کفار قوم کے ساتھ لڑی تھی اور نبی پاک نے اٹھارہ سال کی عمر میں اپنی کافر قوم کی حمایت میں) اس جنگ میں شرکت فرمائی تھی اور رسول اللہ کے وجود کی برکت سے آنجناب کی کافر قوم نے دشمن پر فتح حاصل کی تھی۔

نوٹ

کافر قوم کے ساتھ اس جنگ میں نبی کریم کی شرکت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور کو اس قوم کے کفر اور بدکرداری سے بھی محبت تھی۔ اسی طرح جناب امیر نے جناب عمر کو بعض جنگوں میں مشورہ دیا تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنجناب کو بھی جناب عمر کی غیر اسلامی حرکات سے محبت تھی بلکہ جس طرح نبی پاک نے اس جنگ میں اس لیے شرکت کی تاکہ اپنی قوم کے غریب عوام کی حفاظت کریں۔ اسی طرح جناب امیر نے مشورہ اس لیے دیا تاکہ غریب مسلمانوں کی حفاظت کر سکیں۔

جواب:

(سہم مسموم مصنفہ غلام حسین نجفی شیعہ صفحہ ۴۰۲)

نجفی صاحب کی اس سعی لاحاصل کا لب لباب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جناب علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ لینے اور جناب علی رضی اللہ عنہ کے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو مشورے دینے سے ان کے درمیان محبت ثابت نہیں ہوتی اور جناب عمر فاروق (بزعم نجفی صاحب) اپنی غیر اسلامی حرکات سے بری الذمہ ثابت نہیں ہو سکتے جیسا کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے کفار کے ساتھ مل کر جنگ میں شریک ہونے سے کفار کا کفر اور بدکرداری پسندیدہ قرار نہیں پا سکتی نجفی صاحب بے چارے کو اہل سنت کی کوئی کتاب تو مل نہ سکی۔ بدحواسی میں اپنی ہی کتابوں کو سنیوں کے سر مڑھ دیا اور بڑے دھوم دھڑے سے دعویٰ کر دیا کہ دیکھو اہل سنت کی معتبر کتب مروج الذہب اور تاریخ یعقوبی میں مذکور ہے۔

کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کفار کے ساتھ مل کر جنگ میں حصہ لیا۔ اسی طرح حضرت علی رضی نے جناب عمر رضی کو مشورہ دے دیا۔ اس سے کوئی محبت ثابت ہوتی ہے؟

ایک جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لیے کئی اور جھوٹوں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ یہی حال نجفی صاحب کا ہے۔ اس جھوٹ کو ثابت کرنے کے لیے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے درمیان بغض و عناد تھا یہ جھوٹ بولا کہ مذکورہ کتابیں اہل سنت کی ہیں۔ اس جھوٹ کا پول کھولنے کے لیے نجفی صاحب کے اکابر کی عبارات پیش کی جاتی ہیں۔ جس سے واضح ہو جائے گا کہ یہ کتابیں اہل سنت کی ہیں یا اہلِ تشیع کی؟ لیجیے ملاحظہ فرمائیے:۔

شیعہ علماء کے نزدیک مروج الذہب اہل تشیع کی کتاب ہے۔

(۱) مشاہیر دانشمندانِ اسلام:۔

شیخ و بزرگ تاریخ نگاراں و مستند آنہا جناب ابوالحسن علی بن حسین بن علی مسعودی ہذلی عالمی بزرگوار و نورانی کہ اورا علامہ در قسم اول از خلاصۃ الرجالش ذکر کردہ و گفتہ کہ برائے او کتابیست در امامت وغیر آں کہ از آنست کتابے در اثبات وصیت حضرت علی بن ابی

طالب علیہ السلام واو است صاحب کتاب "مروج الذہب ....

علامہ مجلسی در مقدمہ و پیش گفتار بحار فرمودہ و مسعودی را نجاشی در فہرستش از

راویان شیعہ شمردہ و گفتہ او راست کتاب "اِثْبَاتُ الْوَصِیَّۃِ لِعَلِیِّ

بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ" وکتاب "مروج الذہب" ودرسال

۳۳۲ برابر (تلج) از دنیا رفت و بعضے ہم گفتہ اند تا سال ۳۴۵ برابر

(شمہ) زیست نمود

وگاہی مسعودی نزد عامہ (اہل سنت) گفتہ می شود بابی عبداللہ محمد بن

عبداللہ بن مسعود بن احمد فقیہہ شافعی شاگرد قفال مروزی شارح مختصر

مزنی کہ در سال ۴۲۸ تقریباً در مصر وفات نمود

(مشاہیر دانشمندان اسلام ترجمہ الکنی والالقاب

تالیف شیخ عباس قمی شیعی ص۲۲ تذکرہ مسعودی

مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ :- شیخ و بزرگ اور مستند تاریخ نگاروں میں سے ابوالحسن علی بن حسین بن علی مسعودی ہذلی ہے۔ جو بڑا بزرگ اور نورانی عالم تھا۔ اس کو علامہ نے اپنی کتاب خلاصۃ الرجال کی قسم اول (ثقہ لوگوں میں) میں شمار کیا ہے۔ اور کہا کہ اس (مسعودی) کی مسئلہ امامت وغیرہ میں کتابیں ہیں۔ ان میں سے ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے اثبات وصیت کے بارے میں ہے۔ اور یہی (مسعودی) "مروج الذہب" کا منصف ہے۔

علامہ مجلسی نے بحار الانوار کے مقدمہ اور پیش لفظ میں تحریر کیا ہے کہ مسعودی کو نجاشی نے اپنی "فہرست" میں شیعہ راویوں میں شمار

کیا ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ مسعودی کی ایک کتاب اثبات الوصیۃ لعلی بن ابی طالب علیہ السلام ہے اور ایک "مروج الذہب" اس نے ۳۳۳ھ میں انتقال کیا۔ اور بعض نے کہا کہ ۳۴۵ ہجری تک زندہ رہا۔

اور کبھی ایک مسعودی اہل سنت کے ہاں بھی شمار کیا جاتا ہے دگر اور نام سے) ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ ابن مسعود بن احمد فقیہہ شافعی قفال مروزی شارح مختصر مزنی کا شاگرد جنہوں نے تقریباً ۴۲۸ھ میں مصر میں وفات پائی۔

۲۔ منتخب التواریخ :۔

یکے از علمائے معروف عجم در بارۂ مسعودی صاحب مروج الذہب گوید او شیعی نبود بعلت آنکہ در اخبار خلفائے بنی عباس وغیرہم اقتصار بر مثالب وعیوب وطعن ولعن نکردہ است واز محاسن اعمال آناں نحتی بر شمردہ با آنکہ مسعودی مردی شیعی و امامی بود۔

(منتخب التواریخ مصنفہ ہاشم بن محمد علی خراسانی مقدمہ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:۔ عجم کے ایک مشہور عالم نے مروج الذہب کے مصنف مسعودی کے بارے میں کہا کہ وہ شیعہ نہ تھا۔ اس لیے کہ اس نے خلفائے بنی عباس وغیرہ کے عیوب ومثالب اور لعن طعن پر اقتصار نہیں کیا بلکہ ان کے محاسن بھی بیان کیے ہیں باوجودیکہ مسعودی شیعہ اور امامی آدمی تھا۔

شیعہ علماء کے نزدیک "تاریخ یعقوبی" بھی شیعوں کی کتاب ہے

مشاہیر دانشمندانِ اسلام :-

احمد بن ابی یعقوب بن وہب بن واضح کاتب و نویسندہ عباسی و شیعہ امامی است .... و در سیاحتش کتاب بلدان را تالیف کرد تاریخی وازد نیام تاریخ یعقوبی وغیرہ اینہا در سال ۲۸۴ وفات نمود۔ (مشاہیر دانشمندان اسلام جلد چہارم ص ۳۵۸)

ترجمہ: احمد بن ابی یعقوب بن وہب بن واضح عباسی دور کا مورخ ہے اور امامی شیعہ ہے اس نے دنیا کے ممالک کی تاریخ "تاریخ یعقوبی" کے نام سے تصنیف کی۔

لمحہ فکریہ :-

قارئینِ گرامی دیکھا آپ نے شیعہ لوگ عداوت صحابہ میں کس قدر اندھے، بہرے اور حق ناشناس ہو چکے ہیں؟ نجفی صاحب نے خلیفۂ دوم دامادِ علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر زبانِ طعن دراز کرنے کے لیے حقائق سے چشم پوشی کرتے ہوئے تاریخ یعقوبی اور مروج الذہب کو اہل سنت کی کتابیں قرار دیا۔ اور بدترین جھوٹ کے مرتکب ہو کر اپنے چہرہ پر سیاہی ملی۔ حالانکہ ان دونوں مذکورہ کتابوں کے مصنفین پکے شیعہ امامی تھے۔ جیسا کہ آپ

حوالہ جات ملاحظہ فرما چکے۔

بُرا ہو بے جا تعصب کا۔ یہ انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتا۔ نجفی جی عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بغض و عناد اس قدر رکھتے ہیں کہ اسی جوش میں اپنے ائمہ اور مستند مورخین کو بھی سُنّی ثابت کر گئے اور "دروغ گورا حافظہ نباشد" کے مطابق یہ بھول گئے کہ شیعوں کا عقیدہ تو سنیوں کے متعلق یہ ہے کہ وہ کتے، خنزیر اور حرامی سے بھی بدترین ہیں (معاذ اللہ)

قارئین! آیئے ضمناً آپ کو یہ حوالہ بھی ہم چلتے چلتے نوٹ کروا تے چلیں وھو ھذا۔

جامع الاخبار:-

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ اَنَّ نُوْحًا اَدْخَلَ فِی السَّفِیْنَۃِ الْکَلْبَ وَ الْخِنْزِیْرَ وَلَمْ یُدْخِلْ فِیْھَا وَلَدَ الزِّنَا وَ النَّاصِبُ اَشَدُّ مِنْ وَّلَدِ الزِّنَا۔

(جامع الاخبار مصنفہ شیخ صدوق ص۱۸۵ الفصل السابع والعشرون والمائۃ مطبوعہ نجف اشرف)

ترجمہ:۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی کشتی میں کتے اور خنزیر کو تو سوار کر لیا مگر ولدِ زنا کو سوار نہ کیا اور ناصبی (سُنّی) ولدِ زنا سے بھی برا ہے۔

اہل سنت کے متعلق تو شیعہ حضرات کی سیاہ زبانیں ہمیشہ سے زہر اگلتی

رہی ہیں۔ نجفی صاحب نے حد کر دی کہ اپنے تعلق باطنی کے جوش میں اپنے بڑوں کو بھی سؤر، کتے اور حرامزادے ہونے کا مرتبہ تو کجا، اس سے بھی بڑے مرتبہ اور اعزاز سے نواز دیا۔ کتا پاگل (باؤلا) ہو جائے تو اپنے بیگانے کی تمیز کب کرتا ہے؟ سب کو کاٹنے دوڑتا ہے۔ ؎

بریں عقل و دانش بباید گریست

"وہم مسموم"، میں نجفی صاحب نے جس قدر گندی زبان استعمال کی ہے اور قلم کو نجاست آلود کیا ہے۔ ہم چاہتے تو ترکی بترکی جواب دے سکتے تھے۔ مگر ہم نے حتی المقدور اخلاقی پہلو کو مدنظر رکھا ہے۔ اور اپنے جوابات کو گالی گلوچ کی بجائے حقائق و دلائل سے مبرہن کیا ہے۔

ہم نجفی صاحب سے گزارش کریں گے کہ زبان و قلم کو نجاست آلودہ کرنے سے آپ کو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ نہ تو آپ اس طرح فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شان میں کمی لا سکتے ہیں اور نہ ہی انہیں علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے گھر (دامادی) سے خارج کر سکتے ہیں۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ خلافتِ راشدہ کا زمانہ گزر گیا۔ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نسبتِ دامادی بھی عطا فرما دی۔ اب تمہارے سر پیٹنے سے کیا فائدہ؟ ہنڈیا جوش مارتی ہے تو اپنے ہی کنارے جلاتی ہے۔ کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔

خدا تعالیٰ شیعوں کو تبرہ بازی کر کے اپنی عاقبت خراب کرنے سے بچائے آمین۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

فصل سوم

سیدہ فاطمہ کے رشتہ میں خلفاء ثلاثہ کا حضرت علی کے حق میں ایثار اور کوشش :

حوالہ ۱:

کشف الغمہ :

اِنَّ اَبَا بَکْرٍ وَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا کَانَا ذَاتَ یَوْمٍ جَالِسَیْنِ فِیْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ وَ مَعَهُمَا سَعْدُ بْنُ مُعَاذِ الْاَنْصَارِیُّ ثُمَّ الْاَوْسِیُّ فَتَذَاکَرُوْا اَمْرَ فَاطِمَةَ عَلَیْهَا السَّلَامُ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ فَقَالَ اَبُوْ بَکْرٍ قَدْ خَطَبَهَا الْاَشْرَافُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اَمْرَهَا اِلٰی رَبِّهَا اِنْ شَاءَ اَنْ یُزَوِّجَهَا زَوَّجَهَا وَ اِنَّ عَلِیَّ ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ لَمْ یَخْطِبْهَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ وَ لَمْ یَذْکُرْهَا لَهٗ وَ لَا اَرَاهُ یَمْنَعُهٗ مِنْ ذَالِكَ اِلَّا قِلَّةُ ذَاتِ الْیَدِ وَ اِنَّهٗ لَیَقَعُ فِیْ نَفْسِیْ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ وَ رَسُوْلَهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ اِنَّمَا یَحْبِسَانِهَا عَلَیْهِ ـ قَالَ ثُمَّ اَقْبَلَ اَبُوْ بَکْرٍ عَلٰی

عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَ عَلٰی سَعْدِ بْنِ مَعَاذٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ فَقَالَ ہَلْ لَکُمَا فِی الْقِیَامِ اِلٰی عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ حَتّٰی نَذْکُرَ لَہٗ ہٰذَا فَاِنْ مَنَعَہٗ قِلَّتُ ذَاتِ الْیَدِ وَاسَیْنَاہُ وَ اَسْعَدْنَاہُ فَقَالَ لَہٗ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ وَ فَّقَکَ اللّٰہُ یَا اَبَا بَکْرٍ فَمَا زِلْتَ مُوَفَّقًا قُوْمُوْا بِنَا عَلٰی بَرَکَۃِ اللّٰہِ وَ یُمْنِہٖ قَالَ سَلْمَانُ الْفَارِسِیُّ فَخَرَجُوْا مِنَ الْمَسْجِدِ وَ الْتَمَسُوْا عَلِیًّا فِیْ مَنْزِلِہٖ فَلَمْ یَجِدُوْہُ وَ کَانَ یَنْضَحُ بِبَعِیْرٍ کَانَ لَہُ الْمَآءُ عَلٰی نَخْلِ رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ بِاُجْرَۃٍ فَانْطَلَقُوْا نَحْوَہٗ فَلَمَّا نَظَرَ اِلَیْہِمْ عَلِیٌّ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ مَا وَرَاءَکُمْ وَ مَا الَّذِیْ جِئْتُمْ لَہٗ فَقَالَ اَبُوْ بَکْرٍ یَا اَبَا الْحَسَنِ اِنَّہٗ لَمْ یَبْقَ خَصْلَۃٌ مِنْ خِصَالِ الْخَیْرِ اِلَّا وَلَکَ فِیْہَا سَابِقَۃٌ وَ فَضْلٌ وَ اَنْتَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ بِالْمَکَانِ الَّذِیْ قَدْ عَرَفْتَ مِنَ الْقَرَابَۃِ وَ الصُّحْبَۃِ وَ السَّابِقَۃِ وَ قَدْ خَطَبَ الْاَشْرَافُ مِنْ قُرَیْشٍ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ اِبْنَتَہٗ فَاطِمَۃَ عَلَیْہَا السَّلَامُ فَرَدَّہُمْ وَ قَالَ اِنَّ اَمْرَہَا اِلٰی رَبِّہَا اِنْ شَآءَ اَنْ یُزَوِّجَہَا زَوَّجَہَا فَمَا یَمْنَعُکَ اَنْ تَذْکُرَہَا لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ وَ تَخْطِبَہَا مِنْہُ فَاِنِّیْ لَاَرْجُوْ

اَنْ يَّكُوْنَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اِنَّمَا يَحْبِسَانِهَا عَلَيْكَ قَالَ فَتَغَرْغَرَتْ عَيْنَا عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِالدُّمُوْعِ وَ قَالَ يَا اَبَا بَكْرٍ لَقَدْ هَيَّجْتَ مِنِّيْ سَاكِنًا وَ اَيْقَظْتَنِيْ لِاَمْرٍ كُنْتُ عَنْهُ غَافِلًا وَ اللّٰهِ اِنَّ فَاطِمَةَ لَمَوْضَعُ رَغْبَةٍ وَ مَا مِثْلِيْ قَعَدَ عَنْ مِثْلِهَا غَيْرَ اَنَّهٗ يَمْنَعُنِيْ مِنْ ذَالِكَ قِلَّةُ ذَاتِ الْيَدِ فَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ لَا تَقُلْ هٰذَا يَا اَبَا الْحَسَنِ فَاِنَّ الدُّنْيَا وَ مَا فِيْهَا عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ عِنْدَ رَسُوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ كَهَبَاءٍ مَّنْثُوْرٍ۔

(۱) کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد اوّل ص ۳۵۳-۳۵۴ مطبوعہ تبریز، طبع جدید

(۲) ناسخ التواریخ جلد ۲ ص ۹۷ تا ۱۰۳ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ تہران طبع جدید

(۳) بحار الانوار جلد ۴۳ ص ۱۲۵ تا ۱۳۰ مطبوعہ تہران جدید باب تزویجہا۔

ترجمہ: ایک دن ابوبکر صدیق اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے ان کے ساتھ حضرت سعد بن معاذ انصاری اوسی بھی تھے۔ حضرت فاطمہ بنت رسول کی بات زیر بحث آئی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا بہت سے سرکردہ لوگوں نے فاطمہ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی لیکن آپ نے سب کو یہی جواب دیا کہ اس بچی کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اس نے جہاں چاہا اس کا نکاح ہوگا اور حضرت علی بن ابو طالب نے اپنے لیے نہ تو حضرت فاطمہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور نہ ہی اس کا تذکرہ کیا۔ میرے رائے میں اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ "علی" خالی ہاتھ تھے اور میرے دل میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے "علی" کیلیے

یہ رشتہ چھوڑ رکھا ہے پھر ابوبکر صدیق حضرت عمر بن خطاب اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کیا تم میرے ساتھ اس مسئلہ کی خاطر حضرت علی کے پاس چلو گے تاکہ انہیں کچھ کہیں ؟ اگر ان کو تنگدستی نے اس سے روک رکھا ہے تو ہم ان کی ہر ممکن مدد کریں گے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ابوبکر اللہ نے تمہیں ہمیشہ سے ایسے نیک کاموں کی توفیق دے رکھی ہے۔ اللہ کی برکت اور احسان کے ساتھ اٹھو اور چلو۔ سلمان فارسی کہتے ہیں۔ ہم مسجد نبوی سے نکلے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تلاش کیا لیکن وہ گھر پر نہ ملے۔ آپ ان دنوں اپنے اونٹ کے ذریعہ اجرت پر ایک انصاری کے کھجوروں کے باغ کو پانی دے رہے تھے۔ اس لیے اس طرف چل پڑے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھا تو کہا تمہاری کیا خواہش ہے اور تم کیوں آئے ہو ؟ ابوبکر صدیق نے کہا اے ابوالحسن ! اچھی خصلتوں میں سے کوئی ایسی نہیں جس میں آپ سب سے آگے نہ ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بوجہ قرابت، صحبت اور اولیت کے جو آپ کا مقام ہے آپ اس سے بخوبی آگاہ ہیں۔ قریش کے سرکردہ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت فاطمہ کا رشتہ طلب کیا لیکن آپ نے سب کو جواب دے دیا اور فرمایا اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے جس سے چاہے گا شادی ہو جائے گی تو تم کیوں نہیں یہ رشتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگتے مجھے امید ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے یہ رشتہ تمہارے لیے روک رکھا ہے۔ یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھیں آنسوؤں میں ڈوب گئیں اور کہا اے ابوبکر ! تو نے میرے خوابیدہ خیالات جگا دیے اور جس کام سے میں غافل تھا اس کی بیداری عطا کر دی۔ جناب فاطمہ واقعی موضع رغبت ہیں اور مجھ جیسا اس رشتہ سے کب انکاری ہو سکتا ہے

لیکن تنگدستی نے مجھے باندھ رکھا ہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سُن کر فرمایا:

اے ابوالحسن! یہ نہ کہو۔ دنیا اور اس کی ہر چیز اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کوئی چیز نہیں۔

حوالہ نمبر۲: علیؓ کو رشتہ فاطمہؓ ملنے پر شیخین بہت زیادہ خوش ہوئے۔

ابوبکر صدیق، عمر بن الخطاب اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مشورہ پر جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کی خواستگاری کے لیے تشریف لے گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رشتہ انہیں عنایت فرمادیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے متعلق خود فرماتے ہیں:

قَالَ عَلِیٌّ فَخَرَجْتُ مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ مُسْرِعًا وَ اَنَا لَا اَعْقِلُ فَرْحًا وَ سُرُوْرًا فَاسْتَقْبَلَنِیْ اَبُوْ بَکْرٍ وَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا فَقَالَا مَا وَرَآءَکَ فَقُلْتُ زَوَّجَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ اِبْنَتَہٗ فَاطِمَۃَ وَ اَخْبَرَنِیْ اَنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ زَوَّجَنِیْہَا مِنَ السَّمَآءِ وَ ھٰذَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ خَارِجٌ فِیْ اِثْرِیْ لِیُظْہِرَ ذَالِکَ بِحَضْرَۃِ النَّاسِ فَفَرِحَا بِذَالِکَ فَرْحًا شَدِیْدًا وَ رَجَعَا مَعِیَ اِلَی الْمَسْجِدِ فَمَا تَوَسَّطْنَاہُ حَتّٰی لَحِقَ بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ وَ اِنَّ وَجْہَہٗ لَیَتَہَلَّلُ سُرُوْرًا وَ فَرْحًا۔

۱۔ کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد اول ص ۳۵۸ مطبوعہ تبریز۔

۲۔ ناسخ التواریخ زندگانی فاطمہ ص۴۶ طبع تہران

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ہو کر جلدی سے باہر نکلا تو خوشی و فرحت اندازہ سے زیادہ تھی۔ سب سے پہلے مجھے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما ملے۔ پوچھا کیا خبر ہے؟ میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی فاطمہ کا رشتہ مجھے دینا منظور کر لیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اس کی شادی تمہارے ساتھ کر دی ہے اور ابھی تھوڑی دیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی تشریف لا رہے ہیں تاکہ لوگوں کے سامنے اس کا اظہار فرمائیں۔ دونوں اس خبر کو سن کر بہت زیادہ خوش ہوئے اور میرے ساتھ مسجد میں واپس لوٹے۔ ابھی ہم مسجد کے درمیان نہ پہنچے تھے کہ اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور آپ کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا

خلفاء ثلاثہ کو نبی پاک علیہ السلام نے اپنی بیٹی فاطمہ کے عقد کا گواہ بنایا

کشف الغمہ:

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں جلوہ فرما ہوئے تو اس کی کیفیت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَغَشِيَهُ الْوَحْيُ فَلَمَّا اَفَاقَ قَالَ لِيْ يَا اَنَسُ اَتَدْرِيْ مَا جَاءَنِيْ بِهٖ جِبْرِيْلُ مِنْ عِنْدِ صَاحِبِ الْعَرْشِ قَالَ قُلْتُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ اَمَرَنِيْ اَنْ اُزَوِّجَ فَاطِمَةَ مِنْ عَلِيٍّ فَانْطَلِقْ فَادْعُ لِيْ اَبَا بَكْرٍ وَ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ وَ عَلِيًّا وَ طَلْحَةَ وَ الزُّبَيْرَ وَ بِعَدَدِهِمْ مِنَ الْاَنْصَارِ قَالَ فَانْطَلَقْتُ فَدَعَوْتُهُمْ لَهٗ فَلَمَّا اَنْ

اَخَذُوْا مَجَالِسَهُمْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اِلٰى اٰخِرِ الْخُطْبَةِ ثُمَّ اِنِّیْ اُشْهِدُكُمْ اَنِّیْ قَدْ زَوَّجْتُ فَاطِمَةَ مِنْ عَلِيٍّ عَلٰى اَرْبَعِ مِائَةِ مِثْقَالِ فِضَّةٍ وَ كَانَ غَائِبًا قَدْ بَعَثَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ فِیْ حَاجَةٍ ثُمَّ اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ بِطَبَقٍ فِيْهِ بُسْرٌ فَوَضَعَ بَيْنَ اَيْدِيْنَا ثُمَّ قَالَ اِنْتَهِبُوْا

ا۔ کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد اوّل ص ۳۴۹، تذکرہ امام علی مرتضیٰ

بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۔ طبع قدیم

ترجمہ: میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالیہ میں موجود تھا۔ وحی اترنا شروع ہوئی۔ جب سلسلہ وحی مکمل ہوا تو آپ نے مجھے فرمایا۔ انس! کیا تم جانتے ہو کہ جبریل اللہ رب العرش سے کیا پیغام لایا؟ میں نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں فرمانے لگے حکم ملا ہے کہ فاطمہ کی شادی علی سے کر دوں۔ تم جاؤ اور ابوبکر، عمر، عثمان، علی طلحہ اور زبیر اور اتنے ہی انصار بلا لاؤ۔ فرماتے ہیں میں چلا گیا اور انہیں لے کر حاضر خدمت ہوا۔ جب یہ سب حضرات آ گئے تو آپ نے "الحمد للہ" سے آخر تک خطبہ پڑھنے کے بعد فرمایا میں تمہیں اس بات کا گواہ بناتا ہوں کہ میں نے فاطمہ کی شادی علی سے چار سو مثقال چاندی (حق مہر) کے عوض کر دی ہے۔ حضرت علی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام کے لیے بھیجا ہوا تھا۔ بعد میں آپ نے کھجوروں کا ایک تھال منگوا کر تقسیم فرمایا اور فرمایا۔ کھاؤ! مبارک ہو!

نبی پاک علیہ السلام نے سیدہ فاطمہ کا جہیز خریدنے کیلیے ابوبکر صدیق کا انتخاب فرمایا

جلاء العیون:

پس دو کف ازاں دراہم برگرفت و با بوبکر داد فرمود کہ بروبہ بازار واز برائے فاطمہ بگیر آنچہ او را درکار است از جامہ و اساس البیت عمار بن یاسر و جمعی از صحابہ از پے او فرستاد ھمگی بہ بازار درآمدند پس ہر یک از ایشاں چیزی را کہ اختیار می کردند با بوبکر می نمودند و بمصلحت او میخریدند ۔

۱۔ (جلاء العیون جلد اول ص ۱۶۷ مطبوعہ تہران زندگانی فاطمہ زہرا)

۲۔ ناسخ التواریخ زندگانی فاطمہ ص ۵۴ طبع تہران

۳۔ بیت الاحزان ص ۳۲ (عباس قمی) طبع اصفہان۔

۴۔ جلاء العیون جلد ۲ ص ۲۰۴ ۔ ۲ تاریخ فاطمہ زہرا مطبوعہ تہران طبع جدید طبع قدیم ص ۴۹ جلد دوم

ترجمہ: ان دراہم میں سے مٹھی بھر آپ نے لیے اور ابوبکر کو دے کر فرمایا بازار جاؤ اور فاطمہ کی خاطر جو کچھ کپڑے اور گھریلو ساز و سامان درکار ہے لے آؤ۔ عمار بن یاسر اور کچھ اور صحابہ کرام کو ان کے پیچھے بھیجا۔ تمام بازار گئے اور ہر ایک سے اپنی پسندیدہ چیز کو خریدنے کے لیے ابوبکر کو کہا اور ان کی رضامندی سے ان سب نے خریداری کی۔

مذکورہ حوالہ جات سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہو گئے

۱۔ تمام صحابہ کرام میں سے سب سے پہلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جناب فاطمہ کے ساتھ شادی کے لیے جس شخصیت نے کہا وہ ابوبکر صدیق تھے۔

۲۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں سعد بن معاذ اور فاروق اعظم کو اپنا مشیر بنایا۔

۳۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس ارادے پر شاباش کی اور تعریفی کلمات کہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے نیک کاموں کی انجام دہی کے لیے پہلے ہی توفیق عطا فرمائی ہے۔

۴۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اب تک اس معاملہ میں خاموشی اختیار کرنا صرف تنگدستی کی وجہ سے ہے جس میں انہوں نے ان کی حتی المقدور امداد کرنے کی ضمانت اٹھائی۔

۵۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب اس معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ دولت پر حاضر ہوئے تو ان کے واپس آنے تک ابوبکر صدیق اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما باہر کھڑے انتظار کرتے رہے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے اور مقصد کی برآری کا کہا تو دونوں حضرات انتہائی خوش ہوئے۔

۶۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ اور علی رضی اللہ عنہ کے عقد کے وقت خلفائے ثلاثہ کو بلوایا تاکہ اس عقد کے یہ گواہ بنیں۔

۷۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے ساز و سامان خریدنے کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا اور ان کے ساتھ جانے والے دیگر صحابہ کرام کو ہدایت فرمائی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مرضی کے خلاف خرید و فروخت نہ کرنا۔

لمحہ فکریہ:

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس اہم موقعہ پر جو بے مثال خدمات پیش کیں اس کی نظیر

نہیں ملتی۔ دراصل یہ ان کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ اہلِ بیت رضوان اللہ علیہم کے اولیں پودے کا وجود قائم ہوا جس ذات کی اس خاندان کی بنیاد فراہم کرنے میں اتنی مساعی جمیلہ ہوں وہ کب سوچ سکتا ہے کہ یہ پودا نہ پھلے اور نہ پھولے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خود بات کی ذمہ داری اٹھانا دونوں کے درمیان ایک لازوال محبت کی علامت ہے اسی وجہ سے رشتہ ملنے پر ابوبکر صدیق اور فاروق اعظم رضوان اللہ علیہم کو انتہائی خوشی ہوئی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ان حضرات کے درمیان غصبِ خلافت اور باغِ فدک کے تمام افسانے خود شیعہ لوگوں کے گھڑے ہوئے ہیں کیوں کہ یہ حقیقت ہے کہ نہ تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خلافت کے غاصبانہ امر پر کبھی ناراضگی کا اظہار کیا اور نہ ہی کبھی لوگوں کو اس کے خلاف اکسایا اور نہ ہی "باغِ فدک" کی واپسی کا تقاضا کیا حتیٰ کہ اپنی خلافت کے وقت بھی یہ باغ آپ نے واپس نہ لیا جب کہ نہ ابوبکر موجود تھے اور نہ ہی عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔ معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو بالکل صحیح اور حق سمجھتے تھے۔

فصل چہارم

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی اہل بیت پر اصحاب ثلاثہ کی قربانیاں

(سفر ہجرت میں یار غار کی قربانیاں اور نبی کی نوازشیں)

حوالہ نمبر ا:-

بحار الانوار:-

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی اَوْحٰی اِلَی النَّبِیِّ یَا مُحَمَّدُ اَنَّ الْعَلِیَّ الْاَعْلٰی یَقْرَءُ عَلَیْكَ السَّلَامَ وَیَقُوْلُ لَكَ اِنَّ اَبَا جَهْلٍ وَالْمَلَاَ مِنْ قُرَیْشٍ قَدْ دَبَّرُوْا یُرِیْدُوْنَ قَتْلَكَ وَ اَمَرَكَ اَنْ تُبِیْتَ عَلِیًّا فِیْ مَوْضِعِكَ وَقَالَ اِنَّ مَنْزِلَتَهٗ مِنْكَ مَنْزِلَةُ اِسْمَاعِیْلَ الذَّبِیْحِ مِنْ اِبْرَاهِیْمَ الْخَلِیْلِ یَجْعَلُ نَفْسَهٗ لِنَفْسِكَ فِدَاءً وَ رُوْحَهٗ لِرُوْحِكَ وِقَاءً وَ اَمَرَكَ اَنْ تَسْتَصْحِبَ اَبَا بَكْرٍ فَاِنَّهٗ اِنْ اٰنَسَكَ وَ سَاعَدَكَ وَوَازَرَكَ وَثَبَتَ عَلٰی مَا یُعَاهِدُكَ وَ یُعَاقِدُكَ كَانَ فِی

الْجَنَّةِ مِنْ رُفَقَائِكَ وَ فِيْ غُرَفَاتِهَا مِنْ خُدَمَائِكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ لِعَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَرَضِيْتَ اَنْ اُطْلَبَ فَلَا اُوْجَدَ وَ تُوْجَدَ فَلَعَلَّهٗ اَنْ يُّبَادِرَ اِلَيْكَ الْجُهَّالُ فَيَقْتُلُوْكَ قَالَ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَضِيْتُ اَنْ يَكُوْنَ رُوْحِيْ وَ نَفْسِيْ فِدَآءً لِاَخٍ لَكَ اَوْ قَرِيْبٍ اَوْ لِبَعْضِ الْحَيَوَانَاتِ تَمْتَهِنُهَا وَ هَلْ اُحِبُّ الْحَيَاةَ اِلَّا لِخِدْمَتِكَ وَالتَّصَرُّفِ بَيْنَ اَمْرِكَ وَ نَهْيِكَ وَ لِمَحَبَّةِ اَوْلِيَآءِ لَكَ وَ نُصْرَةِ اَصْفِيَآءِ لَكَ وَ مُجَاهَدَةِ اَعْدَآئِكَ لَوْ لَا ذٰلِكَ لِمَ اَحْبَبْتَ اَنْ اَعِيْشَ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا سَاعَةً وَّاحِدَةً فَاَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ عَلٰى عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ لَهٗ يَا اَبَا حَسَنٍ قَدْ قَرَاَ عَلَيَّ كَلَامَكَ هٰذَا الْمُوَكَّلُوْنَ بِاللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ وَقَرَءُوْا عَلَيَّ مَا اَعَدَّ اللّٰهُ لَكَ مِنْ ثَوَابِهٖ فِيْ دَارِ الْقَرَارِ مَا لَمْ يَسْمَعْ بِمِثْلِهِ السَّامِعُوْنَ وَلَا رَاٰى مِثْلَهُ الرَّاؤُوْنَ وَلَا خَطَرَ مِثْلُهٗ بِبَالِ الْمُتَفَكِّرِيْنَ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ لِاَبِيْ بَكْرٍ اَرَضِيْتَ اَنْ تَكُوْنَ مَعِيَ يَا اَبَا بَكْرٍ

تَطْلُبُ كَمَا اَطْلُبُ وَ تُعْرَفُ بِاَنَّكَ اَنْتَ الَّذِیْ
تَحْمِلُ عَنِّیْ مَا اَدَّعِیْهِ فَتَحْمِلُ عَنِّیْ
اَنْوَاعَ الْعَذَابِ قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ يَا رَسُوْلَ
اللّٰهِ اَمَا اَنَا لَوْ عِشْتُ عُمُرَ الدُّنْيَا اُعَذَّبُ
فِیْ جَمِيْعِهَا اَشَدَّ عَذَابٍ لَا يَنْزِلُ عَلَیَّ
مَوْتٌ مُرِيْحٌ وَّ لَا فَرَجٌ مُتِيْحٌ وَكَانَ
ذٰلِكَ فِیْ مَحَبَّتِكَ لَكَانَ ذٰلِكَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ
اَنْ اَتَنَعَّمَ فِيْهَا وَ اَنَا مَالِكٌ لِجَمِيْعِ
مَمَالِكِ مُلُوْكِهَا فِیْ مُخَالَفَتِكَ وَ هَلْ
اَنَا وَ مَالِیْ وَ وَلَدِیْ اِلَّا فِدَاءَكَ فَقَالَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ لَا
جَرَمَ اَنْ اَطْلَعَ اللّٰهُ عَلٰی قَلْبِكَ
وَ وَجَدَ مَا فِيْهِ مُوَافِقًا لِمَا جَرٰی
عَلٰی لِسَانِكَ جَعَلَكَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ السَّمْعِ
وَ الْبَصَرِ وَ الرَّاْسِ مِنَ الْجَسَدِ وَ مَنْزِلَةِ
الرُّوْحِ مِنَ الْبَدَنِ۔

۱۔ (بحار الانوار جلد ۱۹ صـــ ۸۱
باب الہجرۃ ومبادیہا، مطبوعہ
تہران طبع جدید)
۲۔ (تفسیر امام حسن عسکری صـــ ۲۳۱
مطبوعہ لکھنؤ طبع قدیم)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرمائی۔ (وحی کے الفاظ بیان کرتے ہوئے جبرئیل نے کہا۔) سب سے اعلیٰ اور بزرگ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلام کہا ہے۔ اور فرمایا۔ کہ ابوجہل، اور دیگر قریش کے سرداروں نے آپ کو قتل کرنے کی خفیہ تدبیر بنالی ہے۔ (اس لیے اللہ تعالیٰ نے) آپ کو کہلا بھیجا ہے۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سلا دو۔ اور فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی کا مقام و مرتبہ آپ کے ساتھ ایسا بنایا ہے۔ جیسا حضرت اسماعیل ذبیح کا حضرت ابراہیم خلیل کے ساتھ تھا۔ وہ (علی) اپنی جان تم پر وار دے گا۔ اور اپنی روح کو تمہاری بقاء اور حفاظت کے لیے وقف کر دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی کہا ہے۔ کہ حضرت ابوبکر کو (ہجرت کے لیے) اپنے ساتھ لے جانا۔ اگر وہ تم سے مانوس رہیں۔ اور تمہارا بازو بنیں۔ اور بوجھ بٹائیں۔ اور آپ کے ساتھ معاہدہ کی پابندی کریں۔ اور ڈٹے رہیں۔ تو جنت میں آپ کے رفقاء کے ساتھ وہ بھی جائیں گے۔ اور جنت کے اعلیٰ درجات میں آپ کے مخلص احباب کے ساتھ وہ بھی ہوں گے۔ (اس کے بعد جبرئیل واپس ہو گئے تو) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ کیا تمہیں یہ منظور ہے کہ لوگ (قتل کرنے کی غرض سے) مجھے تلاش کریں۔ اور میں تو انہیں نہ مل سکوں۔ بلکہ میری جگہ تم انہیں مل جاؤ۔ اور عین ممکن ہے کہ وہ جاہل لوگ تیری طرف لپک پڑیں۔ اور تمہیں قتل کر دیں؟ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس بات پر بالکل رضامند ہوں۔ کہ میری جان آپ پر، آپ کے کسی بھائی پر یا آپ کے کسی جانور پر قربان ہو جائے۔ جو جانور آپ کو کسی قسم کا نفع دیتا ہو۔ میں تو

صرف آپ کی خدمت کرنے کے لیے زندہ ہوں۔ اور آپ کے احکامات کی بجا آوری میرا مقصد زندگی ہے۔ آپ کے دوستوں سے محبت، آپ کے پسندیدہ حضرات کی مدد اور آپ کے دشمنوں کے خلاف زور آزمائی کے لیے میری زندگی وقف ہے۔ اگر ان باتوں میں سے ایک بھی نہ ہو، تو میں ایک لمحہ کے لیے بھی زندہ رہنا پسند نہ کروں گا۔

تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا اے علی لوح محفوظ کے موکلوں نے تیری گفتگو سُنی۔ اور مجھے یہ تبلایا کہ تمہارے (یعنی حضرت علی) کے لیے اللہ تعالیٰ نے دارالقرار میں ایسا اجر و ثواب مقرر کر دیا ہے۔ جو کسی سننے والے نے آج تک نہ سُنا۔ اور نہ ہی اس جیسا کسی نے دیکھا۔ اور نہ ہی غور و فکر کرنے والوں نے اُس کی حقیقت پائی۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ اے ابو بکر! کیا تم اس بات کے خواہش مند ہو۔ کہ جس طرح کفار و مشرکین بوجہ تبلیغ مجھے ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ اسی طرح تم ان کے مطلوب ہو جاؤ۔ اور وہ بخوبی جان جائیں۔ کہ میری ان تمام تبلیغی باتوں کے محرک تم ہی ہو۔ پھر تم مختلف مصائب و تکالیف میں (میری طرف سے) پڑ جاؤ؟

یہ سن کر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میرا تو یہ عقیدہ ہے۔ کہ اگر مجھے تا قیامت عمر عطا ہو۔ اور اتنی طویل عمر لگاتار دکھوں اور مصیبتوں میں رہوں نہ آرام کی موت آئے۔ اور نہ اور کسی قسم کی راحت میسر آئے۔ لیکن یہ سب سختیاں اور دکھ صرف اور صرف آپ کی محبت کی پاداش میں ہوں۔ تو یہ سب کچھ مجھے اتنا عزیز ہے۔ کہ میں اس کے بدلے زندگی کی خوشگواری کبھی قبول نہ کروں گا۔ اور اگر مجھے تمام دنیا کے بادشاہوں کی حکومتیں اور بادشاہی مل جائے۔ لیکن صرف آپ کی مخالفت

کی بنا پر تو میں اس کو ٹھوکر مار دوں گا۔ حضور! میں، میری اولاد، میرے والدین اور میرا سب کچھ آپ پر قربان ہے۔

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر سے فرمایا۔ اے صدیق! اللہ رب العزت نے مجھے تیرے قلب کی گہرائیوں میں بستے خیالات سے آگاہی فرما دی۔ یہ حقیقت ہے کہ جو کچھ تم نے زبان سے کہا۔ وہی تمہارے دل میں ہے اللہ تعالیٰ نے میرا تیرا تعلق اس طرح بنا دیا ہے کہ جس طرح جسم انسانی کے ساتھ آنکھ، کان اور سر کا تعلق ہے اور اس طرح کہ جس طرح بدن اور روح ایک دوسرے سے متعلق ہیں۔

اس حوالہ سے درج ذیل امور ثابت ہوئے۔

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خالق کائنات نے بذریعہ وحی یہ ارشاد فرمایا کہ بوقت ہجرت اپنے ساتھ اپنے مخلص ساتھی اور گہرے دوست صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے جانا۔

۲۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جنت کے اعلیٰ درجات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں گے۔

۳۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس امر کا اقرار کیا۔ کہ آپ کی محبت کی خاطر مجھے طویل مصائب اور پریشانیاں تنگ کریں۔ تو اس کو اپنے لئے سعادت سمجھوں گا۔ اور انہیں گلے لگاؤں گا۔

۴۔ روئے زمین کی بادشاہی، مال و دولت کی فراوانی بھی اگر آپ کے ساتھ رشتۂ محبت و الفت کے منقطع کرنے پر ملے۔ تو مجھے ان کو چھوڑ کر آپ کی محبت میں رہنا مرغوب و مطلوب ہے، چاہے کچھ بھی ہو جائے۔

۵۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس عہد و پیمان ظاہری اور ان کے دلی کیفیت کی برابری کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے صدیق اکبر اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

مابین تعلق کا فیصلہ یوں تبلایا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جسم اور صدیق اکبر اس کے کان، آنکھ اور سر کی مانند ہیں آپ بمنزلہ بدن اور صدیق بمنزلہ روح کے ہیں۔

خلاصۂ کلام۔

اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ہے۔ اس نے اپنے ازلی علم سے بذریعہ وحی اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یار اور دوست بنا دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا جناب صدیق کو یارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بنا دینا محض زندگی تک نہ تھا۔ بلکہ اس امر کی بھی صراحت کر دی کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جنت کے اعلیٰ درجات میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مصاحب بھی ہوں گے۔

ناظرین! آپ کسی کی طرف داری سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف اس واقعہ کو مدنظر رکھ کر اپنے دل سے پوچھیں۔ کہ جس عظیم شخصیت کو اللہ رب العزت کے حکم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے مشکل ترین سفر میں ساتھ لے جا رہے ہیں۔ جس میں ہر طرح کے خدشات موجود تھے۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صاف صاف فرما دیا تھا۔ کہ بوقتِ ہجرت میرا ہم سفر بننا گویا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال لینے سے کم نہیں۔ اور عین ممکن ہے۔ کہ قتل بھی کر دیئے جاؤ۔ تو ایسے سفر میں بلا لیت و لعل شریک سفر ہو جانا خلوص و عقیدت کے اعلیٰ معیار کا ایک عظیم نمونہ ہے۔ اور ایسا اُسی سے متوقع ہو سکتا ہے۔ جو خلوص دل سے بہرہ ور ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ اعزاز اس سفر میں صرف اور صرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ہی عطا فرمایا۔

سفر ہجرت کے واقعات کو دیکھئے۔ تو وہ بتائیں۔ جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر سے قربانی بھیں ان سے واسطہ پڑا۔ اسی کتاب (بحار الانوار) میں مذکور ہے۔ کہ کفارِ مکہ کو بخوبی علم تھا۔ کہ اس کٹھن سفر میں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ساتھی ہو سکتا ہے۔ تو وہ صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی ہیں اور پھر اس کی ایک اور

قطعی صورت کفار مکہ کے سامنے اس وقت آ گئی۔ جب ایک ماہر کھوجی نے انہیں بتلایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک اور آدمی بھی ہے۔ جس کے پاؤں کے نشانات کو میں بخوبی پہچانتا ہوں۔ یہ خود قحافہ ہے۔ یا قحافہ کا بیٹا ابوبکر ہے۔

(بحارالانوار جلد ۹ ص۵۱۔ باب الہجرۃ الخ مطبوعہ تہران طبع جدید)

نوٹ:

خوب ذہن نشین رہے۔ کہ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے ملا باقر مجلسی نے "اگر مگر" کے جو الفاظ بڑھائے ہیں۔ یہ اس کے اپنے اختراع اور گھڑے ہوئے ہیں۔ کیونکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے حسد اہل تشیع کا ایک مرغوب خُلق ہے۔ لہٰذا اس کا اظہار کئے بغیر یہ نہیں رہ سکتے تھے ورنہ جہاں تک واقعاتِ ہجرت کا معاملہ ہے۔ تو پورے سفر ہجرت میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہوئی۔ کہ جس کی بنا پر آپ کو "معاہدہ کی خلاف ورزی کرنیوالا" ثابت کیا جا سکے۔ بلکہ اس کے خلاف معاہدہ سے کہیں بڑھ کر اہل بیت صدیق نے اپنی خدمات سرانجام دیں۔ سامان ہجرت کی بہم رسانی صدیق اکبرؓ اور ان کے اہل و عیال نے سرانجام دی۔ غارِ ثور میں قیام کے دوران ضروریات زندگی کو وہاں تک پہنچانے والے بھی صدیق اکبرؓ کے گھرانے کے افراد تھے ان کے غلام عامر بن فہیرہ، ان کی بیٹی اسماء اور ان کے بیٹے عبداللہ مکہ کی تازہ صورت حالات سے آگاہی کرتے رہے۔ یہ سب کچھ کس لیے تھا؟

ایک ہذیان:۔

اہل تشیع دیرینہ بغض و عداوت کی بنا پر واقعہ ہجرت میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں طنزیہ اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ غار میں قیام کے دوران ابوبکرؓ سخت بے چین ہو گئے تھے۔ اور معاذ اللہ چاہتے تھے۔ کہ کسی نہ کسی طرح کفار سے مل جائیں۔ لیکن اس خواہش کا پورا ہونا نظر نہ آتا تھا وغیرہ وغیرہ۔ یہ اعتراض اور اس

قسم کے دیگر اعتراضات جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں۔ ان کے حسد و بغض کا نتیجہ ہیں۔ ورنہ اللہ رب العزت جلّ وعلا جن کے متعلق اپنے کلام میں ان الفاظ سے تسلی دے۔ جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی غار ثور میں صدیق اکبر کو فرمائے گئے۔ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔ غم نہ کر۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اس تسلی کے بعد کسی قسم کا اضطراب کیونکر ہو سکتا تھا۔ ہمدردی اللہ تعالیٰ کے محبوب کی اور معیت خداوند ذوالجلال کی ہو تو پھر بے چینی کہاں کی؟ یہ تسلی بھرے الفاظ اور معیت باری تعالیٰ کا مژدہ بھی صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ملا۔ کسی دوسرے امتی کو یہ اعزاز نہ مل سکا۔

ایک وضاحت:

چلتے چلتے ایک امر کی بھی وضاحت کر دی جائے۔ تو بہتر ہو گا وہ یہ کہ حزن وملال سے تسلّی دینا اس کا تقاضا یہ ہے کہ حزن وملال کا وجود ہو۔ یعنی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر پریشانی طاری ہوئی تھی۔ جس کو مذکورہ قرآنی الفاظ سے دُور کر دیا گیا۔ آخر یہ پریشانی کیوں ہوئی؟ تو اس سلسلہ میں گزارش ہے۔ کہ انسانی فطرت و طبیعت کا تقاضا یہ ہے کہ جب کسی مدمقابل یا دشمن کا غلبہ ہوتا دکھائی دے تو خوف و پریشانی آ ہی جاتی ہے۔ یہ کوئی عیب یا نقص نہیں ہے خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بستر میں آرام کرنے کا حکم دیا۔ تو علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی سلامتی کا عہد لیا تھا۔ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلامتی کا عہد دیدیا۔ تو حضرت علی نے خوشی میں تبسم فرمایا۔ عبارت ملاحظہ ہو۔

بحار الانوار:

فَقَالَ عَلِیٌّ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَوَ تَسْلِمَنَّ بِمَبِیْتِیْ ھُنَاکَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ قَالَ نَعَمْ

فَتَبَسَّمَ عَلِیٌّ عَلَیْہِ السَّلَامُ ضَاحِکًا
وَ اَھْوٰی اِلَی الْاَرْضِ سَاجِدًا شُکْرًا
لِمَا اَنْبَاہُ بِہٖ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
وَاٰلِہٖ مِنْ سَلَامَتِہٖ۔

(بحار الانوار جلد ۱۹ صفحہ ۶۰ مطبوعہ تہران۔ طبع جدید)

ترجمہ: (جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بستر میں رات گزارنے کا حضرت علی کو حکم دیا) تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضورؐ سے درخواست کی۔ کہ کیا آپ اس بات کی ضمانت اور سلامتی کی ذمہ داری لیتے ہیں۔ کہ میری رات بخیر و عافیت بسر ہو جائیگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ یہ سن کر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مارے خوشی کے ہنس پڑے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اپنی سلامتی کی خبر سن کر بطور شکرانہ زمین پر سجدہ ریز ہو گئے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی کفار کی طرف سے خوف و حزن کا احساس رکھتے تھے۔ تبھی تو آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تسلی مل جانے پر بہت خوش ہوئے۔ تو اگر اس واقعہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ تو پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیوں جبکہ بات دونوں کی ایک جیسی ہی ہے۔

ان حقائق کے باوجود پھر بھی اگر کوئی حسد و بغض کا مارا وہی راگ الاپتا پھرے اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات مقدسہ پر تبرہ بازی کرتا رہے۔ اور ہذیانی کیفیت میں یہ کہتا پھرے۔ کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اُن عہد و پیمان میں بالکل مخلص نہ تھے۔ جو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باندھے۔ تو ہیں ایسے

ہر شخص کو چیلنج کرتے ہوئے کہتا ہوں۔ کہ کوئی ایک ایسی حدیث صحیح کسی کتاب سے دکھا دو۔ جس میں مذکور ہو۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد کسی وقت اور کسی کے سامنے یہ فرمایا ہو۔ کہ ابوبکر نے مجھ سے کئے گئے وعدے نہیں نبھائے۔ اور سفر ہجرت میں بے وفائی کا مظاہرہ کیا۔ تو میں اس ہر ایک شخص کو منہ مانگا انعام دوں گا۔

مذکورہ واقعہ میں خاص کردہ الفاظ کہ جن میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا۔ "میرے ماں باپ، میرا ساز و سامان اور میری تمام ملکیت حضور پر قربان،" یہ ایسے صدق و خلوص کے آئینہ دار ہیں۔ کہ انہیں پڑھ سُن کر ہر ذی عقل و ہوش بے ساختہ کہہ اٹھتا ہے۔ کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل و عیال کو دوران ہجرت جو خدمات سرانجام دینا نصیب ہوئیں۔ وہ انہی کا حق تھا۔ ؎

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ!

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

جیش تبوک کے لیے عثمان غنی کی فقید المثال مالی امداد اور زبان رسالت سے جنت کی بشارت

حوالہ نمبر ۲ :-

ناسخ التواریخ :-

چوں پیغمبر لختے تحریض جہاد سخن کرد۔ در مردم مدینہ جنبش بادید گشت۔ لاجرم عثمان بن عفان کہ ایں وقت دویست شتر و دویست اوقیہ سیم از بہر تجارت بشام بساز کردہ بود تمامت بحضرت رسول آورد و برائے تجہیز لشکر پیش خدمت داشت پیغمبر فرمود۔ لَا یَضُرُّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ ھٰذَا و بروایتے سی صد شتر با ساز و برگ و ہزار مثقال زر سرخ حاضر کرد و پیغمبر فرمود۔ اَللّٰھُمَّ ارْضَ عَنْ عُثْمَانَ فَاِنِّیْ عَنْہُ رَاضٍ و نیز گفتہ اند از سی ہزار تن لشکر کہ سفر تبوک کردہ بود دو بہرہ را عثمان تجہیز کرد۔ و علماء عامہ از بہر او چنیں حدیث کنند کہ پیغمبر فرمود مَنْ جَھَّزَ جَیْشَ الْعُسْرَۃِ فَلَہُ الْجَنَّۃُ فَجَھَّزَھَا عُثْمَانُ ۔

عمر بن خطاب گوید کہ من با خود اندیشیدم کہ امروز برابوبکر سبقت گرم ویک نیمہ مال خود را بحضرت رسول بردم تا کار لشکر بسازد فرمود یا ابن الخطاب! از بہر اہل خود چہ ذخیرہ نہادہ ای؟ عرض کردم ہم بدیں مقدار برائے اہل خویش گذاشتہ ام۔ ایں ہنگام ابوبکر برسید و اندوختہ خویش را بتمامت پیش داشت۔ پیغمبر فرمود۔ از برائے اہل خود چہ

نہادہ ای؟ عرض کرد۔ اِدَّخَرْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلَهٗ یعنی خدا و رسول را از بہر ایشان ذخیرہ نہادم۔ عمر گفت۔ اے ابوبکر! ہیچگاہ بر تو پیشی نتوانستم گرفت۔

(ناسخ التواریخ جلد ۳ ص ۱۸۴ از زندگانی رسول صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:۔ غزوۂ تبوک کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سامان جنگ اور دیگر ضروریات کی فراہمی کے لیے لوگوں کو جوش دلایا۔ جس کی وجہ سے شہر مدینہ میں اس پر عمل درآمد کے لیے خوب جوش و خروش پیدا ہوا۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس اس وقت بائیس اونٹ اور بائیس اوقیہ سونا چاندی تھی۔ جو انہوں نے شام کی طرف تجارت کی غرض سے تیار کر رکھا تھا۔ یہ تمام سامان انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لا حاضر کر دیا۔ تاکہ لشکرِ اسلام کی تیاری میں صرف ہو سکے۔ اس امداد کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کے بارے میں فرمایا۔ اس کے بعد عثمان جو بھی عمل کرے گا۔ اسے کچھ نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ (یعنی یہ اس عمل کی بنا پر جنتی ہو گئے۔ چاہے اب کچھ کرتے پھریں)

ایک اور روایت کے مطابق حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تین سو اونٹ بمعہ ساز و سامان کے لدے ہوئے اور ایک ہزار مثقال سونا حضور کی خدمت میں پیش کیا۔ اس پر آپ نے دعا مانگی۔

"اے اللہ میں عثمان سے راضی ہوں۔ تو بھی راضی ہو جا"

یہ بھی لکھا گیا ہے۔ کہ تیس ہزار کے اسلامی لشکر کہ جس نے غزوۂ تبوک میں شرکت کی اس میں دو حصوں (یعنی بیس ہزار سپاہیوں) کی خوراک و

ضروریات کی ذمہ داری حضرت عثمان نے اٹھالی۔ اور علمائے کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ الفاظ بھی ذکر کیے ”جس نے جیش العسرۃ (یعنی غزوہ تبوک) کے لیے سامان جنگ اور ضروریات میں مسلمانوں کی مدد کی۔ اس کے لیے جنت واجب ہے۔ اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ سب کچھ کیا“

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں غزوۂ تبوک کے وقت اپنے طور پر یہ سوچ رہا تھا۔ کہ میں مالی طور پر مدد دیتے میں آج ابوبکر سے بڑھ جاؤں۔ تو اس خیال کے مطابق میں نے اپنا آدھا مال و متاع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر کیا۔ تاکہ آپ لشکر پر صرف فرمائیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھ سے دریافت فرمایا۔ اے ابن خطاب! اپنے گھر والوں کے لیے کیا کچھ چھوڑ آئے ہو؟ عرض کیا۔ حضور جتنا حاضر خدمت کر دیا اتنا ہی گھر میں چھوڑ آیا ہوں۔ اسی دوران حضرت ابوبکر صدیق بھی آگئے۔ اور اپنی تمام پونجی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈھیر کر دی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت کیا۔ اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے؟ عرض کی۔ ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کا عظیم الشان ذخیرہ چھوڑ کر آیا ہوں۔ یہ سن کر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بولے۔ اے ابوبکر! کسی میدان میں بھی میں تجھ سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

مذکورہ حوالہ سے یہ امور ثابت ہوئے۔

۱۔ جنگ تبوک کے موقعہ پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی مالی معاونت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا۔ کہ حضرت عثمان کے اس عمل کے بعد وہ جو بھی عمل کریں۔ وہ انہیں نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ یعنی ان کا حساب نہ ہو گا۔ اور نہ ہی جنت میں جانے سے رکاوٹ بنے گا۔

۲۔ ان کی مالی امداد کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے یہ دعا مانگی۔ "اے اللہ! میں عثمان سے راضی ہوں۔ تو بھی راضی ہو جا"۔

۳۔ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام اثاثہ کا نصف حصہ لا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش خدمت کر دیا۔ جس سے ان کی غایت عقیدت و محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور اسلام سے وابستگی کا پتہ چلتا ہے۔

۴۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وہ عظیم المرتبت شخصیت ہیں۔ کہ اپنے تمام گھر بار کے اثاثہ کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے پر حاضر خدمت کر دیا۔ عشقِ صادق اور محبت کاملہ کا یہی تقاضا ہوتا ہے۔ کہ آدمی اپنے محبوب کو راضی کرنے کے لیے سب کچھ قربان کر دینے کو تیار ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے خیالات و عقیدت کا اظہار یوں کیا۔ اے ابوبکر۔ آج مجھے یقین کامل ہو گیا۔ کہ عشق و محبت کے میدان میں کسی صورت میں بھی میں تمہیں اپنے پیچھے نہیں چھوڑ سکتا۔ یہ تمہارا ہی حصہ ہے کہ اس میدان میں تم فرد بے مثل ہو۔ تمہارا مقابلہ غیر متوقع ہے۔

﷽

خلاصۂ کلام:۔

درج بالا امور کا خلاصہ کچھ یوں کہا جا سکتا ہے۔ کہ حضرات خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم نے بارگاہِ رسالت میں ایسی عظیم مالی قربانیاں دیں۔ جس کی مثال دیگر صحابہ کرام سے نہیں مل سکتی۔ انہی عظیم خدمات کے صلہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حق میں اپنی خوشنودی کا اظہار فرما کر اللہ سے دعاءِ خوشنودی مانگی۔ اور اس قربانی کی مقبولیت اور عظمت کے پیشِ نظر آپ نے یہاں تک فرما دیا۔ کہ عثمان کا آئندہ کا کوئی عمل ان کے حاصل شدہ مراتب میں کمی کا سبب نہ بن سکے گا۔ تو جس شخصیت کے اعمال کا حساب و کتاب بقول مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ بھی از روئے فضل و کرم نہیں لے گا۔ ان کے اعمال کی باز پرس ایک گھسا پٹا ذکر کرنا شروع کر دے تو بجز اس کے ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ کہ ایسے بدبخت نے خود اپنا ہی نامہ اعمال سیاہ کیا ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اجر و ثواب اور ان سے خوشنودیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں فرق نہیں آ سکتا۔

اس کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قربانیاں اتنی عظیم تھیں۔ کہ فاروق اعظم بھی ان کی ہمسری نہ کر سکے۔ صدیق اکبر کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عقیدت و محبت کا اس واقعہ میں کتنا عظیم ثبوت ہے۔ کہ عرض کرتے ہیں۔ حضور گھر کا سامانِ زیست اور مال و زر تو سب کا سب حاضر خدمت کر دیا۔ لیکن پھر بھی خسارے اور نقصان میں نہیں ہوں۔ کیونکہ کائنات کا والی اور خلاق دوجہاں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اور پروردگار عالم میرے گھر موجود ہیں۔ مجھے تو ان سے عقیدت و محبت ہے مجھے تو ان کی معیت و صحبت چاہیئے۔ مال و دولت آپ پر کیا بلکہ آپ کے ادنیٰ تعلق دار پر بھی قربان ہے۔ پھر بھی اگر کوئی ازلی بدبخت ان کے بارے میں

یہ کہنا پھر سے۔ کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دختر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ خا
جنت کا "باغ فدک" ان سے چھین لیا تھا۔ تو اس کا یہ کہنا کہاں تک درست ہو
سے ہے؟ حالانکہ اہل تشیع کی معتبر کتاب "ناسخ التواریخ تاریخ الخلفا جلد اول صہ ۱۵
اور حق الیقین صہ ۱۲۷" پر مذکور ہے۔

"ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے کہا
پیغمبر آخر الزمان کی لخت جگر! میرا تمام ساز و سامان تم پر قربان۔ تمہیں اس میں ہر
تصرف کرنے کا اختیار ہے۔ میں تو حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم
مخالفت سے ڈرتا ہوں۔ وہ حکم یہ ہے۔ کہ ہم گروہ انبیاء دنیوی وراثت نہیں چھو
ادھر آپ کا عمل یہ تھا۔ کہ باغ فدک کو آپ نے اپنا ذاتی مال نہیں بنایا تھا۔ تاکہ ا
وراثت جاری ہو سکے"

یہی وجہ ہے۔ کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے باغ فدک کی آمدنی اہل بیت
فقراء اور مساکین کے لیے وقف کر دی تھی۔ اگر وہ قبضہ کرنا چاہتے۔ تو اس کی آمدنی ک
اپنے تصرف میں لاتے۔ جب آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حقیقت
سے آگاہ کیا۔ تو سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا نے اس باغ کی حصول سے دست بر
فرمالی۔ اور رضا مند ہو گئیں۔

حوالہ نمبر ۳:۔

مجمع البیان:۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ جَالِسًا مَّعَ حَفْصَةَ فَتَشَاجَرَا
بَيْنَهُمَا فَقَالَ لَهَا هَلْ لَكِ اَنْ اَجْعَلَ بَيْنِيْ

وَبَيْنَكِ رَجُلًا قَالَتْ نَعَمْ فَأَرْسَلَ إِلَى عُمَرَ فَلَمَّا أَنْ دَخَلَ عَلَيْهِمَا قَالَ لَهَا تَكَلَّمِي فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ تَكَلَّمْ وَلَا تَقُلْ إِلَّا حَقًّا فَرَفَعَ عُمَرُ يَدَهُ فَوَجَأَ وَجْهَهَا ثُمَّ رَفَعَ يَدَهُ فَوَجَأَ وَجْهَهَا فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ كُفَّ فَقَالَ عُمَرُ يَا عَدُوَّةَ اللهِ النَّبِيُّ لَا يَقُولُ إِلَّا حَقًّا وَالَّذِي بَعَثَهُ بِالْحَقِّ لَوْلَا مَجْلِسُهُ مَا رَفَعْتُ يَدِي حَتَّى تَمُوتِي۔

(۱) تفسیر مجمع البیان جلد ۴ جزء ۸ ص ۳۵۲ مطبوعہ تہران طبع جدید)

(۲) ناسخ التواریخ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلد ۳ ص ۱۷۲ وقائع سال نہم ہجرت مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی زوجہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے درمیان کچھ اختلاف سا رونما ہو گیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا اگر میں کسی مرد کو اپنے اور تمہارے درمیان ثالث مقرر کر دوں۔ تمہیں منظور ہو گا۔ کہا۔ ہاں یا رسول اللہ! آپ نے کسی کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا تاکہ انہیں بلا لائے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب حفصہ سے فرمایا

کہو کیا بات ہوئی؟ حضرت حفصہ کہنے لگیں حضور! آپ فرمائیں۔ لیکن سچ سچ بیان فرمانا۔ (یہ جملہ سن کر) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زور سے حفصہ کے چہرے پر ہاتھ مارا۔ کہ انہیں اس سے بہت درد ہوا۔ پھر دوسرا طمانچہ مارا۔ اس کے ساتھ ہی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو رُک جانے کا حکم دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حفصہ سے کہا۔ اے دشمنِ خدا! اللہ کا پیغمبر کبھی بھی حق کے سوا گفتگو نہیں کرتا۔ خدا کی قسم کہ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ اگر یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محفلِ پاک نہ ہوتی (اور آپ جلوہ فرما نہ ہوتے) تو میں تجھے اتنا مارتا۔ کہ تو ختم ہو جاتی۔

لمحۂ فکریہ:۔

آپ غور فرمائیں۔ کہ جو شخص اپنی اولاد کو ادبِ رسول سکھلانے کی خاطر اس قدر سزا دینے کا اعلان کرتا ہو۔ کہ جان سے مار دوں گا۔ ایسے شخص کی عقیدت اور محبت پر کون حرف زنی کر سکتا ہے؟ اور ایسا شخص اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بدخواہ اور دشمن کیونکر ہو سکتا ہے؟ لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نزدیک اپنی اولاد اپنے مال و دولت اور اپنی جان کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے مقابلہ کوئی اہمیت نہ تھی۔ پھر بھی اگر کوئی بدبخت ایسی شخصیت کے بارے تبرّا بازی کرے۔ تو اس سے بڑھ کر دشمنِ خدا اور دشمنِ رسول کون ہو گا۔ اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرما دے۔

☆☆
☆

حوالہ نمبر (۴):-

مناقب ابن شہر آشوب:-

الطالقانی عن الولید بن مسلم عن حنظل: ت ابی سفیان عن شہر بن حوشب قَالَ لَمَّا دَوَّنَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ الدَّوَاوِيْنَ بَدَأَ بِالْحَسَنِ وَبِالْحُسَيْنِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ فَمَلَأَ حُجْرَهُمَا مِنَ الْمَالِ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ تُقَدِّمُهُمَا عَلَيَّ وَلِيَ صُحْبَةٌ وَهِجْرَةٌ دُوْنَهُمَا فَقَالَ عُمَرُ اسْكُتْ لَا أُمَّ لَكَ أَبُوْهُمَا خَيْرٌ مِنْ أَبِيْكَ وَأُمُّهُمَا خَيْرٌ مِنْ أُمِّكَ

(مناقب آل ابی طالب جلد ۳ صـ۱۷ فی انہ خیر الخلق بعد النبی۔ مطبوعہ قم طبع جدید)

ترجمہ:- (بحذف اسناد) ابن حوشب نے کہا۔ جب حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجاہدین کے ناموں کے رجسٹر تیار کیے۔ تو ان میں سرفہرست حضرات حسنین کریمین کے نام لکھے۔ پھر انہیں اس قدر وافر مال عطا فرمایا کہ ان کے گھر بھر گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے (عبداللہ) نے ابا جان سے کہا۔ آپ نے مجھ پر ان دونوں صاحبزادوں کو فوقیت دے دی۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور ہجرت دونوں میں میں ان سے آگے ہوں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سے فرمایا۔ تیری ماں نہ رہے چپ ہو جا۔ تیرا باپ ان کے باپ سے

بہتر نہیں۔ اور ان کی والدہ تمہاری والدہ سے کہیں بہتر ہے۔

لمحۂ فکریہ:۔

آپ حضرات نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے خیالات وارشادات ملاحظہ فرمائے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور اہل بیت سے انہیں کس قدر عقیدت و محبت تھی۔ اپنی حقیقی اولاد کو بھی ان کی دل جوئی کی خاطر جھڑک دیتے ہیں۔ خاص کر حضرت خاتونِ جنت کے متعلق ان کے الفاظ عقیدت و مؤدت کے انتہائی آئینہ دار ہیں۔ کہ انہیں خود اپنی بیوی (یعنی عبد اللہ کی والدہ) سے کہیں بہتر قرار دے رہے ہیں۔ ادھر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی عقیدتِ اہل بیت کا یہ عالم اور ادھر کچھ نام نہاد محبانِ اہل بیت یہ کہتے پھوں۔ اور اپنی کتابوں کو اپنے نامۂ اعمال کی طرح سیاہ کرتے پھریں۔ کہ ہر نماز کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر لعنت بھیجنا ضروری ہے (معاذ اللہ) ان بدزبانوں کو کم از کم یہ تو خیال کرنا چاہیئے تھا۔ کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے قلب وجگر میں اہل بیت رسول صلے اللہ علیہ وسلم سے کتنی گہری عقیدت تھی۔ یہ کس قدر ان پر جان نثار تھے۔ آئیے! امام حسین رضی اللہ عنہ سے ہی پوچھیں۔ کہ اے فرزند رسول! حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ کے کیا تاثرات و خیالات ہیں۔ کیا تم انہیں اپنا دشمن سمجھتے ہو یا بہی خواہ اور محبت کرنے والا ایک عظیم انسان؟

ناسخ التواریخ:۔

ہائے اے ابو عبد الرحمٰن تو از نصرتِ من دست باز دار و مرا بحال خویش باز گزار الا آنکہ بدعائے خیر مرا یاد میکن بداں خدائے کہ جد مرا برسالت فرستادہ اگر پدرت عمر بن الخطاب دریں روزگار مرا دریافتی سرازیاریٔ

من برنتافتی وچنانکہ پیش مصطفٰی پیش من دراستادی ومرانصرت دادی۔

(ناسخ التواریخ جلد ۲ ص ۲۵ سخنان ابن عباس

وعبداللہ با حسین علیہ السلام مطبوعہ کتابخانہ اسلامیہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:۔ افسوس! اے ابو عبدالرحمن (عبداللہ بن عمر)! تو میری مدد سے ہاتھ اٹھا لے۔ اور مجھے اپنے حال پر رہنے دے۔ ہاں میرے حق میں دعائے خیر کرتے رہنا۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے میرے نانا حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا۔ اگر تمہارے والد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ان دنوں مجھے پاتے (یعنی وہ زندہ ہوتے اور میرے ساتھ ہوتے) تو میری مدد سے کبھی بھی انکار نہ کرتے۔ اور اسی طرح کہ جس طرح وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوتے۔ آج میرے سامنے ویسے ہی کھڑے ہوتے۔ اور میری ہر ممکن مدد کرتے۔

لمحہ فکریہ:۔

اوپر ذکر شدہ واقعہ سے خود حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی زبانی (اور کتب شیعہ کے حوالہ سے) یہ معلوم ہوا۔ کہ جناب امام موصوف، سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو کس قدر جان نثار مصطفٰی (صلی اللہ علیہ وسلم) سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ان کی جان نثاری انہیں آج اڑے وقت میں یاد آ رہی تھی۔ اور مارے افسوس کے یہ فرما رہے تھے۔ اے کاش! آج اگر فاروق اعظم زندہ ہوتے۔ تو ان کا کردار وہی ہوتا جو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ہوا کرتا تھا۔ یعنی وہ مجھ پر جان و مال کی بازی لگا دیتے۔ لیکن میرا کسی قسم کی تکلیف سے دوچار ہونا گوارا نہ کرتے۔

حوالہ نمبر (۵):۔

منتخب التواریخ:۔

روایت نمودہ اند کہ عمر بن خطاب بجہتہ اسامہ بن زید پنج ہزار دینار از بیت المال مقرر کردہ و از برائے پسر خود عبداللہ دو ہزار دینار۔ عبداللہ گفت اسامہ را بر من ترجیح دادی و حال آنکہ من از غزوات حضرت پیغمبر (ص) دیدہ ام آنچہ را کہ او ندیدہ عمر گفت بجہت آنکہ پیغمبر (ص) او را از پدر تو بیشتر دوست میداشت۔

(۱) منتخب التواریخ ص ۹۶ فصل ہفتم در ذکر خدمت گزاران صدیقہ طاہرہ مطبوعہ تہران طبع جدید)
(۲) ناسخ التواریخ جلد ۳ ص ۲۷۷ مطبوعہ تہران طبع جدید۔)

ترجمہ:۔ روایت ہے۔ کہ سیدنا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے لیے پانچ ہزار دینار مقرر فرمائے۔ اور اپنے حقیقی بیٹے حضرت عبداللہ کے لیے صرف دو ہزار دینار مقرر فرمائے۔ حضرت عبداللہ نے عرض کی۔ ابا جان! آپ نے اسامہ بن زید کو مجھ پر ترجیح دے دی۔ حالانکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں بھی شریک رہا۔ اور جو کچھ میں نے دیکھا۔ اسامہ کو وہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ یہ سن کر حضرت عمر نے فرمایا۔ رسول خدا اسامہ کو تیرے باپ سے زیادہ دوست رکھتے تھے۔

لمحہ فکریہ :-

مذکورہ واقعہ اس امر کی بین دلیل ہے۔ کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دل میں کس قدر عظمت مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم تھی۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کو اپنا محبوب بنایا۔ اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے حقیقی بیٹے سے بھی زیادہ اہمیت دی۔ اسی اہمیت اور ترجیح کا ثمرہ ہے۔ کہ آپ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو جو محبوبِ مصطفیٰ تھے۔ پانچ ہزار دینار عطا کیئے۔ اور ان کے مقابلہ میں اپنے بیٹے کو صرف دو ہزار دینار دیئے۔ اور ساتھ ہی وضاحت بھی فرما دی۔ کہ اس اہمیت اور ترجیح کی وجہ کوئی مخصوص بہادری یا دیگر اہم امر نہیں۔ بلکہ وہ میرے نزدیک اس وجہ سے اہم ہیں کہ ان سے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم محبت کرتے تھے۔ اور میرا یہ عقیدہ ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس شخص اور چیز سے محبت فرمائیں۔ وہ میرے نزدیک ہر دوسری چیز سے اہم اور راجح ہے۔ تم اگرچہ میرے حقیقی فرزند ہو۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب کا مقابلہ نہیں ہے۔ اندازہ فرمائیں۔ کہ جس شخصیت کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پسندیدہ ہونے کا شرف حاصل ہو۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اُسے خود اپنے آپ سے بھی بہتر سمجھتے ہیں۔ اس بہتری کی بنیاد صاف ظاہر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چاہت اور پسندیدگی ہے۔ تو ایسے آدمی کے نزدیک خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور وارفتگی کو کون بیان کر سکتا ہے؟ لہٰذا اس واقعہ کے ضمن میں یہ بات بالکل ظاہر و باہر ہوئی۔ کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو یہ شرف حاصل رہا۔ کہ انہوں نے حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے ادنےٰ ارشاد پر اپنا مال و متاع اور جان تک قربان کرنے سے دریغ نہ کیا۔

☆

ناسخ التواریخ :۔ ابوبکر نے اپنے کافر بیٹے پر تلوار اٹھالی :۔

بالجملہ دراں گیرودار عبدالرحمٰن بن ابی بکر بمیدان آمدہ مبارز خواست ابوبکر آہنگ جنگ او کرد و تیغ براو کشید پیغمبر فرمود "شِمْ سَیْفَکَ وَ ارْجِعْ اِلٰی مَکَانِکَ وَمَتِّعْنَا بِنَفْسِکَ"

(ناسخ التواریخ جلد اول ص۳۲۷ وقائع سال سوم مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ :۔ مختصر یہ کہ اس پکڑ دھکڑ کے دوران (جو جنگ احد میں ہوئی۔) عبدالرحمٰن بن ابی بکر (جو ابھی مشرف باسلام نہ ہوئے تھے) میدان میں نکلا۔ اور مدمقابل طلب کیا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (جو عبدالرحمٰن مذکور کے والد حقیقی ہیں) نے اس سے جنگ لڑنے کا ارادہ فرمایا۔ اور تلوار نیام سے باہر نکال لی۔ یہ دیکھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا اے ابوبکر! اپنی تلوار نیام میں ڈال لو۔ اور اپنی جگہ واپس ہو جاؤ۔ اور ہمیں اپنی ذات و شخصیت سے نفع پہنچاؤ۔

لمحہ فکریہ :۔

اہل تشیع کی معتبر تاریخی کتاب نے اس واقعہ کے ذکر کے ضمن میں یہ بات بالکل واضح کر دی۔ کہ اسلام اور بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و عقیدت کی بنا پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے حقیقی بیٹے کو بھی کوئی اہمیت نہ دی۔ بلکہ عشق و محبت مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار صدیق اکبر نے اُسے (حقیقی بیٹے کو) قتل کرنے

کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اگر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم انہیں منع نہ فرماتے۔ تو اس قتل سے انہیں کوئی روک نہ سکتا تھا۔ اسی عشق صادق اور محبت کاملہ کے صلہ میں حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت صدیق کے بارے میں ارشاد ہے "اگر میں کسی کو خلیل بناتا۔ تو صدیق اکبر کو بناتا۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

ناسخ التواریخ:۔ فرمان نبی ابوبکر نے مجھے زیادہ جانی مالی امن دیا:۔

نیز فرمود کہ خداوند مخیر کردہ است بندہ را میان دنیا و آخرت و آنچہ نزد او بود یعنی از ثواب و نعیم و لقائش را اختیار کرد آں بندہ از آنچہ نزد خدا بود۔ ابوبکر بگریست عوام از گریہ۔ او در عجب شدند ہماناابوبکر فہم کرد کہ آں بندہ مخیر پیغمبر است۔ رسول خدا ے فرمود۔

اِنَّ مِنْ آمَنِّ النَّاسِ عَلَیَّ فِیْ صُحْبَتِہٖ وَمَالِہٖ اَبَا بَکْرِ بْنِ اَبِیْ قُحَافَۃَ وَلَوِ اتَّخَذْتُ خَلِیْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَا بَکْرٍ خَلِیْلًا۔

(ناسخ التواریخ حالات زندگی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جلد ۴ ص ۱۲۱ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:۔ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اس بات کا اختیار دیا ہے۔ کہ دنیا و آخرت میں سے کسی ایک کو پسند کرے اور جو کچھ اللہ کے ہاں ثواب و نعمتیں اور اس کی ملاقات کا حصول ہے۔ تو اس بندہ نے ان میں سے وہ پسند کیا۔ جو اللہ تعالیٰ کے ہاں تھا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رو پڑے۔ لوگ یہ دیکھ کر تعجب میں پڑ گئے لیکن یہ حقیقت تھی۔ کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس امر کی تہہ تک پہنچ

گئے تھے۔ کہ اس بندہ سے کون مراد ہے۔ جسے اختیار دیا جا رہا ہے۔
حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ بے شک جس نے مجھ پر ایمان لانے اور مالی قربانیاں کرنے میں سب سے سبقت کی۔ وہ ابوبکر بن ابوقحافہ ہیں۔ اگر میں کسی کو خلیل بناتا۔ تو وہ یقیناً ابوبکر ہوتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت ایک مثالی محبت تھی۔ اسی عشقِ صادق کی بنا پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک صحابی کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا۔ جب کہ اس نے دریافت کیا۔ کہ یارسول اللہ آپ کے نزدیک محبوب ترین انسان کون ہے؟ فرمایا۔ صدیق اکبر۔ پھر سائل نے پوچھا۔ عورتوں میں سے۔ فرمایا۔ عائشہ۔

(تاریخ روضۃ الصفاء جلد دوم ص ۲۸۰
ذکر احوال خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم
مطبوعہ نولکشور)

یہ چند واقعات وہ ہیں۔ جن میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فضائل معلوم ہوئے۔ چلتے چلتے ایک آدھ واقعہ اور سن لیجئے۔ جس سے معلوم ہو گا۔ کہ اللہ رب العزت نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے قلبِ باکمال میں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی کس قدر عظمت ودیعت فرمائی تھی۔

ناسخ التواریخ :-

اذا آنحضرت حدیث کند کہ فرمود۔
مَا بَیْنَ قَبْرِیْ وَمِنْبَرِیْ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ وَمِنْبَرِیْ عَلٰی حَوْضِیْ
در رسول خدائے چوں بر منبر نشست پائے مبارک را بر پایہ سیم می نہاد و ابوبکر

در پایہ سیم می نشست و پائے در دوم می نشست و عمر در دوم می نشست و پائے را بر زمین می نہاد۔

(ناسخ التواریخ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم جلد نمبر سوم ص ۱۵۴ وقائع سال ہشتم ہجرت۔ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے۔ کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ میری قبر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور میرا منبر میرے حوض پر ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر شریف پر تشریف فرما ہوتے۔ تو آپ کے پاؤں مبارک تیسری سیڑھی پر رکھے ہوتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تیسری سیڑھی پر بیٹھتے اور پاؤں دوسری سیڑھی پر رکھتے۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دوسری سیڑھی پر بیٹھتے۔ اور ان کے پاؤں زمین پر ہوتے۔

اس واقعہ سے حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ادب و احترام کس قدر نمایاں نظر آ رہا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس سیڑھی پر تشریف فرما ہوتے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی عقیدت اور محبت نے یہ گوارا نہ کیا۔ کہ اسی سیڑھی پر بیٹھیں۔ بلکہ ایک سیڑھی نیچے ہو کر بیٹھتے تھے۔ یہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے کی جگہ ہونے کی وجہ سے تھا۔ ایک چیز کہ جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم موجودگی میں صدیق اکبر اس پر بیٹھنے کی جسارت بوجہ احترام نہیں کرتے۔ اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ جن حضرات کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبی ہو گا۔ (یعنی آپ کی اہل بیت) اُن سے عقیدت و محبت کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اس محبت و عقیدت کو دیکھتے ہوئے کب یہ ممکن کہ ان سے کوئی ایسی بات سرزد ہو۔ جس سے

اہل بیت کرام کا دل دکھے۔ اور اسی طرح جناب صدیق سے یہ کیونکر ممکن کہ آپ اہل بیت کرام کے حقوق کے تحفظ کی بجائے غصب کریں۔

اس سے معلوم ہوا۔ کہ جس شخص کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کی اتنی وقعت ہے۔ اس سے ایسے واقعات منسوب کرنا کہ جن سے اہل بیت کے ساتھ ناراضگی اور ان کے حقوق کا غصب معلوم ہوتا ہے۔ سراسر بے بنیاد اور باطل ہیں۔

"ناسخ التواریخ" سے ذکر شدہ اس حوالہ سے ایک اور بات بھی ثابت ہوتی ہے۔ آپ کا یہ ارشاد گرامی ہے۔

"کہ میری قبر اور میرے منبر کے درمیان جگہ جنت کا ایک ٹکڑا ہے" اس ارشادِ گرامی سے قبر اور منبر شریف کے درمیان واقعہ ٹکڑہ ارضی کی فضیلت ذکر ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس کی جگہ تو اس ٹکڑے سے کہیں بہتر ہوئی۔ وہ تو جنت کے اعلیٰ مقامات میں سے ایک بلند ترین مقام ہوگا۔ بلکہ دنیا و ما فیہا کی ہر شئی سے افضل و اعلیٰ ہے۔ اہل تشیع کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کی قبر انور "ریاض الجنۃ" میں ہے۔ اس لیے جو شخص ان کی قبر انور (ریاض الجنۃ) میں بیٹھ گیا۔ وہ جنت میں بیٹھ گیا۔ اور جنتی ٹھہرا۔ سیدہ خاتونِ جنت کی قبر کے نزدیک بیٹھنے والا جنتی ہوگیا۔ ہم مانتے ہیں۔ لیکن ذرا ان خوش بخت حضرات کی خوش بختی کا اندازہ لگائیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے وہ مقام و جگہ عطا فرمائی۔ جس پر لاکھوں جنتیں بھی قربان۔ تو کیا وہ وہاں آرام فرمانے کی وجہ سے جنتی نہیں ہو سکتے۔ ہاں یقیناً وہ جنتی ہیں۔ کیونکہ وہ اس شخصیت کے پہلو میں آرام فرمائیں۔ جو کوثر کی قاسم اور مالک ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

باب سوم

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان کے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبی تعلقات

اس باب میں چھ فصلیں ہوں گی فصل اوّل میں حدیثِ رسول کی روشنی میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعارف۔ فصل ثانی میں خاندانِ امیر معاویہ کے بنی ہاشم کے ساتھ نسبی تعلقات فصل سوم میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اہلِ بیت سے عقیدت اور محبت اور فصل چہارم میں شانِ معاویہ در نگاہِ علی مرتضےٰ فصل پنجم میں امام حسن و امیر معاویہ کی جنگ کی حقیقت اور فصل ششم میں حسنین کی دستِ معاویہ پر بیعت کا بیان ہوگا۔

فصل اوّل

تعارف و شانِ امیر معاویہ از کتب اہلِ سنّت و اہلِ تشیع

سیّدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یوم فتح مکہ کو مشرف باسلام ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر اٹھارہ برس تھی۔ بایں وجہ آپ صحابیٔ رسول کے وصف سے مزین ہوگئے۔ شرف صحابیت کے ساتھ "کاتب وحی" ہونا بھی ان کا اعزاز ہے۔

روایت اوّل :-

دعاءِ رسول اے اللہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہادی اور مہدی بنا

تاریخ بغداد :-

قَالَ سَعِيْدٌ وَكَانَ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ فِيْ مُعَاوِيَةَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا وَّاهْدِ بِهٖ ۔

(تاریخ بغداد جلد اوّل ص۲۰۸ مطبوعہ مدینہ منورہ)

ترجمہ : حضرت سعید رضی اللہ عنہ جو صحابی رسول تھے سے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بایں الفاظ دعا مانگی ۔ اے اللہ امیر معاویہ کو ہادی بنا ۔ اور لوگوں کو اس کے ذریعہ ہدایت فرما۔

روایت دوم :-

سَبِّ معاویہ پر لعنت خدا و ملائکہ :-

تاریخ بغداد :-

اَخْبَرَنَا ابْنُ رِزْقٍ قَالَ نَا اَبُو الْحُسَيْنِ اَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ ابْنِ يَحْيَى الْاٰدَمِيِّ الْبَزَّازِ قَالَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ اَحْمَدَ بْنِ اَبِي الْعَوَامِ قَالَ نَا رَبَاحُ بْنُ الْجَرَّاحِ الْمَوْصِلِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَجُلًا يَسْئَلُ الْمُعَانِي بْنَ عِمْرَانَ فَقَالَ يَا اَبَا مَسْعُوْدٍ اَيْنَ عُمَرُ

بن عبد العزیز من معاویة بن ابی سفیان؟ فغضب من ذلک غضبا شدیدا وقال لا یقاس باصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم احد، معاویة صاحبه وصهره وکاتبه وامینه علی وحی الله عزوجل وقد قال رسول الله صلی الله علیه وسلم دعوا لی اصحابی واصهاری فمن سبهم فعلیه لعنة الله والملائکة والناس اجمعین۔

(تاریخ بغداد جلد اول ص ۲۰۹ مطبوعہ مدینہ منورہ)

ترجمہ: رباح بن جراح موصلی کہتے ہیں۔ میں نے ایک آدمی کو "معافی بن عمران" سے سوال کرتے سنا۔ اس نے پوچھا۔ اے ابومسعود! عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں کیسے ہیں؟ یہ سن کر "ابن عمران" انتہائی غضب ناک ہو گئے۔ اور فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے ساتھ کسی غیر صحابی کا مقابلہ مت کرو۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی، سالے اور اللہ کی وحی کے کاتب اور امین تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے۔ کہ میرے سسرال مجھ پر رہنے دو۔ (یعنی میں تم سے بہتر انہیں سمجھتا ہوں۔ ان پر کوئی الزام نہ دھرو) جس نے ان میں سے کسی کو بھی گالی دی۔ اس پر اللہ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت۔

روایت سوم

البدایة والنہایة:۔

وقال ابو القاسم الطبرانی حدثنا احمد بن محمد بن الصیدلانی ثنا السری عن عاصم ثنا عبد الله بن یحیی

بْنِ اَبِیْ کَثِیْرٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ ھِشَامِ بْنِ عُرْوَۃَ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ لَمَّا کَانَ یَوْمُ اُمِّ حَبِیْبَۃَ مِنَ النَّبِیِّ (ص) دَقَّ الْبَابَ دَاقٌّ فَقَالَ النَّبِیُّ (ص) اُنْظُرُوْا مَنْ ھٰذَا؟ قَالُوْا مُعَاوِیَۃُ قَالَ ائْذَنُوْا لَہٗ فَدَخَلَ وَعَلٰی اُذُنِہٖ قَلَمٌ یَخُطُّ بِہٖ فَقَالَ مَا ھٰذَا الْقَلَمُ عَلٰی اُذُنِکَ یَا مُعَاوِیَۃُ؟ قَالَ قَلَمٌ اَعْدَدْتُہٗ لِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِہٖ فَقَالَ لَہٗ جَزَاکَ اللّٰہُ عَنْ نَبِیِّکَ خَیْرًا وَاللّٰہِ مَا اسْتَکْتَبْتُکَ اِلَّا بِوَحْیٍ مِّنَ اللّٰہِ وَمَا اَفْعَلُ مِنْ صَغِیْرَۃٍ وَّلَا کَبِیْرَۃٍ اِلَّا بِوَحْیٍ مِّنَ اللّٰہِ کَیْفَ بِکَ لَوْ قَمَّصَکَ اللّٰہُ قَمِیْصًا یَعْنِی الْخِلَافَۃَ فَقَامَتْ اُمُّ حَبِیْبَۃَ فَجَلَسَتْ بَیْنَ یَدَیْہِ وَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَاِنَّ اللّٰہَ مُقَمِّصُہٗ قَمِیْصًا قَالَ نَعَمْ وَلٰکِنْ فِیْہِ ھَنَاتٌ وَّھَنَاتٌ فَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَادْعُ اللّٰہَ لَہٗ فَقَالَ اَللّٰھُمَّ اَھْدِہٖ بِالْھُدٰی وَجَنِّبْہُ الرَّدٰی وَاغْفِرْ لَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ وَالْاُوْلٰی۔

(البدایۃ والنھایۃ جلد ہشتم ص ۱۲۰ مطبوعہ بیروت وریاض)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس دن ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے گھر تھے۔ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دیکھو کون ہے؟ کہا معاویہ ہیں۔ فرمایا اندر آنے دو۔ تو حضرت معاویہ کانوں میں قلم رکھے ہوئے اندر آئے۔ جس سے لکھتے تھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا۔ اے معاویہ! تیرے کان پر رکھا قلم کس مقصد کے لیے ہے؟ عرض کی۔ یہ قلم میں نے اللہ اور اس کے

رسول کے لیے تیار کیا ہے۔ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تیرے نبی کی طرف سے تجھے بہتر جزا عطا کرے۔ خدا کی قسم! میں نے تجھے لکھنا صرف اس لیے سکھایا۔ تاکہ تو اللہ کی وحی لکھے۔ میں چھوٹا موٹا ہر کام اللہ کی وحی سے ہی کرتا ہوں اگر اللہ تمہیں خلافت کی قمیص پہنائے۔ تو اس کے متعلق تیرا کیا خیال ہے "ام حبیبہ" کھڑی ہوئیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جا بیٹھیں۔ اور کہنے لگیں۔ یا رسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ معاویہ کو قمیص پہنائے گا (یعنی خلیفہ بنائے گا۔) فرمایا۔ ہاں۔ لیکن اس میں تکالیف ہیں۔ ام حبیبہ نے عرض کی۔ حضور! پھر ان کے لیے دعا فرمائیں۔ آپ نے دعا کی۔ اے اللہ! معاویہ کو ہدایت عطا فرما۔ اور بد خلقی سے بچا۔ اور دنیا و آخرت میں اس کی مغفرت فرما۔

روایت چہارم:۔

البدایہ والنہایہ:۔

وَقَدْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ مَكِّنْ لَّهٗ فِي الْبِلَادِ وَقِهِ الْعَذَابَ.

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۱)

ترجمہ:

عمرو بن عاص کہتے ہیں۔ میں نے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم امیر معاویہ کے لیے یوں دعا فرما رہے تھے "اے اللہ! اسے "الکتاب" سکھا۔ اور شہروں پر تسلط عطا کر۔ اور عذاب جہنم سے اسے بچا۔

ان چار روایات سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے

۱۔ کوئی آدمی (انبیاء کے علاوہ) کتنا صاحب مرتبہ ہو۔ وہ مقام صحابی اور مرتبہ صحابیت تک نہیں پہنچ سکتا۔

۲۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہونے کے علاوہ آپ کے سسرال بھی ہیں۔

۳۔ آپ نے اپنے صحابہ اور سسرال کو گالی دینے والے اور برا بھلا کہنے والے پر لعنت کی۔ اس پر اللہ اس کے تمام فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت۔

۴۔ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی یا آپ کے سسرال پر لعنت کی۔ اس پر اللہ اس کے تمام فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت۔

۵۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو وحی کی کتابت کا فریضہ اللہ کے حکم سے عطا فرمایا تھا۔

۶۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دور میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت عطاء ہونے کی بشارت دی تھی۔ گویا آپ نے نور الٰہی سے ان کی خلافت دیکھ لی تھی۔

۷۔ آپ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دعا کرتے ہوئے فرمایا۔ اللہ تجھے ہدایت دے۔ ہر ردی چیز سے بچائے۔ اور دنیا و آخرت میں معاف کر دے۔

۸۔ شہروں پر تسلط ملنے اور عذاب سے محفوظ رکھنے کی بھی اللہ سے دعا مانگی۔

روایت پنجم:۔

تفسیر دُرِّ منثور:۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَعِنْدَهٗ اَبُوْ بَكْرٍ وَّعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَمُعَاوِيَةُ اِذْ اَقْبَلَ عَلِيٌّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمُعَاوِيَةَ اَتُحِبُّ عَلِيًّا قَالَ نَعَمْ قَالَ اِنَّهَا سَتَكُوْنُ بَيْنَكُمْ هَنِيَّةٌ قَالَ فَمَا بَعْدَ ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ عَفْوُ اللّٰهِ وَرِضْوَانُهٗ قَالَ رَضِيْنَا بِقَضَآءِ اللّٰهِ وَرِضْوَانِهٖ فَعِنْدَ ذٰلِكَ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ۔

(۱) تفسیر درمنثور جلد اوّل صفحہ ۳۲۲ مطبوعہ بیروت طبع جدید

(۲) مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح جلد ہفتم صفحہ ۲۲۸ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ پاک میں حاضر تھا حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہم بھی حاضرِ خدمت تھے۔ اسی اثنا میں علی المرتضےٰ بھی حاضر بارگاہ ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا

کہ کیا تم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے ہو؟ عرض کیا ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ نے فرمایا عنقریب تمہارے درمیان لڑائی ہو گی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم اس کے بعد کیا ہو گا۔؟ آپ نے فرمایا اللہ کی معافی اور رضا (تمہارے شاملِ حال ہو جائے گی۔) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ہم اللہ کی قضا (تقدیر) اور رضا پر راضی ہیں اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا الآیہ۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ آپس میں لڑائی نہ کرتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

خلاصہ کلام:۔

جس آدمی کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے مذکورہ آٹھ امور ثابت ہوں۔ اس کے محبوب رسول خدا ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے؟ پھر اس کا دوزخ سے کیا تعلق؟ معصوم ہونا تو انبیاء کرام کے ساتھ مختص ہے۔ امیر معاویہ اگرچہ مقام عصمت نہیں رکھتے لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔ بتقاضائے بشری بالفرض اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کچھ غلطیاں وقوع پذیر ہوئیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخر دعا بھی تو اثر رکھتی ہے۔ جب آپ نے ان کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔ جو یقیناً قبول ہوئی۔ تو پھر ایسے مغفور و مرحوم، جلیل القدر صحابی، کاتب وحی رضی اللہ عنہ کے متعلق زبان طعن دراز کرنا خود اپنی آخرت برباد کرنا ہے۔ سورج کی طرف تھوکنے سے اپنا منہ گندا ہوتا ہے۔

(سیرت امیر معاویہ کی ایک جھلک کتب شیعہ سے)

جو کچھ پچھلی روایات میں مذکور ہوا۔ وہ تو آپ پڑھ چکے۔ لیکن حوالہ جات ہماری کتب سے تھے۔ آیئے ان شیعہ لوگوں کی کتب سے مذکورہ اوصاف معاویہ کی تصدیق ملاحظہ فرمایئے۔

(اوصاف معاویہؓ) دنیا سے بے غرضی خوف خدا عدل و انصاف مخلوق خدا کی دادرسی

مروج الذہب وناسخ التواریخ:۔

مِنْ اَخْلَاقِ مُعَاوِيَةَ وَعَادَاتِهٖ = كَانَ اَخْلَاقُ مُعَاوِيَةَ

اَنَّهٗ كَانَ يَاْذِنُ فِي الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ خَمْسَ مَرَّاتٍ كَانَ اِذَا صَلَّى
الْفَجْرَ جَلَسَ لِلْقَاصِّ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْ قَصَصِهٖ ثُمَّ يَدْخُلُ
بُيُوْتَهٗ بِمُصْحَفِهٖ فَيَقْرَأُ اَجْزَاءً ثُمَّ يَدْخُلُ اِلٰى مَنْزِلِهٖ
فَيَاْمُرُ وَيَنْهٰى ثُمَّ يُصَلِّي اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ ثُمَّ يَخْرُجُ اِلٰى مَجْلِسِهٖ
فَيَاْذِنُ الْخَاصَّةَ الْخَاصَّةَ فَيُحَدِّثُهُمْ وَيُحَدِّثُوْنَهٗ وَ
يَدْخُلُ عَلَيْهِ وُزَرَاءُهٗ فَيُكَلِّمُوْنَهٗ فِيْمَا يُرِيْدُوْنَ مِنْ
يَوْمِهِمْ اِلَى الْعَشِيِّ ثُمَّ يُؤْتٰى بِالْغَدَاءِ الْاَصْغَرِ وَهُوَ
فَضْلَةُ عَشَائِهٖ مِنْ جَدْيٍ بَارِدٍ اَوْ فَرْخٍ اَوْ مَا يُشْبِهُهٗ
ثُمَّ يَتَحَدَّثُ طَوِيْلًا ثُمَّ يَدْخُلُ مَنْزِلَهٗ لَمَّا اَرَادَ ثُمَّ
يَخْرُجُ فَيَقُوْلُ يَا غُلَامُ اَخْرِجِ الْكُرْسِيَّ فَيَخْرُجُ اِلَى الْمَسْجِدِ
فَيُوْضَعُ فَيُسْنِدُ ظَهْرَهٗ اِلَى الْمَقْصُوْرَةِ وَ يَجْلِسُ عَلَى
الْكُرْسِيِّ وَيَقُوْمُ الْاَحْرَاسُ فَيَتَقَدَّمُ اِلَيْهِ الضَّعِيْفُ وَ
وَ الْاَعْرَابِيُّ وَ الصَّبِيُّ وَ الْمَرْاَةُ وَمَنْ لَا اَحَدَ لَهٗ فَيَقُوْلُ اَعِزُّوْهُ
وَيَقُوْلُ عُدِيَ عَلَيَّ فَيَقُوْلُ ابْعَثُوْا مَعَهٗ وَيَقُوْلُ صُنِعَ بِيْ فَيَقُوْلُ
اُنْظُرُوْا فِيْ اَمْرِهٖ حَتّٰى اِذَا لَمْ يَبْقَ اَحَدٌ دَخَلَ فَجَلَسَ عَلَى
السَّرِيْرِ ثُمَّ يَقُوْلُ ائْذَنُوْا لِلنَّاسِ عَلٰى قَدْرِ مَنَازِلِهِمْ
وَلَا يَشْغَلُنِيْ اَحَدٌ عَنْ رَدِّ السَّلَامِ فَيُقَالُ كَيْفَ اَصْبَحَ
اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَطَالَ اللّٰهُ بَقَاءَهٗ فَيَقُوْلُ بِنِعْمَةٍ مِنَ
اللّٰهِ فَاِذَا اسْتَوَوْا جُلُوْسًا قَالَ يَا هٰؤُلَاءِ اِنَّمَا سُمِّيْتُمْ
اَشْرَافًا لِاَنَّكُمْ شَرُفْتُمْ مِّنْ دُوْنِكُمْ بِهٰذَا الْمَجْلِسِ اِرْفَعُوْا اِلَيْنَا
حَوَائِجَ مَنْ لَا يَصِلُ اِلَيْنَا فَيَقُوْمُ الرَّجُلُ فَيَقُوْلُ اسْتُشْهِدَ

فُلَانٌ فَيَقُولُ افْرِضُوا لِوَلَدِهٖ وَيَقُولُ اٰخَرُ غَابَ فُلَانٌ عَنْ اَهْلِهٖ
فَيَقُولُ تَعَاهَدُوهُمْ اَعْطُوهُمْ اِقْضُوا حَوَائِجَهُمْ اَخْدِمُوهُمْ
ثُمَّ يُؤْتٰى بِالْغَدَاءِ وَيَحْضُرُ الْكَاتِبُ فَيَقُومُ عِنْدَ رَاْسِهٖ وَ
يَقْدِمُ الرَّجُلُ فَيَقُولُ لَهٗ اِجْلِسْ عَلَى الْمَائِدَةِ فَيَجْلِسُ
يَمُدُّ يَدَهٗ فَيَاْكُلُ لُقْمَتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا وَالْكَاتِبُ يَقْرَأُ كِتَابَهٗ
فَيَاْمُرُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ فَيُقَالُ يَا عَبْدَ اللّٰهِ اِعْقَبْ فَيَقُومُ وَيَتَقَدَّمُ
اٰخَرُ حَتّٰى يَاْتِيَ عَلٰى اَصْحَابِ الْحَوَائِجِ كُلِّهِمْ وَرُبَّمَا قَدِمَ
عَلَيْهِ مِنْ اَصْحَابِ الْحَوَائِجِ اَرْبَعُوْنَ اَوْ نَحْوُهُمْ عَلٰى قَدْرِ
الْغَدَاءِ وَيُقَالُ لِلنَّاسِ اَجِيْزُوْا فَيَنْصَرِفُوْنَ فَيَدْخُلُ مَنْزِلَهٗ
فَلَا يَطْمَعُ فِيْهِ طَامِعٌ حَتّٰى يُنَادٰى بِالظُّهْرِ فَيَخْرُجُ فَيُصَلِّيْ
ثُمَّ يَدْخُلُ فَيُصَلِّيْ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ ثُمَّ يَجْلِسُ فَيَاْذَنُ الْخَاصَّةَ
الْخَاصَّةَ فَاِذَا كَانَ الْوَقْتُ وَقْتَ شِتَاءٍ اَتَاهُمْ بِزَادِ الْحَاجِّ
مِنَ الْاَخْبِصَةِ الْيَابِسَةِ وَالْخُشْكَنَانِجِ وَالْاَقْرَاصِ
الْمَعْجُوْنَةِ بِاللَّبَنِ وَالسُّكَّرِ وَدَقِيْقِ السَّمِيْدِ وَالْكَعْكِ
الْمُسَمَّنِ وَالْفَوَاكِهِ الْيَابِسَةِ وَالنُّجُوْجِ وَاِنْ كَانَ وَقْتَ
صَيْفٍ اَتَاهُمْ بِالْفَوَاكِهِ الرَّطْبَةِ وَيَدْخُلُ اِلَيْهِ وُزَرَاءُهٗ
فَيُؤَامِرُوْنَهٗ فِيْمَا احْتَاجُوْا اِلَيْهِ بَقِيَّةَ يَوْمِهِمْ وَيَجْلِسُ
اِلَى الْعَصْرِ ثُمَّ يَخْرُجُ فَيُصَلِّي الْعَصْرَ ثُمَّ يَدْخُلُ اِلٰى مَنْزِلِهٖ
فَلَا يَطْمَعُ فِيْهِ طَامِعٌ حَتّٰى اِذَا كَانَ فِيْ اٰخِرِ اَوْقَاتِ الْعَصْرِ
خَرَجَ فَجَلَسَ عَلٰى سَرِيْرِهٖ وَيُؤْذَنُ لِلنَّاسِ عَلٰى مَنَازِلِهِمْ
فَيُؤْتٰى بِالْعَشَاءِ فَيَفْرُغُ مِنْهُ مِقْدَارَ مَا يُنَادٰى بِالْمَغْرِبِ

فَيَخْرُجُ فَيُصَلِّيْهَا ثُمَّ يُصَلِّي بَعْدَهَا أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ يَقْرَأُ
فِي كُلِّ رَكْعَةٍ خَمْسِيْنَ آيَةً يَجْهَرُ تَارَةً وَيُخَافِتُ أُخْرٰى ثُمَّ
يَدْخُلُ مَنْزِلَهُ فَلَا يَطْمَعُ فِيْهِ طَامِعٌ حَتّٰى يُنَادِي بِالْعِشَاءِ
الْآخِرَةِ فَيَخْرُجُ فَيُصَلِّي ثُمَّ يُؤْذَنُ لِلْخَاصَّةِ وَخَاصَّةِ
الْخَاصَّةِ وَالْوُزَرَاءِ وَالْحَاشِيَةِ فَيُؤَامِرُهُ الْوُزَرَاءُ
فِيْمَا أَرَادُوْا صَدْرًا مِّنْ لَيْلَتِهِمْ وَيَسْتَمِرُّ إِلٰى ثُلُثِ
اللَّيْلِ فِي أَخْبَارِ الْعَرَبِ وَأَيَّامِهَا وَالْعَجَمِ وَمُلُوْكِهَا
وَسِيَاسَتِهَا لِرَعِيَّتِهَا وَسِيَرِ مُلُوْكِ الْأُمَمِ وَحُرُوْبِهَا
وَمَكَائِدِهَا وَغَيْرِ ذٰلِكَ مِنْ أَخْبَارِ الْأُمَمِ السَّابِقَةِ
ثُمَّ تَأْتِيْهِ الطُّرَفُ الْغَرِيْبَةُ مِنْ عِنْدِ نِسَائِهِ مِنَ الْحَلْوٰى
وَغَيْرِهَا مِنَ الْمَآكِلِ اللَّطِيْفَةِ ثُمَّ يَدْخُلُ فَيَنَامُ ثُلُثَ
اللَّيْلِ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَقْعُدُ فَيُحْضِرُ الدَّفَاتِرَ فِيْهَا سِيَرُ
الْمُلُوْكِ وَأَخْبَارُهَا وَالْحُرُوْبُ وَالْمَكَائِدُ فَيَقْرَأُ
ذٰلِكَ عَلَيْهِ غِلْمَانٌ لَهُ مُرَتَّبُوْنَ وَقَدْ وُكِّلُوْا
بِحِفْظِهَا وَقِرَاءَتِهَا فَتَمُرُّ بِسَمْعِهِ كُلَّ لَيْلَةٍ
جُمَلٌ مِّنَ الْأَخْبَارِ وَالسِّيَرِ وَالْآثَارِ وَ
أَنْوَاعِ السِّيَاسَاتِ ثُمَّ يَخْرُجُ فَيُصَلِّي
الصُّبْحَ ثُمَّ يَعُوْدُ فَيَفْعَلُ مَا وَصَفْنَا فِي
كُلِّ يَوْمٍ ۔

(۱) مروج الذہب ص ۲۹ جلد ۳ من اخلاق معاویۃ
(۲) ناسخ التواریخ زندگانی حسن مجتبیٰ ص ۱۰)

ترجمہ: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اخلاق و عادات۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا حسن سلوک ایسا تھا۔ کہ آپ چوبیس گھنٹوں میں پانچ مرتبہ اذن ملاقات دیتے۔ نمازِ صبح ادا کرنے کے بعد قصہ گو سے قصہ جات سنتے جب وہ مکمل کر لیتا۔ تو گھر سے منگوا کر قرآن پاک کے کچھ حصہ کی تلاوت فرماتے۔ پھر گھر تشریف لے جاتے۔ اور امر و نہی کرتے۔ پھر چار رکعت (اشراق، چاشت) نفل ادا کر کے مجلس خانہ میں تشریف لاتے۔ آپ کے خاص خاص آدمی آ کر کچھ سنتے سناتے۔ آپ کے وزراء بھی اس دن کے شام تک کے پروگرام پر گفتگو کرتے۔ اس کے بعد رات کے کھانے سے کچھ بچی ہوئی اشیاء ہلکا پھلکا ناشتہ کرنے کے لیے لائی جاتیں۔ جس میں بکری یا کسی پرندے یا کسی ایسے حلال جانور کا گوشت ہوتا جس کی طبیعت سرد ہوتی۔ پھر تا دیر گفتگو جاری رہتی پھر جب دل چاہا۔ گھر تشریف لے گئے۔ پھر واپس آ کر غلام کو کرسی لانے کا کہتے۔ مسجد میں گھر کی طرف پشت کر کے کرسی پر بیٹھ جاتے آس پاس محافظوں کی نگرانی میں آپ کے پاس ضعیف، دیہاتی بچے، عورتیں اور بے سہارا لوگ حاضر ہوتے کوئی کہتا مجھ پر ظلم ہوا۔ آپ فرماتے اس کی مدد کرو۔ کوئی اپنے اوپر زیادتی کی شکایت کرتا۔ تو اس کے ساتھ آدمی بھیجنے کا حکم دیتے۔ دھوکہ دہی ہوتی۔ تو اس پر غور کرنے کا فرماتے۔ جب سائل کوئی نہ رہتا۔ تو آپ اپنی نشست گاہ پر بیٹھ جاتے۔ لوگوں کو ان کی حیثیت کے مطابق بلایا جاتا۔ آپ فرماتے تم میں سے کوئی بھی مجھے کسی سلام دینے والے کا جواب دینے میں رو کاوٹ نہ بنے۔ لوگ دریافت کرتے۔ امیر المومنین نے صبح

کیسی کی؟ اللہ ان کی عمر دراز فرمائے۔ جواباً فرماتے۔ اللہ کی نعمتوں میں صبح کی۔ جب سب مطمئن ہو کر بیٹھ جاتے۔ تو فرماتے۔ تم اس مجلس میں آنے کی وجہ سے بوجہ ممتاز ہونے کے ذی شرف ہو۔ جو ہم تک نہ پہنچ سکیں۔ ان کی حاجات کا پہنچانا تمہارا کام ہے۔ ایک شخص کھڑے ہو کر کہتا۔ فلاں شہید ہو گیا۔ آپ اس کی اولاد کا وظیفہ مقرر فرما دیتے۔ دوسرا کہتا۔ فلاں آدمی گھر سے غائب ہو گیا۔ آپ اس کے گھر والوں کی امداد و حفاظت کا کہتے۔ حاجات کی برآری اور خدمت کا حکم دیتے۔ پھر کھانا لایا جاتا۔ کاتب آپ کے سر کی طرف کھڑا ہوتا۔ ایک آدمی کو لایا جاتا۔ اُسے فرماتے۔ کھانا بھی کھاؤ اور اپنی حاجت بھی بیان کرو۔ دو تین لقمے کھانے تک کاتب اس کے بارے میں آپ کا حکم لکھ لیتا۔ پھر اُسے پیچھے کر کے دوسرے کو بُلایا جاتا۔ اسی طرح ایک ایک کرکے لوگ آتے رہتے اپنی حاجات بیان کرتے بعض دفعہ ان اکادکا آنے والوں کی تعداد چالیس تک ہو جاتی۔ کھانا اٹھا لیا جاتا۔ لوگوں سے اجازت لے کر آپ اپنے گھر واپس آ جاتے۔ حتیٰ کہ کوئی سائل باقی نہ رہتا۔ ظہر کی اذان ہوتی آپ گھر سے نکل کر نماز ادا فرما کر باقی چار رکعت گھر پہ ادا فرماتے۔ پھر "مجلس قضاء" برپا ہوتی۔ خاص الخاص لوگوں کو طلب کر لیا جاتا۔ موسم سرما میں حاج کے کھانے یعنی خشک مٹھائیاں، جشکنانج، دودھ شکر میں بھگوئی ہوئی روٹی، میدے اور گھی سے بنے کیک اور دیگر خشک پھل لائے جاتے۔ موسم گرما میں تر میوے اور پھل لائے جاتے اس دوران وزراء آتے۔ اور باقی ماندہ دن کے بارے میں احکامات وصول کرتے۔ عصر تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔ نماز عصر پڑھ کر آپ گھر

تشریف لے جاتے۔ اس وقت تک کوئی حاجت مند باقی نہ رہتا۔ عصر کے آخری وقت پھر گھر سے نکلتے نشست گاہ پر جلوہ فروز ہوتے۔ حسب حیثیت لوگوں کو بلایا جاتا۔ شام کا کھانا حاضر کیا جاتا۔ اذانِ مغرب تک مجلس قائم رہتی لیکن اس نشست میں حاجت مندوں کو نہ بلایا جاتا۔ کھانے کے بعد اذان مغرب ہوتی۔ اور نماز کے بعد چار رکعت نفل (اوابین) ادا کرتے۔ ان چار رکعتوں میں سے ہر ایک کے اندر تقریباً پچاس آیات تلاوت فرماتے۔ قرأت کبھی بلند اور کبھی آہستہ فرماتے۔ پھر گھر تشریف لے جاتے۔ اب کوئی انتظار کرنے والا باقی نہ رہتا۔ اذانِ عشاء ہوتی۔ نماز پڑھنے سے فراغت کے بعد خاص اور خاص الخاص لوگوں۔ وزراء اور درباریوں کو بلایا جاتا۔ یہ لوگ رات کی تہائی حصہ تک آپ سے احکامات لیتے۔ رات کے تیسرے پہر عرب وعجم کے بادشاہوں، ان کی ملکی سیاست، پہلے بادشاہوں کے احوال، ان کی جنگیں، ان کا رعایا سے سلوک اور دیگر داستانیں سنی جاتیں۔ پھر گھر کے مغربی طرف زنان خانے سے ہلکی اور میٹھی غذا لائی جاتی۔ اس کے بعد آپ گھر تشریف لے جاتے۔ ایک تہائی رات آرام فرماتے۔ پھر اٹھ بیٹھتے۔ دفاتر لائے جاتے۔ جن میں بادشاہوں کے حالات، سیرت، جنگی تدابیر کو چند کارندے پڑھ کر سناتے۔ یہی لوگ ان دفاتر کی حفاظت اور پڑھائی کے ذمہ دار تھے۔ یونہی ہر روز بادشاہوں کی سیرت، حالات زمانہ، ان کی جنگی تدابیر اور داخلی پالیسیوں کا کچھ حصہ آپ کو سنایا جاتا۔ پھر اٹھ کر نماز فجر ادا فرماتے۔ اسی طرح آپ کی روزمرہ زندگی کا معمول تھا۔

خلاصہ کلام :-

جس شخص کے چوبیس گھنٹوں میں سے صرف چار گھنٹے اپنی ذات کے لیے اور بیس گھنٹے مخلوق خدا کی دادرسی، نماز و تلاوت قرآن میں صرف ہوتے ہوں۔ امور مملکت سرانجام دینے میں بسر ہوتے ہوں۔ لازم ہے کہ وہ شخص حقیقت میں خوف خدا سے سرشار اور علمِ قرآن سے بہت زیادہ واقف ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔ "انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء" حقیقت میں علماء کو ہی خشیت الٰہی حاصل ہوتی ہے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان اوصاف سے کیوں کر متصف نہ ہوں۔ جب کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ "اللّٰھم علمہ الکتاب" گویا رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی قبولیت ہمیں امیر معاویہ کے دور خلافت کے شب و روز بسر کرنے میں نظر آتی ہے۔ اور ان کا قرآن و سنت کے مطابق عدل و انصاف اس کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔

یہی وجہ ہے۔ کہ جب ایک مرتبہ کسی نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے شکایت کے رنگ میں امیر معاویہ کے بارے میں کہا۔ کہ وہ وتر کی ایک رکعت پڑھتے ہیں۔ تو عبداللہ ابن عباس نے فرمایا۔ "دعہ فانہ فقیہ" چھوڑ دو وہ قرآن و حدیث کی سوجھ بوجھ رکھنے والے ہیں۔ تو جس شخصیت کو امت کا بہت بڑا مجتہد "فقیہ" کہے۔ اس کی فقاہت کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ گویا ان کی فقاہت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا اثر تھی۔

ہم شیعہ حضرات سے انصاف کے نام پر اپیل کرتے ہیں۔ کہ جس مرد کامل کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "علم کتاب" کی دعا مانگی۔ دنیا و آخرت کی "دو معافی" طلب کی۔ "کاتب وحی" ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ جلیل القدر صحابی نے "فقیہ"

کا لقب عطا فرمایا۔ خود تمہارے مورخ نے اس کے چوبیس گھنٹے گزرنے کی جو تصویر کھینچی۔ ایسی شخصیت کے بارے میں لعن طعن کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ ان عبارات کو غور سے اور بار بار پڑھو۔ اور عمل کرنے کی کوشش کرو۔ شائد دل کے حجاب اٹھ جائیں۔ اور قبر و حشر کا معاملہ درست ہو جائے۔ اور اللہ اس کے رسول اور تمام مومنین کی لعنت سے چھٹکارا حاصل ہو جائے۔ وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔

فصل دوم

امیر معاویہ اور ان کے خاندان کے نبی علیہ السلام اور بنی ہاشم سے نسبی تعلقات

رشتہ اوّل

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تیسرے دادا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا ملتے ہیں۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔

تاریخ بغداد و تاریخ یعقوبی:۔

وَمُعَاوِيَةُ بْنُ اَبِىْ سُفْيَانَ صَخْرِ ابْنِ اُمَيَّةَ بْنِ عَبْدِ شَمْسٍ ابْنِ عَبْدِ مُنَافِ بْنِ قُصَىِّ بْنِ كِلَابٍ يُكَنّٰى اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَاُمُّهٗ هِنْدُ بِنْتُ عُتْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ بْنِ عَبْدِ شَمْسٍ۔ اَسْلَمَ وَهُوَ

ابْنُ ثَمَانَ عَشْرَةَ سَنَةً. وَكَانَ يَقُولُ اَسْلَمْتُ عَامَ الْقَضِيَّةِ وَلَقِيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعْتُ عِنْدَهُ اِسْلَامِيْ وَاسْتَكْتَبَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

خلاصہ ترجمہ:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے چوتھے دادا "عبد مناف" ہیں۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تیسرے دادا ہیں۔ ابو عبدالرحمٰن" امیر معاویہ کی کنیت تھی۔ ان کی والدہ "ہند بنت عتبہ" تھیں۔ امیر معاویہ اٹھارہ سال کی عمر میں اسلام لائے۔ اور خود کہا کرتے تھے۔ میں "عمرۃ القضاء" کے سال مسلمان ہوا جب اس موقعہ پر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی۔ تو بوقت ملاقات اسلام قبول کر لیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے "کاتب وحی" مقرر فرمایا۔

رشتہ دوم:۔ امیر معاویہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سگے سالے لگتے ہیں

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی ہمشیرہ "ام حبیبہ" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد زوجیت میں تھیں۔ جس کی وجہ سے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا "ام المومنین" ہوئیں۔ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے "سالے" ہوگئے۔

تاریخ الخمیس:۔

"ام حبیبہ" ابو سفیان کی بیٹی "عبداللہ بن جحش" کی بیوی تھیں۔ ۶ھ میں ان کا شوہر فوت ہو گیا۔ اس وقت یہ حبشہ میں تھیں۔ آنحضرت نے نجاشی بادشاہ حبشہ کی معرفت نکاح کا پیغام بھیجا۔ اور ۷ھ

میں یہ مدینہ آکر آنحضرت کی خدمت میں پہنچ گئیں۔ اور سنہ ۴۴ھ میں وفات پائی۔

(تاریخ ائمہ ص ۱۵۰ کتب خانہ شاہ نجف لاہور طبع جدید ذکر ام حبیبہ)

منتخب التواریخ:۔

اَلسَّابِعَةُ رَمْلَةُ الْمُكَنَّاةُ بِاُمِّ حَبِيْبَةَ بِنْتِ اَبِيْ سُفْيَانَ۔ وخواہر معاویہ است۔ وبعضے اسم اورا ہند گفتہ اند واول زوجہ عبداللہ بن جحش بن رباب بود ودر سال ہفتم از ہجرت آں حضرت اورا تزویج فرمود ودر سال چہل وچہارم ہجری در مدینہ از دنیا رحلت فرمود۔

(منتخب التواریخ مصنفہ حاج محمد ہاشم خراسانی ص ۲۲ مطبوعہ تہران)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساتویں بیوی رملہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کی کنیت ام حبیبہ بنت ابوسفیان تھی۔ امیر معاویہ کی ہمشیرہ تھیں بعض کہتے ہیں کہ ان کا نام "ہند" تھا۔ ابتدا میں یہ عبداللہ بن جحش بن رباب کے عقد میں تھیں۔ سنہ ۷ھ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے شادی کی۔ اور سنہ ۴۴ ہجری میں انتقال فرمایا۔

ابن شہر آشوب:۔

وَاُمُّ حَبِيْبَةَ بِنْتُ اَبِيْ سُفْيَانَ وَاسْمُهَا رَمْلَةُ وَكَانَتْ عِنْدَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَحْشٍ فِيْ سَنَةِ سِتٍّ وَبَقِيَتْ اِلٰى اِمَارَةِ

مُعَاوِيَةَ۔

(المناقب ابن شہر آشوب جلد اوّل ص ۱۶۱ مطبوعہ قم ایران)
باب ذکر سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فاقر باسمہ
ونحو ذا مسہ۔)

ترجمہ: ام حبیبہ بنت ابوسفیان جن کا نام "رملہ" ہے سنہ ۶ ہجری تک عبداللہ بن جحش کے عقد میں تھیں۔ اور امیر معاویہ کے دور خلافت تک زندہ رہیں۔

رشتہ سوم: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی کے بیٹے کی بیوی تھی:

ابن ابی حدید:

وَاَرْسَلَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الْحَارِثِ بْنِ نَوْفَلِ بْنِ الْحَرْثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَاُمُّهٗ هِنْدُ بْنُ اَبِيْ سُفْيَانَ بْنِ حَرْبٍ اِلٰى مُعَاوِيَةَ۔

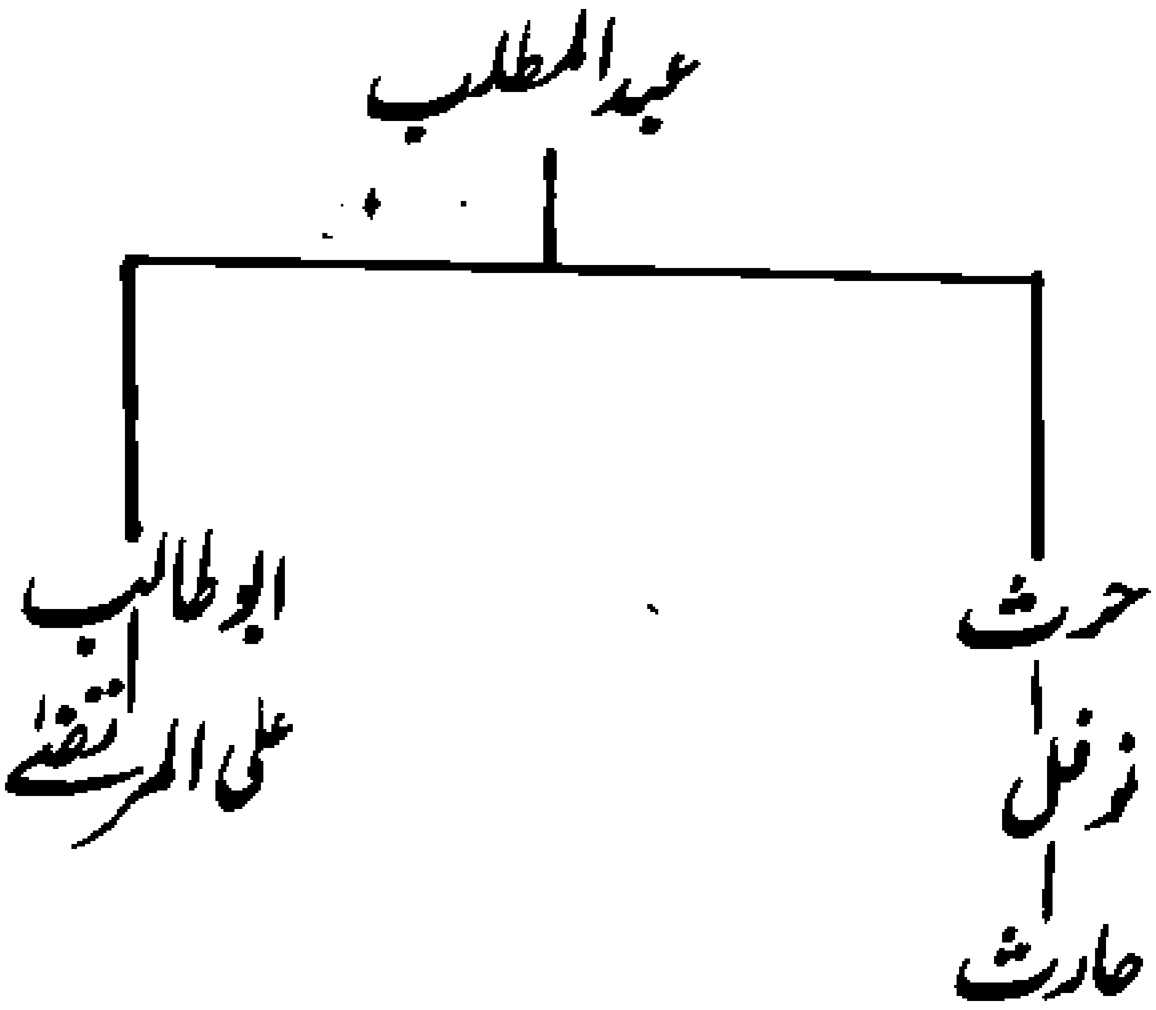
(ابن ابی حدید شرح نہج البلاغۃ جلد ۴ ص ۸ مطبوعہ بیروت
بڑا سائز چار جلدوں میں فی ذکر زوجات حسن)

ترجمہ: امام حسن رضی اللہ عنہ نے "عبداللہ بن حارث بن نوفل"، جن کی والدہ کا نام "ہند بنت ابی سفیان"، تھا کو امیر معاویہ کی طرف بھیجا۔

نوٹ:

اس سے معلوم ہوا کہ "عبداللہ بن حارث"، کو امام حسن رضی اللہ عنہ

نے اپنا معتمد علیہ ہونے کی وجہ سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تاکہ شرائط صلح طے کریں۔



ابن سعد:

هِنْدُ بِنْتُ اَبِیْ سُفْیَانَ بْنِ حَرْبِ بْنِ اُمَیَّةَ وَ اُمُّهَا صَفِیَّةُ بِنْتُ اَبِیْ عَمْرِو بْنِ اُمَیَّةَ بْنِ عَبْدِ شَمْسٍ تَزَوَّجَهَا الْحَارِثُ بْنُ نَوْفَلِ بْنِ الْحَارِثِ فَوَلَدَتْ لَهٗ عَبْدَ اللّٰهِ وَ مُحَمَّدًا الْاَکْبَرَ.

(طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۲۴۰ بیروت)

ترجمہ: "ہند بنت ابی سفیان" جن کی والدہ کا نام صفیہ بنت ابی عمرو تھا۔ "حارث بن نوفل بن حارث" سے ان کی شادی ہوئی۔ اور ان کے ہاں "عبد اللہ، محمد الاکبر" پیدا ہوئے۔

رشتہ چہارم: امیر معاویہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے "ہم زلف" تھے۔

کیونکہ ام المومنین "ام سلمہ" رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ "قریبہ صغریٰ" امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ اگرچہ اولاد ان سے نہیں ہوئی۔

کتاب المحبر:

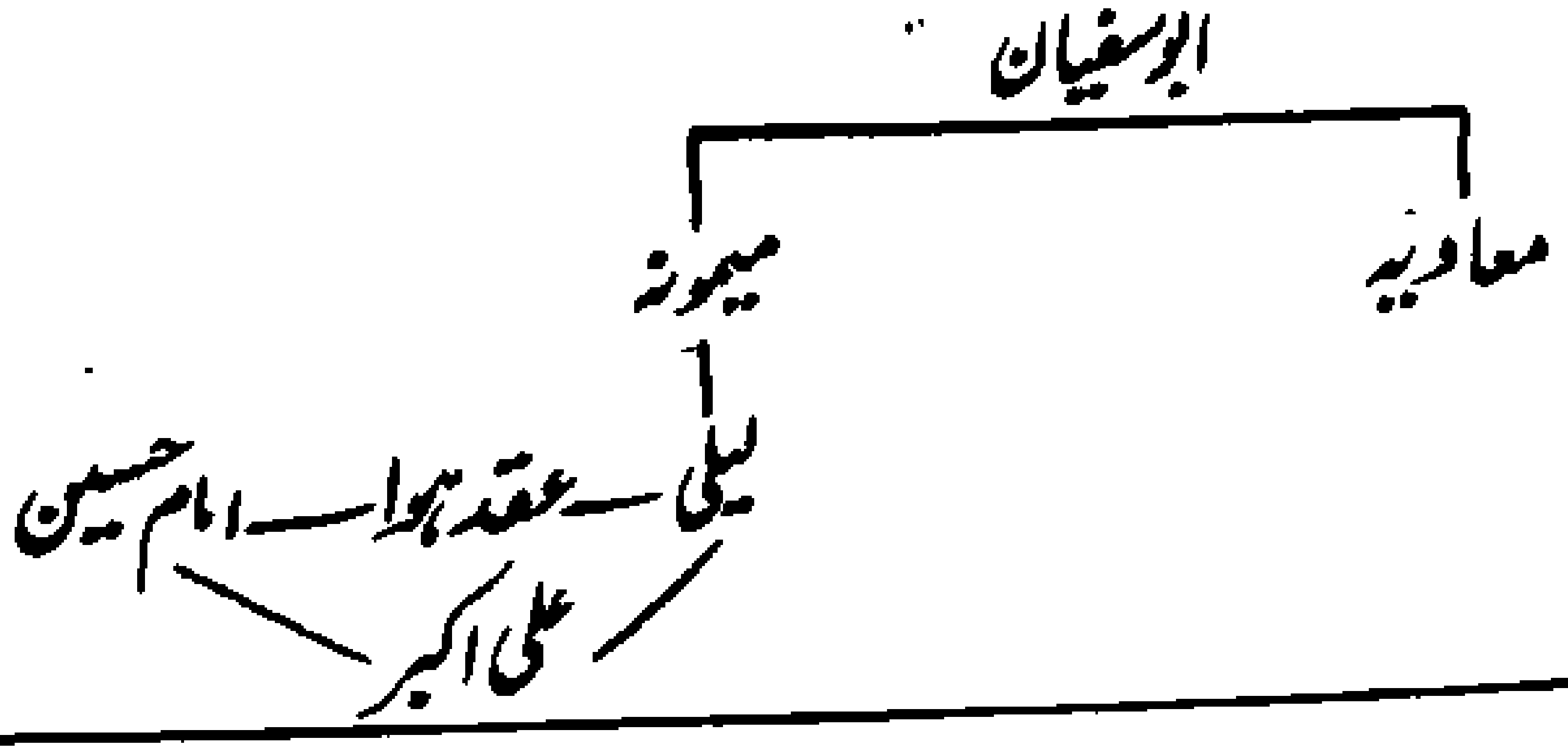
مُعَاوِيَةُ بْنُ اَبِي سُفْيَانَ بْنِ حَرْبِ بْنِ اُمَيَّةَ كَانَتْ عِنْدَهٗ قَرِيْبَةُ الصُّغْرٰى بِنْتُ اُمَيَّةَ بْنِ مُغِيْرَةَ اُخْتُ اُمِّ سَلَمَةَ لِاَبِيْهَا لَمْ تَلِدْ لَهٗ۔

(کتاب المحبر ص۱۰۲ حیدر آباد دکن)

ترجمہ: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عقد میں "قریبۃ الصغریٰ" تھیں۔ جو حضرت "ام سلمہ" رضی اللہ عنہا کی باپ جائی بہن تھیں۔ ان سے ان کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔

رشتہ پنجم: امیر معاویہؓ کی حقیقی بھانجی امام حسین رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں۔

تفصیل یہ ہے۔ کہ "لیلیٰ بنت مرۃ" کی والدہ "میمونہ بنت ابی سفیان" تھیں۔ اور "میمونہ" مذکورہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سگی بہن تھیں۔ اور "علی اکبر بن حسین" کی نانی تھیں۔ اسی طرح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سگی بھانجی شہید کربلا شہزادہ علی اکبر" کی ماں ہوئیں۔



مقاتل الطالبین:۔

وَعَلِیُّ بْنُ الْحُسَیْنِ وَهُوَ عَلِیٌّ الْاَکْبَرُ وَلَا عَقَبَ لَهٗ وَیُکَنّٰی

اَبَا الْحَسَنِ وَاُمُّهٗ لَیْلٰی بِنْتُ مُرَّةَ بْنِ عُرْوَةَ بْنِ مَسْعُوْدِ نِ

الثَّقَفِیِّ وَاُمُّهَا مَیْمُوْنَةُ بِنْتُ اَبِیْ سُفْیَانَ بْنِ حَرْبٍ ۔

(مقاتل الطالبین ص ۸۰ بیروت، تذکرہ امام حسین ذکر علی بن الحسین)

ترجمہ: علی بن حسین جو "علی اکبر" کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی کوئی اولاد نہ تھی۔ ابوالحسن کینت تھی، اور ان کی والدہ لیلہ بنت مرۃ بن عروۃ بن مسعود ثقفی تھی۔ اور لیلیٰ کی والدہ (علی اکبر کی نانی) میمونہ بنت ابوسفیان تھی۔

منتہی الامال:۔

و دیگر از زوجات آنحضرت لیلیٰ بنت ابو مرۃ بن عروۃ بن مسعود ثقفیہ است۔ کہ مادرش میمونہ بنت ابوسفیان بودہ و او والدۂ ماجدہ جناب علی اکبر است۔

(منتہی الامال مصنفہ شیخ عباس قمی جلد اول ص ۵۴۱ مطبوعہ تہران، در بیان زوجات مطہرات حضرت سید الشہداء)

ترجمہ: امام حسین رضی اللہ عنہ کی دوسری ازواج میں سے "لیلیٰ بنت ابومرۃ بن عروہ ثقفیہ" تھیں۔ ان کی والدہ "میمونہ بنت ابوسفیان" ہے۔ اور وہ (لیلیٰ) جناب علی اکبر کی والدہ ہیں۔

منتخب التواریخ:۔

اَلسَّابِعَةُ اُمُّ السَّعِیْدِ بِنْتُ عُرْوَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ ثَقَفِیْ عَمَّةٌ

جَنَابِ لَیْلٰی بِنْتِ اَبِیْ مُرَّۃَ بْنِ عُرْوَۃَ بْنِ مَسْعُوْدِ الثَّقَفِیْ۔

(منتخب التواریخ مصنفہ محمد ہاشم خراسانی ص۱۲۲ در زوجات علی المرتضیٰ، باب سوم فصل چہارم مطبوعہ تہران)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ساتویں بیوی "ام سعید بنت عروۃ ثقفیہ" تھیں۔ یہ "لیلیٰ بنت ابو مرۃ بن عروۃ ثقفی" کی پھوپھی تھیں۔ وہ (لیلیٰ بنت مرۃ) امام عالی مقام جناب حسین رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں۔

خلاصہ:۔

یہ ہے۔ کہ "لیلیٰ بنت ابو مرۃ" حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں۔ اور "ابو سفیان" کی نواسی، اسی طرح یہ امیر معاویہ کی "حقیقی بھانجی" بھی تھیں۔ گویا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اہل بیت سے دو رشتے تھے۔

۱۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بھانجی (لیلیٰ بنت ابو مرۃ) امام حسین کی زوجہ تھیں۔

۲۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی پھوپھی (ام سعید بنت عروۃ) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بیوی تھیں۔

رشتہ ششم: امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھتیجے کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی پوتی سے عقد ہوا۔

کتاب نسب قریش:۔

وَتَزَوَّجَتْ لُبَابَۃُ بِنْتُ عُبَیْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، الْعَبَّاسَ ابْنَ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ ثُمَّ خَلَفَ عَلَیْہَا الْوَلِیْدُ بْنُ

عُتْبَةَ بْنِ اَبِیْ سُفْیَانَ۔

(کتاب نسب قریش ص ۱۳۳)

(حواشی عمدۃ المطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۴۲)

ترجمہ: "لبابہ بنت عبید اللہ بن عباس" نے "عباس بن علی" سے شادی کی۔ اس کے بعد دوسری شادی "لبابہ بنت عبید اللہ" نے "ولید بن عتبہ بن ابوسفیان" سے کی۔

خلاصہ:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھتیجے نے "عباس بن عبد المطلب" کی پوتی سے شادی کی۔

رشتہ ہفتم: امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھتیجے کا حضرت جعفر طیار کی پوتی سے عقد ہوا:

کتاب المحبر:

وَتَزَوَّجَتْ رَمْلَةُ بِنْتُ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرَ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ سُلَيْمَانَ بْنَ هِشَامِ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ ثُمَّ اَبَا الْقَاسِمِ بْنَ وَلِيْدِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ اَبِیْ سُفْيَانَ۔

(کتاب المحبر ص ۴۴۹)

ترجمہ: "رملہ بنت محمد بن جعفر" کی شادی "سلیمان بن ہشام بن عبد الملک" سے ہوئی۔ اس کے بعد ان کی شادی "ابو القاسم بن ولید بن عتبہ" سے ہوئی۔

خلاصہ:۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھتیجے "ابوالقاسم" نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی حقیقی پوتی "رملہ بنت محمد" سے شادی کی۔

رشتہ ہشتم:۔ نفیسہ بنت زید بن حسن ابن علی بن ابی طالب کا عقد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھتیجے سے ہوا۔

عمدۃ المطالب:۔ وَكَانَ لِزَيْدٍ اِبْنَةٌ اِسْمُهَا نَفِيْسَةُ خَرَجَتْ اِلَى الْوَلِيْدِ ابْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مَرْوَانَ فَوَلَدَتْ مِنْهُ وَمَاتَتْ بِمِصْرٍ وَلَهَا هُنَاكَ قَبْرٌ يُزَارُ وَهِيَ الَّتِيْ تُسَمِّيْهَا اَهْلُ مِصْرٍ (اَلسِّتُّ نَفِيْسَه) وَيُعَظِّمُوْنَ شَانَهَا وَيُقْسِمُوْنَ بِهَا وَقَدْ قِيْلَ اِنَّمَا خَرَجَتْ اِلٰى عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مَرْوَانَ وَاِنَّهَا مَاتَتْ حَامِلًا مِنْهُ وَالْاَصَحُّ الْاَوَّلُ وَكَانَ زَيْدٌ يَفِدُ عَلَى الْوَلِيْدِ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ وَيُقْعِدُهٗ عَلٰى سَرِيْرِهٖ وَيُكْرِمُهٗ لِمَكَانِ ابْنَتِهٖ وَوَهَبَ لَهٗ ثَلَاثِيْنَ اَلْفَ دِيْنَارٍ دِفْعَةً وَّاحِدَةً۔

(عمدۃ المطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۷۰، المقصد الاول عقب زید بن الحسن مطبوعہ نجف اشرف طبع جدید)

ترجمہ: زید بن حسن کی ایک صاحبزادی نفیسہ نامی تھیں جن کا نکاح ولید بن عبدالملک بن مروان سے ہوا۔ اُن سے ولید کی اولاد ہوئی۔ اور ان کا انتقال مصر میں ہوا۔ وہیں ان کی قبر ہے جو زیارت گاہ خاص و عام

ہے۔ اور وہ وہی ہیں جن کو اہل مصر الست نفیسہ کا نام دیتے ہیں۔ اور ان کی نہایت تعظیم کرتے ہیں اور ان کی قسمیں کھاتے ہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ ان کا نکاح عبدالملک بن مروان سے ہوا اور انہیں سے وہ حاملہ ہونے کی صورت میں فوت ہوئیں لیکن صحیح روایت پہلی ہی ہے۔ زید بن حسن ولید بن عبدالملک کے پاس آتے۔ انہیں اپنی چارپائی پر بٹھلاتے اور اپنے ... ان کے گھر ہونے کی وجہ سے ان کی تکریم کرتے اور ایک ہی دفعہ میں انہیں تیس ۳۰ ہزار دینار عطا کیے۔

فصل سوم

امام حسین کی عظمت اور تکریم کے لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی یزید کو وصیت

مقتل:۔

بروایت کلینی ابی مخنف شیعی نے اپنے "مقتل" میں لکھا ہے۔ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا۔ تو یزید اس وقت "حمص" میں تھا۔ حضرت معاویہ نے اس کے لیے "وصیت نامہ" لکھا۔ جس میں لکھا تھا "مجھے تیرے بارے میں چار آدمیوں سے خطرہ ہے۔ کہ میرے مرنے کے بعد وہ شاید تیری بیعت نہ کریں۔

۱۔ عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما۔ ان کے بیعت نہ کرنے سے تمہیں نہ کوئی نقصان اور نہ کوئی نفع ہوگا۔

۲۔ عبداللہ بن عمر۔ یہ شخص قرآن میں مگن ہے۔ اور نماز کا رسیا ہے۔ اسے دنیا سے کوئی رغبت نہیں۔ بلکہ وہ آخرت کا متمنی ہے۔ لہٰذا میرے خیال میں امر خلافت میں وہ کوئی تنازع نہیں کرے گا۔

۳۔ عبداللہ بن زبیر۔ یہ چالاک شخص ہے۔ اور تمہارے ساتھ لومڑی کی سی چال چلے گا۔ اور شیر کی طرح حملہ آور ہوگا۔ لہٰذا اگر وہ لڑے۔ تو تم بھی اس سے لڑنا۔ اور اگر تمہیں نہ چھیڑے، تو تم بھی اُسے نہ چھیڑنا۔ اگر کوئی بات کہے۔ تو بطور مشورہ وہ بات قبول کر لینا۔

۴۔ امام حسین بن علی۔ ان کو لوگ ضرور بلائیں گے۔ اور وہ تجھ پر خروج کریں گے۔

"فَاِنْ ظَفَرْتَ بِهٖ فَاحْفَظْ قَرَابَتَهٗ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَاعْلَمْ يَا بُنَيَّ اَنَّ اَبَاهُ خَيْرٌ مِّنْ اَبِيْكَ وَجَدَّهٗ خَيْرٌ مِّنْ جَدِّكَ وَ اُمَّهٗ خَيْرٌ مِّنْ اُمِّكَ۔"

(مقتل ابی مخنف ص۸ مطبوعہ نجف اشرف) در مقدمہ

ترجمہ: اگر تجھے ان پر کامیابی حاصل ہو جائے۔ تو ان کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرابت کا پاس رکھنا۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اس کا باپ تیرے باپ سے اس کا نانا تیرے نانے سے اور اس کی والدہ تیری والدہ سے کہیں بہتر ہیں۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہر سال امام حسین رضی اللہ عنہ کو لاکھوں روپیہ نذرانہ بھیجا کرتے

مقتل:۔

وَكَانَ يَبْعَثُ إِلَيْهِ فِي كُلِّ سَنَةٍ أَلْفَ أَلْفِ دِينَارٍ سِوَى الْهَدَايَا مِنْ كُلِّ صِنْفٍ .

(مقتل ابی مخنف ص ۷ مطبوعہ نجف اشرف)

ترجمہ: امیر معاویہ رضی اللہ عنہ امام حسین رضی اللہ عنہ کو ہر سال ایک لاکھ دینار بھیجا کرتے تھے۔ یہ رقم ان ہدایا کے علاوہ تھی۔ جو امیر معاویہ ہر قسم کی اشیاء میں ہدیہ بھیجا کرتے تھے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نذرانہ سے امام حسن رضی اللہ عنہ قرض بھی ادا کرتے اور گھر کا خرچہ بھی اس سے کرتے:۔

جلاء العیون:۔

قطب راوندی از حضرت صادق علیہ السلام روایت کردہ است کہ روزی حضرت امام حسن علیہ السلام بحضرت حسین و عبد اللہ بن جعفر فرمود۔ کہ جائزہ ہائے معاویہ در روز اول ماہ بشما خواہد رسید۔ چوں روز اول ماہ شد۔ چنانچہ حضرت فرمودہ بود ۔ اموال معاویہ رسید۔ جناب امام حسن علیہ السلام قرض بسیاری داشت۔ از آنچہ

او فرستادہ بود۔ برائے آنحضرت قرضہائے خود را ادا کرد و باقی را میان اہل بیت و شیعیان خود قسمت کرد جناب امام حسین علیہ السلام قرض خود را ادا کرد۔ آنچہ ماند۔ بسہ قسمت کرد۔ یک حصہ را باہلبیت و شیعیان خود داد و دو حصہ را برائے عیال خود فرستاد عبداللہ بن جعفر قرض خود را ادا کرد باقی را برائے خوش آمد معاویہ برسول او داد۔ چوں ایں خبر معاویہ رسید۔ برائے او مال بسیار فرستاد۔

(جلاء العیون جلد اول ص ۲۶۷ مطبوعہ تہران زندگانی امام مجتبیٰ علیہ السلام)

ترجمہ: حضرت امام صادق رضی اللہ عنہ سے قطب راوندی روایت کرتا ہے۔ کہ ایک دن حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے امام حسین اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے فرمایا۔ کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہمارا خرچہ مہینہ کی پہلی تاریخ کو پہنچ جائے گا۔ جب پہلی تاریخ آئی۔ حضرت کے ارشاد کے مطابق خرچہ آگیا۔ امام حسن رضی اللہ عنہ کافی مقروض تھے۔ تو اس خرچہ میں سے جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امام حسن رضی اللہ عنہ کے لیے بھیجا۔ آپ نے قرضہ ادا کیا۔ اور باقی اپنے اہل وعیال اور دوستوں میں تقسیم فرمایا۔ اسی طرح امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے خرچے میں سے اپنا قرض ادا کیا۔ اور بقیہ مال کے تین حصہ کیے۔ ایک حصہ اہلبیت اور دوستوں کو دیا۔ باقی دونوں حصے اپنے گھر والوں کو بھیجے۔ اسی طرح عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے حصہ سے اپنا قرض ادا کیا۔ جو بچا۔ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایلچی کو بطور انعام دے دیا۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

کو یہ خبر پہنچی۔ تو انہوں نے خرچہ میں اضافہ کر دیا۔ اور بہت زیادہ مال بھیجا۔

تنبیہ:-

مذکورہ روایات ثلثہ سے یہ معلوم ہوا۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جو کچھ خرچہ امام حسن، حسین اور ابن جعفر رضی اللہ عنہم کو بھیجتے تھے۔ یہ حضرات بخوشی اُسے قبول فرماتے۔ اور اپنے اہل و عیال و دوستوں میں تقسیم کرتے۔ اور قرضہ جات پورے کرتے تھے۔ تو ان حضرات کا اس طرح اسے شرفِ قبولیت عطا فرمانا دراصل اس خرچہ کے حلال و طیب ہونے کی دلیل ہے۔ اور امیر معاویہ کی طرف سے قبول کر لینا بلکہ اس کی پیشگی اطلاع دے دینا اس طرف اشارہ کرتا ہے۔ کہ یہ حضرات امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مومن اور مخلص تصور کرتے تھے۔

بالفرض اگر شیعہ لوگوں کے مطابق امیر معاویہ رضی اللہ عنہ معاذ اللہ کافر اور مرتد تھے۔ تو ان کا بھیجا ہوا خرچہ تم کس طرح حلال و طیب سمجھو گے۔ اور ان حضرات کے ایک ایسے شخص سے خرچہ قبول کرنے کی کیا توجیہ پیش کرو گے؟ کیا تمہارا اس قسم کا فتوای صرف امیر معاویہ تک چلے گا۔ امام حسن، حسین اور عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم بھی تو اس کی زد میں آئیں گے؟ غور کرو۔ اور ہوش کرو۔

امیر معاویہ حضرت علی کے فضائل سُنا کرتے اور پھر رویا کرتے:-

حلیۃ الابرار:-

قَالَ دَخَلَ ضَرَارُ ابْنُ ضُمْرَةَ النَّهْشَلِي عَلٰى مُعَاوِيَةَ بْنِ سُفْيَانَ فَقَالَ لَهٗ صِفْ لِيْ عَلِيًّا قَالَ اَوَ تَعْفُنِيْ فَقَالَ

لَا بَلْ صِفْهُ لِیْ فَقَالَ ضَرَارُ رَحِمَ اللّٰهُ عَلِیًّا کَانَ وَاللّٰهِ فِیْنَا کَاَحَدِنَا یُدْنِیْنَا اِذَا اَتَیْنَاهُ وَیُجِیْبُنَا اِذَا سَاَلْنَاهُ یُقَرِّبُنَا اِذَا زُرْنَاهُ لَا یُغْلَقُ دُوْنَنَا بَابٌ وَلَا یَحْجُبُنَا عَنْهُ حَاجِبٌ وَنَحْنُ وَاللّٰهِ مَعَ تَقْرِیْبِهٖ لَنَا وَقُرْبِهٖ مِنَّا لَا نُکَلِّمُهٗ لِهَیْبَتِهٖ وَلَا نَبْتَدِیْهِ لِعَظَمَتِهٖ فَاِذَا تَبَسَّمَ فَعَنْ مِثْلِ اللُّؤْلُؤِ الْمَنْظُوْمِ فَقَالَ مُعَاوِیَةُ زِدْنِیْ مِنْ صِفَتِهٖ فَقَالَ ضَرَارُ رَحِمَ اللّٰهُ عَلِیًّا کَانَ وَاللّٰهِ طَوِیْلَ السُّهَادِ قَلِیْلَ الرُّقَادِ یَتْلُوْا کِتَابَ اللّٰهِ اٰنَاءَ اللَّیْلِ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ وَیُجَوِّدُ لِلّٰهِ بِمُهْجَتِهٖ وَیَبُوْءُ اِلَیْهِ بِعَبْرَتِهٖ لَا تُغْلَقُ لَهُ السُّتُوْرُ وَلَا یَدَّخِرُ عَنَّا الْبُدُوْرُ وَلَا یَسْتَلِیْنُ الْاِتِّکَاءَ وَلَا یَسْتَخْشِنُ الْجَفَاءَ وَلَوْ رَاَیْتَهٗ اِذْ مَثَلَ فِیْ مِحْرَابِهٖ وَقَدْ اَرْخَی اللَّیْلُ سُدُوْلَهٗ وَغَارَتْ نُجُوْمُهٗ وَهُوَ قَابِضٌ عَلٰی لِحْیَتِهٖ یَتَمَلْمَلُ تَمَلْمُلَ السَّلِیْمِ وَیَبْکِیْ بُکَاءَ الْحَزِیْنِ وَهُوَ یَقُوْلُ یَا دُنْیَا اِلَیَّ تَعَرَّضْتِ اَمْ اِلَیَّ تَشَوَّقْتِ هَیْهَاتَ هَیْهَاتَ لَا حَاجَةَ لِیْ فِیْکِ اَبَنْتُکِ ثَلَاثًا لَا رَجْعَةَ لِیْ عَلَیْکِ ثُمَّ یَقُوْلُ وَاهُ وَاهُ لِبُعْدِ السَّفَرِ وَقِلَّةِ الزَّادِ وَخُشُوْنَةِ الطَّرِیْقِ قَالَ فَبَکٰی مُعَاوِیَةُ وَقَالَ حَسْبُکَ یَا ضَرَارُ کَذٰلِکَ کَانَ وَاللّٰهِ عَلِیٌّ رَحِمَ اللّٰهُ اَبَا الْحَسَنِ۔

(۱) حلیۃ الابرار جلد اول ص۳۲۹
باب الخامس والعشرون مطبوعہ قم
طبع جدید)

(۲) الامالی والمجالس شیخ الصدوق ص۳۷۱ المجلس الحادی
والتسعون مطبوعہ قم)

ترجمہ: ضرار ابن ضمرہ نہشلی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ آپ نے فرمایا علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کے اوصاف بیان کرو۔ ضرار کہنے لگا۔ اس مسئلہ میں مجھے معاف کیجئے۔ آپ نے فرمایا نہیں کچھ نہ کچھ ضرور بیان کرو۔ تو ضرار بولا۔ اللہ حضرت علی پر رحم فرمائے۔ وہ ہم میں اس طرح رہے۔ گویا ہمارے جیسے ہی ایک انسان ہیں۔ کبھی تکبر نہ کیا۔ ہم ان کے پاس جاتے۔ تو ہمیں قریب بلا لیتے۔ اور اگر سوال کرتے فوراً پورا فرما دیتے۔ ہم جب بھی انہیں ملنے گئے۔ ہمیں فوراً اپنے پاس بلا لیا ہمارے لیے کبھی دروازہ بند نہ کیا۔ اور نہ کسی نے ہمیں ان کے پاس جانے سے روکا۔ باوجود اس کے کہ ہمیں اپنے قریب جگہ دیتے ہمیں ان کی ہیبت گفتگو میں پہل کرنے نہ دیتی۔ آپ مسکراتے تو ایسا لگتا جیسے موتی جڑے ہوں۔ آنا سُن کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ضرار اور کچھ بیان کرو۔ تو ضرار بولا۔ اللہ تعالیٰ حضرت علی پر رحم فرمائے۔ آپ بہت شب بیدار اور کم خواب تھے۔ رات میں کئی پہر اور دن میں کئی اوقات قرآن پاک کی تلاوت فرماتے۔ پسندیدہ اشیاء راہ خدا میں خرچ کرتے۔ اللہ کے حضور آنسو لیے حاضر ہوتے۔ نہ ان کی خاطر پردے ڈالے گئے۔ اور نہ ہی کھانے کے بڑے

طباق سجائے گئے۔ گاؤ تکیہ کو نہ کبھی نرم سمجھا۔ اور نہ موٹے کپڑوں کو کھردرا جانا آپ انہیں محراب میں پیش خدا حاضر دیکھتے۔ جب کہ رات چھا گئی ہوتی۔ اور ستارے ڈوب رہے ہوتے۔ آپ داڑھی پکڑے مارگزیدہ کی طرح پریشان اور بے قرار پہلو بدلتے، روتے اور کہتے۔ یہ دنیا میرے پیچھے پڑی ہے۔ مجھے چاہتی ہے۔ دور ہو جا۔ دور ہو جا۔ مجھے تیری کوئی ضرورت نہیں۔ میں تجھے تین طلاقیں دے چکا ہوں۔ جن کے بعد کبھی تجھ سے رجوع نہ ہوگا۔ پھر فرماتے۔ ہائے افسوس! سفر لمبا ہے۔ توشہ سفر بہت تھوڑا ہے۔ اور راستہ بہت خطرناک ہے۔ یہ سن کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ اور فرمایا۔ ضرار بس کرو۔ اللہ کی قسم ابوالحسن علی المرتضے رضی اللہ عنہ ایسے ہی تھے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقام نبی پاک علیہ السلام اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک

از غوث وقت قبلہ عالم سندی و مرشدی سید محمد باقر علی شاہ صاحب
سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف ضلع گوجرانوالہ

ایک دن بندہ مصنف حضرت کیلیانوالہ شریف میں حاضر تھا۔ رات گئے تک صرف چند علماء کرام حضرت قبلہ صاحب کے پاس حاضر تھے۔ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں گفتگو کے دوران ایک عالم صاحب کہنے لگے۔ کہ سادات میں سے عوام تو کیا بعض پیران عظام بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ہیں۔ اس پر قبلہ حضرت صاحب نے فرمایا۔ آپ لوگ شانِ امیر معاویہ کتب سے

بیان کرتے ہیں۔ اور اس پر دلائل قائم کرتے ہیں۔ لیکن میں اپنی آپ بیتی اور خود پر وارد ہوئی بات بتلانا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ ایک دن دس بجے دن ایک آدمی سے میں نے دوران گفتگو کہا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مقابلہ کیا۔ اس میں انہوں نے بڑی زیادتی کی۔ اتنا کہا۔ اور اس کے ساتھ ہی میرے دل میں خیال آیا۔ کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں میں نے غلط الفاظ کہے ہیں۔ اور معًا اس کے ساتھ میرا روحانی فیض بند ہو گیا۔ سارا دن پریشانی میں گزرا۔ جب رات پڑی اور میں سو گیا۔ خواب میں پرانی بیٹھک شریف دیکھی۔ قبلہ والدی ماجدی حضرت خواجہ نور الحسن شاہ صاحب خلیفہ مجاز حضرت شیر ربانی قبلہ میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ نے تمام زندگی اسی بیٹھک شریف میں روحانی سلسلہ جاری رکھا۔ اور یہیں وصال فرمایا۔ اچانک خواب میں ہی کسی نے بیٹھک شریف کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ دروازہ کو دھکا دے کر کھولا۔ تو اچانک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لائے۔ آپ کے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے پیچھے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ تینوں حضرات اس طرح کھڑے تھے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں طرف حضرت علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خاموش کھڑے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ناراضگی میں مجھے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا۔ "جھگڑا میرا اور امیر معاویہ کا تھا۔ اس میں تمہیں دخل دینے کا کیا حق حاصل ہے؟" آپ نے یہی جملہ تین مرتبہ فرمایا۔ میں نے معافی مانگی۔ لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ پھر تینوں حضرات تشریف لے گئے۔ اس واقعہ کے چھ ماہ بعد تک نہ تو حضرت قبلہ میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی اور نہ ہی قبلہ والدی و مرشدی سرکار حضرت کیلیانوالہ شریف کی زیارت نصیب ہوئی۔ اور ہر قسم کا روحانی فیض بند رہا۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ اور فیض کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

مذکورہ واقعہ سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے

۱۔ محبتِ علی کا دعوے دار امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ناراض کر کے کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو راضی نہیں کر سکتا۔

۲۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرنے والا دراصل حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کہنے والا ہے۔

۳۔ حضرت امیر معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے درمیان جھگڑے میں امیر معاویہ کو موردِ الزام ٹھہرانے پر روحانی فیض بند ہو جاتا ہے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے ناراض ہو جاتے ہیں۔

۴۔ مذکورہ واقعات سے ان سید زادوں پیروں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ جو اہل سنت و جماعت کے معتقد کہلانے کے باوجود امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید کرتے ہیں۔ ایسوں کو روحانی فیض کب مل سکتا ہے۔

۵۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے باہم جو اختلافات ہوئے۔ اور جھگڑوں تک نوبت پہنچی۔ ان کے بارے میں بہت زیادہ احتیاط برتنی چاہیے۔ اور مشاجراتِ صحابہ کو مسئلہ تقدیر سمجھ کر کریدنا نہیں چاہیے۔ ورنہ آخرت کی بربادی کا خطرہ ہے۔

واقعہ نمبر (۲): امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی علی المرتضیٰ سے حسن عقیدت

حلیۃ الابرار میں مذکور ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ضرار سے کہا کہ تم مجھے علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کمالات کا کچھ تذکرہ سناؤ۔ جب ضرار نے سنانا شروع کیا تو اس سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر جو اثر ہوا اس کو صاحب حلیۃ الابرار یوں نقل کرتا ہے۔

حلیۃ الابرار:

قَالَ فَذَرَفَتْ دُمُوْعُ مُعَاوِيَةَ عَلٰى لِحْيَتِهٖ فَمَا يَمْلِكُهَا وَهُوَ يَنْشِفُهَا بِكُمِّهٖ وَقَدِ اخْتَنَقَ الْقَوْمُ بِالْبُكَاءِ ثُمَّ قَالَ مُعَاوِيَةُ رَحِمَ اللّٰهُ اَبَا الْحَسَنِ كَانَ وَاللّٰهِ كَذٰلِكَ۔

(حلیۃ الابرار مصنفہ سید ہاشم بحرانی جلد اول ص ۳۴۵

الباب الخامس والعشرون فی زھدہ فی الدنیا

مطبوعہ قم طبع جدید)

ترجمہ: راوی نے بیان کیا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فضائل کا ذکر سنا تو بے اختیار آنسو آپ کی داڑھی مبارک پر ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ آپ انہیں اپنی آستین کے ساتھ پونچھنے لگے۔ اور سننے والوں کے گلے روتے روتے بند ہو گئے۔ پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ضرار سے مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ اے ضرار! قسم بخدا جیسا تو نے بیان کیا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ انہی کمالات وصفات کے جامع تھے۔

☆

(مدحتِ شیرِ خدا میں اشعارِ معاویہ)

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امام حسن رضی اللہ عنہ کو خط لکھا تو اس کا یہ مضمون تھا۔
(ناسخ التواریخ)

اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ وَصَلَ کِتَابُكَ وَ فَهِمْتُ مَا ذَكَرْتَ فِيْهِ وَلَقَدْ عَلِمْتُ بِمَا حَدَثَ فَلَمْ اَفْرَحْ وَلَمْ اَحْزَنْ وَلَمْ اَشْمُتْ وَلَمْ آسِ وَاَنَّ عَلِيًّا اَبَاكَ لَكَمَا قَالَ اَعْشٰی بَنِيْ قَيْسِ بْنِ ثَعْلَبَةَ

فَاَنْتَ الْجَوَادُ وَاَنْتَ الَّذِيْ — اِذَا مَا الْقُلُوْبُ مَلَأْنَ الصُّدُوْرَا
جَدِيْرٌ بِطَعْنَةِ يَوْمِ اللِّقَآءِ — تَضْرِبُ مِنْهَا النِّسَآءُ النُّحُوْرَا
وَمَا مُزْبِدٌ مِنْ خَلِيْجِ الْبِحَارِ — يَعْلُوا الْاٰكَامَ وَيَعْلُوا الْجُسُوْرَا
بِاَجْوَدَ مِنْهُ بِمَا عِنْدَهٗ — فَيُعْطِي الْاُلُوْفَ وَيُعْطِي الْبُدُوْرَا

(ناسخ التواریخ زندگانی امام حسن مجتبیٰ جلد اول ص ۱۸۸)

ترجمہ:۔ اما بعد۔ مجھے (معاویہ کو) آپ کی (امام حسن کی) چٹھی ملی ہے اور جو کچھ آپ نے اس میں ذکر کیا وہ میں نے سمجھا ہے۔ اور جو واقعات ظہور پذیر ہوئے وہ میرے علم میں آئے ہیں جن پر نہ خوش ہوں نہ غم زدہ نہ شماتت کرتا ہوں نہ برائی۔ جب کہ آپ کے والد ماجد حضرت علی کی عظمت شاعر اعشیٰ کے ان اشعار کے مطابق ہے کہ

تم سخی جوان ہو تم وہ ہو کہ جو سینوں کو دلوں سے بھر دینے والے ایام جنگ میں نیزہ بازی کرتا ہے تو اس سے عورتیں اپنے سینے کو ٹے

یتی ہیں دکیوں کہ ان کے جوان ہلاک ہو چکے ہوتے ہیں) اور پورے جزیرہ عرب میں کوئی بھی ایسا بہادر جو ٹیلوں اور ٹیلوں پہ جا چڑھے تم سے زیادہ سخی نہیں ہو سکتا کیونکہ تم اپنا سب کچھ لٹا دیتے ہو ہزاروں دراہم دے دینا اور بہترین کھانے عنانت کر دینا تمہارا کام ہے۔

یہ تھے وہ اشعار اور ان کا مفہوم جو امیر معاویہ نے شان علیؓ میں نذرانہ کیا۔ شیعو! بتلاؤ کیا یہ حسن عقیدت کی جھلک ہے یا بغض و عداوت کا اظہار۔ خدا تمہیں عقل دے۔

فصل چہارم

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نظر میں

حضرت علی نے امیر معاویہ اور ان کے ساتھیوں پر لعنت اور تبرا بازی سے منع فرمایا

نہج البلاغہ:

وَقَدْ سَمِعَ قَوْمًا مِّنْ اَصْحَابِهٖ يَسُبُّوْنَ اَهْلَ الشَّامِ
اَيَّامَ حَرْبِهِمْ بِصِفِّيْنَ اِنِّيْ اَكْرَهُ لَكُمْ اَنْ تَكُوْنُوْا
سَبَّابِيْنَ وَلٰكِنَّكُمْ لَوْ وَصَفْتُمْ اَعْمَالَهُمْ وَ
ذَكَرْتُمْ حَالَهُمْ كَانَ اَصْوَبَ فِي الْقَوْلِ وَاَبْلَغَ
فِي الْعُذْرِ وَقُلْتُمْ مَكَانَ سَبِّكُمْ اِيَّاهُمْ
اَللّٰهُمَّ احْقِنْ دِمَاءَنَا وَدِمَاءَهُمْ وَاَصْلِحْ
ذَاتَ بَيْنِنَا وَبَيْنِهِمْ وَاهْدِهِمْ مِنْ ضَلَالَتِهِمْ
حَتّٰى يَعْرِفَ الْحَقَّ مَنْ جَهِلَهٗ وَيَرْعَوِيَ عَنِ الْغَيِّ
وَالْعُدْوَانِ مَنْ لَهِجَ بِهٖ۔

(نہج البلاغہ خطبہ ۲۰۶ ص ۳۲۳ مطبوعہ بیروت چھوٹا سائز)

ترجمہ: جنگ صفین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے چند آدمیوں سے شامیوں کے بارے میں گالی سُنی۔ تو فرمایا میں تمہیں گالی دینے والا سُن کر بہت خفا ہوتا ہوں۔ کیا بہتر ہوتا کہ تم گالی کی بجائے ان کے اچھے کام اور اُن کی خوبی حالت بیان کرتے۔ اور تم گالی کی جگہ ان کے لیے یہ کلمات کہتے۔ اے اللہ! ہمارے اور ان کے خون کو گرنے سے بچا۔ اور ہمارے درمیان صلح و صفائی پیدا فرما دے۔ اور انہیں گمراہی سے ہدایت عطا فرما۔ یہاں تک کہ حق کو اس سے ناواقف جان لے۔ اور جھگڑالو شخص جھگڑے اور باہمی نزاع سے باز رہ جائے۔

الاخبار الطوال:۔

قَالُوْا وَ بَلَغَ عَلِيًّا اَنَّ حَجَرَ بْنَ عَدِيٍّ وَّ عَمْرَو بْنَ الْحَمِقِ يُظْهِرَانِ شَتْمَ مُعَاوِيَةَ وَلَعْنَ اَهْلِ الشَّامِ فَاَرْسَلَ اِلَيْهِمَا اَنْ كُفَّا عَمَّا يَبْلُغُنِيْ عَنْكُمَا فَاَتَيَاهُ فَقَالَا يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَلَسْنَا عَلَى الْحَقِّ وَهُمْ عَلَى الْبَاطِلِ قَالَ بَلٰى وَرَبِّ الْكَعْبَةِ الْمُسَدَّنَةِ قَالُوْا فَلِمَ تَمْنَعُنَا مِنْ شَتْمِهِمْ وَلَعْنِهِمْ قَالَ كَرِهْتُ لَكُمْ اَنْ تَكُوْنُوْا شَتَّامِيْنَ لَعَّانِيْنَ وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ احْقِنْ دِمَاءَنَا وَ دِمَاءَهُمْ وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا وَبَيْنِهِمْ وَاهْدِهِمْ مِّنْ ضَلَالَتِهِمْ حَتّٰى يَعْرِفَ الْحَقَّ مَنْ جَهِلَهٗ وَيَرْعَوِيَ

عَنِ الْغَيِّ مَنْ تَلَهَّجَ بِهٖ ۔

(الاخبار الطوال ص ۱۶۵ مصنفہ احمد بن داؤد الدینوری مطبوعہ بیروت ذکر واقعہ صفین)

ترجمہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جنگ صفین میں خبر ہوئی۔ کہ حجر بن عدی اور عمرو بن حمق دونوں حضرات امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہتے ہیں۔ اور شامیوں پر لعنت کرتے ہیں۔ تو آپ نے ان کو کہلا بھیجا۔ کہ جو کچھ تمہارے بارے میں مجھے خبر ملی ہے۔ اس سے باز رہو۔ دونوں حاضر خدمت ہوئے۔ اور کہنے لگے۔ اے امیر المومنین! ہم حق پر نہیں؟ اور وہ باطل پر نہیں؟ حضرت نے فرمایا۔ ربِ کعبہ کی قسم! ایسا ہی ہے۔ تو انہوں نے عرض کی۔ پھر آپ ہمیں گالی گلوچ اور لعن طعن سے کیوں روکتے ہیں؟ فرمایا میں اسے اچھا نہیں سمجھتا۔ کہ تم دونوں گالی دینے والے اور لعنت کرنے والے ہو جاؤ۔ لیکن اگر کچھ کہنا چاہتے ہو۔ تو یوں کہو۔ اے اللہ! ہمارے اور ان کے خون کو محفوظ فرما۔ اور ہم میں صلح پیدا فرما۔ اور انہیں غلط راہ سے ہدایت عطا فرما۔ حتیٰ کہ انجان حق کو پہچان جائے۔ اور جھگڑالو جھگڑے سے رک جائے۔

امیر معاویہ اور آپ کے رفقاء میں حضرت علی کے نزدیک ایمان کے پورے شرائط پائے جاتے تھے:۔

نہج البلاغہ:۔

وَمِنْ كِتَابٍ لَهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَتَبَهٗ اِلٰى اَهْلِ الْاَمْصَارِ

يَقُصُّ فِيْهِ مَا جَرٰى بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اَهْلِ صِفِّيْنَ وَكَانَ
بَدْءُ اَمْرِنَا اَنَّا الْتَقَيْنَا وَالْقَوْمُ مِنْ اَهْلِ الشَّامِ وَ
الظَّاهِرُ اَنَّ رَبَّنَا وَاحِدٌ وَّنَبِيَّنَا وَاحِدٌ وَدَعْوَتَنَا فِي
الْاِسْلَامِ وَاحِدَةٌ وَلَا نَسْتَزِيْدُهُمْ فِي الْاِيْمَانِ بِاللّٰهِ وَ
التَّصْدِيْقِ بِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَسْتَزِيْدُوْنَنَا اَلْاَمْرُ وَاحِدٌ
اِلَّا مَا اخْتَلَفْنَا فِيْهِ مِنْ دَمِ عُثْمَانَ وَنَحْنُ مِنْهُ بَرَآءٌ.

(نہج البلاغہ خطبہ ۵۸ ص ۴۴۸ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ: اکثر شہروں کے معززین کو حضرت (علی رضی اللہ عنہ) نے یہ خط تحریر فرمایا ہے۔ جس میں ماجرائے جنگ صفین کا بیان ہے۔ ہماری اس ملاقات (لڑائی) کی ابتداء جو اہل شام کے ساتھ واقع ہوئی۔ کیا تھی؟ حالانکہ یہ بات ظاہر ہے۔ کہ ہمارا اور ان کا خدا ایک ہے۔ رسول ایک ہے۔ دعوتِ اسلام ایک ہے (جیسے وہ اسلام کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں۔ ویسے ہی ہم بھی) ہم خدا پر ایمان لانے۔ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے میں ان پر کسی فضیلت کے خواہاں نہیں۔ نہ وہ ہم پر فضل اور زیادتی کے طلب گار ہیں۔ ہماری حالتیں بالکل یکساں ہیں۔ مگر وہ ابتداء یہ ہوئی۔ کہ خونِ عثمان (رضی اللہ عنہ) میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ حالانکہ ہم اس سے بری تھے۔

امالی طوسی:-

شیخ ابو جعفر طوسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وصایا کو جمع کیا۔ جو آپ نے اپنے دوستوں کے لیے لکھیں۔ ان میں سے ایک یہ تھی۔

وَاُوْصِيْكُمْ بِالصَّلٰوةِ۔ وَالزَّكٰوةِ۔ وَالْجِهَادِ ---- وَ

اُوْصِيْكُمْ بِاَصْحَابِ نَبِيِّكُمْ لَا تَسُبُّوْهُمْ الخ

(الامالی للشیخ طوسی ص ۱۳۶ جلد دوم مطبوعہ نجف اشرف)

الجزء الثامن عشر

ترجمہ: میں تمہیں نماز، زکوٰۃ اور جہاد کی وصیت کرتا ہوں۔ اور یہ بھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی کو گالی مت نکالنا۔

کشف الغمہ:

وَعَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ بَیْنَمَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَخْطُبُ اِذْ صَعِدَ اِلَیْہِ الْحَسَنُ فَضَمَّہٗ اِلَیْہِ وَقَالَ اِنَّ ابْنِیْ ھٰذَا سَیِّدٌ وَاِنَّ اللّٰہَ عَلَّہٗ اَنْ یُّصْلِحَ بِہٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ عَظِیْمَتَیْنِ۔

(کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد اوّل ص ۵۴۶ مطبوعہ تبریز)

تذکرہ امام حسن رضی اللہ عنہ فی علمہ

ترجمہ: ابی بکرہ سے روایت ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ ارشاد فرمانے کے دوران یکایک حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھ گئے۔ تو آپ نے انہیں سینے سے لگایا اور فرمایا۔ میرا یہ بیٹا سید ہے،، اور اللہ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے گا۔

مذکورہ حوالہ جات سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے

۱۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس بات کو ناپسند فرمایا۔ کہ کوئی شخص شامیوں کو محض اس لیے بُرا بھلا کہے۔ کہ وہ جنگ صفین میں حضرت کے لشکر کے مقابل تھے۔

۲۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بُرا بھلا کہتے سُنا۔ تو فرمایا مجھے یہ ہرگز پسند نہیں۔ کہ میں تمہیں سب و شتم اور لعن طعن کرنے والا دیکھوں تمہیں سوئے ظن سے کام نہیں لینا چاہیے۔

۳۔ جو لوگ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں اس قدر بڑھ جاتے ہیں۔ کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو سب و شتم کرنے پر اُتر آتے ہیں۔ اُن کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اس جنگ کی وجوہات خود حضرت علی نے بیان فرما دیں۔ جب دونوں فریق ایک خدا ایک رسول ایک دین کی دعوت پر متفق ہیں۔ تو گالی گلوچ کس لیے۔

۴۔ آپ نے وضاحت فرمادی۔ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے شہید کرنے میں لوگ سمجھتے ہیں۔ کہ ہمارا ہاتھ تھا۔ یہ غلط ہے۔ اس کی واضح دلیل یہ ہے۔ کہ جب حضرت عثمان کے قتل کے لیے ان کا محاصرہ کیا گیا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں لخت جگر حضرت حسنین کریمین کو ان کے دروازہ کی حفاظت کے لیے مقرر فرمایا۔ اور شہادت کے بعد ان دونوں کے منہ پر حضرت علی نے غفلت برتنے پر طمانچے بھی مارے۔ خود شیعہ مجتہد "مروج الذہب" میں لکھتا ہے۔

مروج الذہب:

"وَدَخَلَ عَلِیٌّ اِلَی الدَّارِ وَھُوَ کَالْوَالِہِ الْحَزِیْنِ وَقَالَ

لِابْنَیْہِ کَیْفَ قُتِلَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ اَنْتُمَا عَلَی الْبَابِ؟ وَ لَطَمَ الْحَسَنَ وَضَرَبَ صَدْرَ الْحُسَیْنِ وَ شَتَمَ مُحَمَّدَ بْنَ طَلْحَۃَ وَ لَعَنَ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ الزُّبَیْرِ"

(مروج الذہب جلد دوم ص ۳۴۵ ذکر ذی النورین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ: شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی ان کے گھر غم زدہ داخل ہوئے اور اپنے دونوں بیٹوں کو فرمایا تم دونوں دروازے پر تھے تو ایسے میں امیر المومنین کیسے قتل ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد امام حسن کے منہ پر طمانچہ مارا۔ اور امام حسین کے سینہ پر مکا رسید کیا۔ محمد بن طلحہ کو برا بھلا کہا اور عبداللہ بن الزبیر کو لعن طعن کیا۔

۵۔ آپ نے اپنے محبتین کو بھی یہ وصیت فرمائی کہ احکام الٰہیہ کی پابندی کے ساتھ ساتھ کسی صحابی رسول کو دشنام نہ دینا۔

۶۔ جن دو مسلم جماعتوں کے درمیان امام حسن رضی اللہ عنہ نے صلح کرائی۔ وہ دونوں لشکر امیر معاویہ اور امام حسن کے تھے۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں گروہوں کو مسلمان فرمایا۔ اس لیے گروہ امیر معاویہ بھی مسلمان تھے۔ جیسا کہ گروہ حسن رضی اللہ عنہ مسلمان تھے۔ جب نگاہ نبوت اور ارشاد پیغمبر سے ثابت ہو گیا۔ کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بمع احباب مسلمان تھے۔ تو ان پر لعنت بھیجنا دراصل اپنی آخرت برباد کرنا ہے۔ اور خود لعنتی بننا ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

فصل پنجم

امیر معاویہ اور امام حسن رضی اللہ عنہ کے مابین جنگ کی حقیقت

سنہ ۴۰ھ میں سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں وصال فرمایا اور اپنی جگہ اپنے بیٹے امام حسن کو جانشین مقرر کیا۔ اس وقت علاقہ شام اور مصر وغیرہ میں امیر معاویہ کی پوزیشن نہایت مستحکم تھی اور وہ علی مرتضیٰ کے دور سے ہی آزادانہ حکومت کر رہے تھے اور جس طرح سے آپ داد انصاف دیتے اور رعایا کے حقوق کا خیال رکھتے تھے اسے آپ گذشتہ صفحات میں شیعوں کی کتب سے تفصیلاً ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

شیعہ کتب ہی بیان کرتی ہیں کہ جب امام حسن نے اپنے والد کی جانشینی سنبھالی۔ تو امیر معاویہ نے چند آدمی اس غرض سے کوفہ بھیجے کہ وہ حالات کا جائزہ لیں جنہیں امام حسن نے پکڑ کر قتل کر دیا اسی طرح گورنر بصرہ عبداللہ بن عباس کو بھی یہی حکم دیا کہ ایسا جو شخص ملے قتل کر دو چنانچہ انہوں نے بھی بصرہ میں آئے ہوئے امیر معاویہ کے شخص کو تلوار کا لقمہ بنا دیا۔ دیکھئے ناسخ التواریخ زندگانی امام حسن جلد اول ص ۱۸۷ اور ص ۱۸۸

اور امام حسن کو اہل کوفہ مسلسل اصرار کے ساتھ کہہ رہے تھے جلدی کرو اور کوئی مہلت دیئے بغیر شام پر چڑھائی کر دو تاکہ امیر معاویہ کی حکومت کو خاک میں ملا کر رکھ دیا جائے۔ مگر آپ اس چیز کو پسند نہیں کرتے تھے۔

دیکھئے ناسخ التواریخ زندگانی امام حسن مجتبیٰ ص۱۹۴۔ اس دوران امام حسن اور امیر معاویہ دونوں ایک دوسرے سے مراسلت کرتے رہے اور ایک دوسرے کو اپنے حق میں حکومت سے دست بردار ہونے کی ترغیب دیتے رہے ادھر امام حسن کے ناچاہتے ہوئے بھی آپ کے شیعوں نے آپ کو جنگ پر مجبور کر دیا اور آپ تیاری کر کے نکلے اور نکلنے سے پہلے آپ نے کوفہ میں جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ ناسخ التواریخ میں مرزا تقی شیعہ نے بایں الفاظ لکھا ہے۔

أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ اللهَ كَتَبَ الْجِهَادَ عَلَىٰ خَلْقِهِ........ ....فَلَسْتُمْ أَيُّهَا النَّاسُ نَائِلِيْنَ مَا تُحِبُّوْنَ إِلَّا بِالصَّبْرِ عَلَىٰ مَا تَكْرَهُوْنَ بَلَغَنِيْ أَنَّ مُعَاوِيَةَ بَلَغَهُ أَنَّا كُنَّا أَزْمَعْنَا عَلَى الْمَسِيْرِ إِلَيْهِ فَتَحَرَّكَ لِذٰلِكَ أُخْرُجُوْا رَحِمَكُمُ اللهُ۔

ناسخ التواریخ زندگانی امام حسن رض
جلد اول ص۲۰۱

ترجمہ۔ اما بعد۔ بے شک اللہ نے اپنی مخلوق پر جہاد فرض کیا ہے۔ لہٰذا اے لوگو تم اپنا مقصد صبر کے بغیر حاصل نہیں کر سکتے، مجھے پتہ چلا ہے کہ معاویہ کو خبر ہو گئی ہے کہ ہم نے اس پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا ہے چنانچہ وہ بھی حرکت میں آ چکے ہیں۔ اس لیے اب نکل پڑو! اللہ تم پر رحم کرے۔ چنانچہ چالیس ہزار کوفی مرد جنگ کے لیے تیار ہو گیا۔ جس میں سے بارہ ہزار مردوں کو آپ نے عبید اللہ بن عباس کے ساتھ آگے بھیج دیا کہ تم نہر فرات کو عبور کر کے علاقہ مسکن میں پڑاؤ کرو اور امیر معاویہ کے لشکر کا انتظار کرو اور معاویہ کے لشکر

کا مقابلہ کرو میں بھی تمہارے پیچھے پہنچ رہا ہوں۔

شیعوں کی غداری:

ناسخ التواریخ میں مرزا تقی شیعہ لکھتا ہے:

اما ازاں سو چنانکہ یاد کردیم چوں عبید اللہ بن عباس با دوازدہ ہزار تن مرد سپاہی در مسکن فرود شد و معاویہ ایں بدانست با لشکر ہائے خود طی مسافت کردہ در اراضی مسکن در قریہ کہ آنرا۔ حیوضنہ مینامیدند در آمد و لشکر گاہ کرد۔

ناسخ التواریخ زندگانی امام حسن ص۲۰۵

ترجمہ۔ اس طرف جیسا کہ ہم نے لکھا ہے عبید اللہ بن عباس بارہ ہزار سپاہی لے کر علاقہ مسکن میں فروکش ہو گیا۔ اور امیر معاویہ کو جب اس کی خبر ہوئی تو وہ اپنا لشکر لے کر منزلیں طے کرتے ہوئے علاقہ مسکن میں حیوضنہ نامی بستی کے قریب آئے اور پڑاؤ کیا۔

چنانچہ دونوں لشکروں میں کچھ لڑائی ہوئی اور اگلی رات کو عبید اللہ امیر معاویہ کے ساتھ جا ملا۔ اور یوں امام حسن کا بھیجا ہوا لشکر پراگندہ ہو گیا۔ جس کا آپ کو بڑا رنج ہوا اور آپ خود لشکر لے کر نکلے اور حال یہ تھا کہ دل کوفیوں کی بدعہدی اور بے وفائی سے پورا پورا خائف تھا تاہم پھر بھی ان لوگوں کے مجبور کرنے پر نکل کھڑے ہوئے اور جب کچھ منزلیں طے کر کے سا یا ط نامی بستی جو مدائن کے مضافات میں ہے میں پہنچے تو رات وہاں گذاری اور صبح کو اس غرض سے کہ پتہ چلے ان لشکریوں میں سے کون مخلص اور کون بے وفا ہے آپ نے نماز فجر کے بعد تمام تر لشکر کو جمع کر کے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ میں مسلمانوں میں سے کسی کو مصیبت میں نہیں ڈالنا چاہتا اور میں اہل اسلام

میں اتحاد کا متمنی ہوں جسے تم ناپسند کرتے ہو مگر میں تمہارے لیے بہتر رائے رکھتا ہوں اور تم سے زیادہ تمہارا ہمدرد ہوں۔

یہ خطبہ سن کر کوفیوں کے تیور بدل گئے اور ایک دوسرے کو تعجب کی نگاہ سے دیکھتے اور کہنے لگے۔ امام حسن کا ارادہ کیا ہے۔ لگتا ہے یہ امیر معاویہ سے صلح کرنا چاہتے ہیں۔ بس فوراً امام حسن کے شیعہ ہی آپ پر پل پڑے مرزا تقی شیعہ کہتا ہے:

از غلبہ حسن علیہ السلام بر معاویہ یکبارہ مایوس گشتند و برآنحضرت بشوریدند و ہمگروہ بسرا پردہ او دربرفتند و ہرچہ یافتند برگرفتند و مصلی آنحضرت را از زیر پائے مبارکش بکشیدند۔

ناسخ التواریخ زندگانی امام حسن مجتبیٰ
ص ۲۱۱ جلد اوّل

ترجمہ۔ عراقی لشکر امیر معاویہ پر امام حسن کے غالب آنے سے مایوس ہو گیا اور وہ لوگ آپ پر ہی پل پڑے اور مل کر آپ کے خیمہ میں داخل ہو گئے جس کے ہاتھ جو آیا پکڑ لیا بلکہ آپ کے نیچے سے مصلیٰ بھی کھینچ لیا۔

آپ نے یہ حالات دیکھ کر جنگ کا ارادہ ترک کر کے مدائن شہر میں چلے جانے کا ارادہ کر لیا۔ جب مدائن کو چلے تو ایک شخص نے اچانک آکر آپ کے ران میں اس زور سے نیزہ مارا کہ ہڈی باہر نکل آئی آپ نڈھال ہو کر گھوڑے سے نیچے گر پڑے اور آپ کو چارپائی پر لٹا کر مدائن شہر میں سعید بن مسعود ثقفی کے مکان میں لا کر لٹا دیا گیا۔

قول امام حسن میرے بے وفا شیعوں سے معاویہ میرے حق میں زیادہ بہتر ہے

جب آپ زخمی ہوکر مدائن میں پڑے تھے اور بے وفا کوفی پراگندہ ہو گئے تھے اس وقت آپ نے ایک شخص کے سوال پر کہ اب کیا ارادہ ہے آپ کا۔ فرمایا۔

وَاللهِ اَرٰی اَنَّ مُعَاوِيَةَ خَيْرٌ لِّيْ مِنْ هٰؤُلَاءِ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ لِيْ شِيْعَةٌ اِبْتَغَوْا قَتْلِيْ وَانْتَهَبُوْا ثَقْلِيْ وَاَخَذُوْا مَالِيْ وَاللهِ لَاَنْ اٰخُذَ مِنْ مُّعَاوِيَةَ عَهْدًا اَحْقِنُ بِهٖ دَمِيْ وَاٰمَنُ بِهٖ فِيْ اَهْلِيْ خَيْرٌ مِّنْ اَنْ يَّقْتُلُوْنِيْ فَيَضِيْعَ اَهْلُ بَيْتِيْ وَاَهْلِيْ وَاللهِ لَوْ قَاتَلْتُ مُعَاوِيَةَ لَاَخَذُوْا بِعُنُقِيْ يَدْفَعُوْنِيْ سَلَمًا۔

(۱) ناسخ التواریخ زندگانی حسن مجتبیٰ جلد اول
ص ۲۱۳ تا ص ۲۱۴

(۲) احتجاج طبرسی جلد دوم ص ۱۰ طبع قم جدید

ترجمہ۔ قسم بخدا میں سمجھتا ہوں کہ معاویہ میرے حق میں ان لوگوں سے بہتر ہے جو کہتے ہیں کہ ہم تیرے شیعہ ہیں مگر انہوں نے مجھے مار ڈالنے کا ارادہ کیا میرا اثاثہ لوٹ لیا اور میرا مال چھین لیا۔ قسم بخدا اگر میں معاویہ سے عہد کر لوں جس سے میرا خون بچ جائے اور میرے گھر والے

لوگ امن حاصل کرلیں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ یہ شیعہ مجھے مار ڈالیں اور میرا گھرانہ برباد ہو جائے، قسم بخدا اگر میں معاویہ سے جنگ کروں تو یہی شیعہ میری گردن دبوچ کر مجھے معاویہ کے سپرد کر دیں گے۔

امیر معاویہ کا امام حسن سے اظہار ہمدردی اور شیعوں کی غداری

ناسخ التواریخ:

واز آں سوچوں معاویہ شوریدن لشکر را بر امام حسن بدانست مکاتیب مہر انگیز متواتر کرد ایں کلمات نیز از اوست۔ یَا ابْنَ عَمِّ لَا تَقْطَعِ الرَّحْمَ الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنِیْ فَاِنَّ النَّاسَ قَدْ غَدَرُوْا بِكَ وَبِاَبِیْكَ مِنْ قَبْلِكَ۔ و مکاتیب صنادید سپاہ عراق را بہ حسن فرستاد کہ ہم گاں بہ معاویہ نگاشتہ بودند کہ بجانب ما کوچ دہ چوں راہ با ما نزدیک کنی حسن علیہ السلام را دست بگردن بستہ بنزد تو فرستیم واگرنہ باتیغش درگذاریم وخواستار مصالحت گشت

ناسخ التواریخ زندگانی حسن مجتبیٰ ص ۲۲۰

ترجمہ۔ اس طرف جب امیر معاویہ کو امام حسن کے لشکر کے منتشر ہو جانے کی خبر ملی تو مہر و محبت کے پے بہ پے خط لکھے۔ چنانچہ یہ الفاظ بھی امیر معاویہ کے ہیں جو انہوں نے امام حسن کو لکھے۔ اے میرے چچے کے بیٹے میرے اور آپ کے درمیان جو رشتہ داری

ہے اسے نہ کاٹو! ان لوگوں نے آپ ہی سے نہیں آپ کے والد حضرت علی سے بھی غداری کی تھی۔ اس کے ساتھ ہی امیر معاویہ نے کوفی لشکر کے سرداروں کے وہ خطوط بھی جو انہوں نے امیر معاویہ کو لکھے تھے، امام حسن کو بھیج دیئے۔ "ان میں یہ لکھا تھا اے معاویہ ہماری طرف کوچ کرو جب تم پہنچو گے ہم امام حسن علیہ السلام کو ہاتھ گردن سے باندھ کر انہیں تمہارے سپرد کر دیں گے نہیں تو انہیں قتل ہی کر دیں گے" اس کے ساتھ ہی امیر معاویہ صلح کے طلب گار ہوئے۔

گذشتہ دونوں عبارتوں سے یہ امور ثابت ہوئے:

(۱) جن لوگوں نے امام حسن کا مال لوٹا اور نیزے کے زخم سے ران پھاڑ ڈالی اور آپ کو قتل کرنا چاہا ان کا تعارف امام حسن نے یہ کرایا ہے کہ یہ لوگ خود کو میرا شیعہ کہتے ہیں۔ معلوم ہوا جو لوگ خود کو امام حسن کا شیعہ کہتے تھے انہوں نے آپ کو خوار کیا اور جو زخم لگائے۔ وہ بہت گہرے تھے۔

(۲) ان غدار شیعوں نے بظاہر امیر معاویہ کی دشمنی کا اظہار کیا اور امام حسن کو ان سے جنگ پر اکساتے رہے اور در پردہ امیر معاویہ کو خط لکھتے رہے کہ تم لشکر لے کر آؤ ہم امام حسن علیہ السلام کے ہاتھ باندھ کر انہیں تمہارے حوالے کر دیں گے۔ دیکھئے یہ کتنا ذلیل جملہ ہے آپ کو امام حسن علیہ السلام بھی کہتے ہیں اور باندھ کر حوالے کر دینے بلکہ قتل کر دینے کا عہد بھی کر رہے ہیں۔

(۳) امیر معاویہ کو امام حسن سے مخلصانہ محبت تھی اسی لیے کوفی شیعوں کی

غداری کے خطوط امام حسن تک پہنچا دیئے اور محبت بھرے الفاظ کہے کہ اے میرے چچا کے بیٹے ہماری آپس کی رشتہ داری کو ضائع نہ کیجئے یہ لوگ غدار ہیں ان کی نہ مانیے۔ ان کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ اسی لیے امام حسن نے بھی فرمایا کہ ان غدار شیعوں سے میرے حق میں معاویہ بہت اچھا ہے۔

مختصر یہ کہ امام حسن نے چھ ماہ تک مذکورہ حالات میں حکومت کی غدار شیعوں نے آپ کو امیر معاویہ سے جنگ کرنے پر آمادہ کیا مگر جنگ سے قبل ہی آپ کو زخمی کر کے لاچار کر دیا۔ چنانچہ آپ نے اور امام حسین رضی اللہ عنہ نے شام پہنچ کر امیر معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور تا دم آخر اس بیعت پر قائم رہے جس کا تذکرہ آئندہ فصل میں بالتفصیل آ رہا ہے۔

فصل ششم

حسنین کریمین نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کی اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی :-

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ کہ سیدنا امام حسن اور حسین رضی اللہ عنہما نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور باوجود اس کے کہ لوگوں نے بہت اُکسایا۔ لیکن پھر بھی تا حین حیات اسی بیعت پر قائم رہے۔ اور نہ ہی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان شرائط میں کمی بیشی یا کوتاہی کی۔ جو بوقت بیعت ان کے اور حسنین کریمین کے درمیان طے پائی تھیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ حسنین کریمین اِن سے ہمیشہ خوش رہے۔ اور اُن کی طرف سے آنے والے ہدایا اور نذرانوں کو بخوشی قبول فرماتے رہے۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ہم بیان کر چکے ہیں۔

اس کے باوجود شیعہ لوگ اس بات پر مصر ہیں۔ کہ دو حسنین کریمین نے نہ تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ اور نہ ہی ہماری کسی کتاب میں اس کا ثبوت ہے، یہ دونوں باتیں انہیں کرنا ہی پڑتی ہیں۔ کیونکہ اگر ان کی کتب سے اِن حضرات کا بیعت کرنا ثابت اور درست نکلے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ حسنین کریمین نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنا امام اور امیر المومنین تسلیم کر لیا۔ تو ان شیعہ لوگوں کو بھی امامت و خلافت امیر معاویہ تسلیم کرنا پڑے گی۔

دوسری بات یہ بھی ہے۔ کہ واقعہ کربلا کے پیچھے یہی بات تھی۔ کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

یزید بن معاویہ کو فاسق و فاجر سمجھتے تھے۔ جس کی بنا پر تمام احباب و اہل خانہ کی شہادت قبول کی۔ لیکن بیعت یزید نہ کی۔ تو اگر بیعت حسنین ثابت ہو جائے۔ تو اس کے اعتبار سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مومن اور امام برحق ٹھہرے۔

اب تو انتہا ہو رہی ہے۔ کہ پہلے جن کتب شیعہ میں "بیعت حسنین" کا لفظ آتا تھا۔ اب وہاں اس کی بجائے لفظ "صلح" درج ہو رہا ہے۔ جن کی عنقریب ہم نشاندہی کریں گے۔ آیئے ان کی کتب کا ملاحظہ کریں۔

رجال کشی:-

قَيْسُ بْنُ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ جِبْرَئِيْلُ بْنُ اَحْمَدَ وَ اَبُوْ اِسْحٰقَ حَمْدَوَيْهِ وَ اِبْرَاهِيْمُ ابْنَا نُصَيْرٍ قَالُوْا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْحَمِيْدِ الْعَطَّارِ الْكُوْفِيُّ عَنْ يُوْنُسَ بْنِ يَعْقُوْبَ عَنْ فُضَيْلٍ غُلَامِ مُحَمَّدِ بْنِ رَاشِدٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُوْلُ اِنَّ مُعَاوِيَةَ كَتَبَ اِلَى الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمَا اَنِ اقْدِمْ اَنْتَ وَالْحُسَيْنُ وَاَصْحَابُ عَلِيٍّ فَخَرَجَ مَعَهُمْ قَيْسُ بْنُ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ الْاَنْصَارِيُّ وَ قَدِمُوا الشَّامَ فَاَذِنَ لَهُمْ مُعَاوِيَةُ وَاَعَدَّ لَهُمُ الْخُطَبَاءَ وَقَالَ يَا حَسَنُ قُمْ فَبَايِعْ فَقَامَ فَبَايَعَ ثُمَّ قَالَ لِلْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قُمْ فَبَايِعْ فَقَامَ فَبَايَعَ ثُمَّ قَالَ يَا قَيْسُ قُمْ فَبَايِعْ فَالْتَفَتَ اِلَى الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَنْظُرُ

مَا يَأْمُرُهُ فَقَالَ يَا قَيْسُ اِنَّهُ اِمَامِيْ يَعْنِي الْحَسَنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

(رجال کشی ص ۱۰۲ مطبوعہ کربلا، ذکر قیس ابن سعد)

ترجمہ: راوی کہتا ہے۔ کہ میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا۔ کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امام حسن بن علی کی طرف رقعہ لکھا۔ جس میں تحریر تھا۔ کہ تم (حسن) حضرت حسین اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے ساتھیوں کو لے کر میرے ہاں تشریف لاؤ۔ امام حسن جب انہیں لے کر نکلے۔ تو ان کے ساتھ قیس بن سعد بن عبادہ انصاری بھی تھے۔ شام پہنچے۔ تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اندر آنے کی اجازت دی۔ اور ان کے لیے خطیب مقرر کیے۔ پھر کہا۔ اے حسن! اٹھیئے اور بیعت کیجئے۔ وہ اٹھے اور بیعت کی۔ پھر امام حسین کو کہا۔ آپ اٹھیئے اور بیعت کیجئے۔ تو انہوں نے اٹھ کر بیعت کر لی۔ پھر قیس کو کہا۔ تم بھی اٹھو۔ اور بیعت کر لو۔ تو اس نے امام حسین کی طرف اس ارادے سے دیکھا۔ کہ آپ اس بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ تو امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ قیس! امام حسن رضی اللہ عنہ میرے امام ہیں (یعنی ان کی بیعت کر لینے کے بعد تمہیں تردد نہیں ہونا چاہیئے۔

صلح میں امام حسن کی شرط کہ معاویہ رضی اللہ عنہ سنتِ خلفاءِ راشدین پر عمل کریں گے

کشف الغمہ:

وَمِنْ كَلَامِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا كَتَبَهُ فِي الصُّلْحِ

اَلَّذِیْ اِسْتَقَرَّ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ مُعَاوِیَةَ حَیْثُ رَاٰی حَقْنَ الدِّمَآءِ وَ اَطْفَآءَ الْفِتْنَةِ وَ هُوَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ هٰذَا مَا صَالَحَ عَلَیْهِ الْحَسَنُ بْنُ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ مُعَاوِیَةَ بْنَ اَبِیْ سُفْیَانَ صَالَحَهٗ عَلٰی اَنْ یُّسَلِّمَ اِلَیْهِ اَمْرَ الْمُسْلِمِیْنَ عَلٰی اَنْ یَّعْمَلَ فِیْهِمْ بِکِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَ سِیْرَةِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِیْنَ وَلَیْسَ لِمُعَاوِیَةَ بْنِ اَبِیْ سُفْیَانَ اَنْ یَّعْهَدَ اِلٰی اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ عَهْدًا بَلْ یَکُوْنُ الْاَمْرُ مِنْ بَعْدِهٖ شُوْرٰی بَیْنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَلٰی اَنَّ النَّاسَ اٰمِنُوْنَ حَیْثُ کَانُوْا مِنْ اَرْضِ اللّٰهِ شَامِهِمْ وَعِرَاقِهِمْ وَ حِجَازِهِمْ وَ یَمَنِهِمْ۔

(کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد اول ص ۵۷۰ مطبوعہ تبریز

تذکرہ امام حسن فی کلامہ و مواعظہ

ترجمہ: امام حسن اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جو صلح نامہ لکھا گیا۔ اس میں یہ بھی تھا۔ "شروع اللہ کے نام سے جو مہربان اور رحیم ہے۔ صلح کی اولین شرط یہ ہے۔ کہ میں تمہیں مسلمانوں کی امامت سپرد کر رہا ہوں۔ تاکہ ان میں تم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برتاؤ کرو۔ اور سیرۃ خلفاء راشدین تمہارے سامنے ہو۔ اور دوسری شرط یہ کہ اے معاویہ بن ابوسفیان! تمہیں اس معاہدہ کے بعد کسی کے ساتھ ایسا معاہدہ

کرنے کی اجازت نہ ہو گی۔ بلکہ وقت آنے پر معاملہ خلافت و امامت مسلمانوں کے باہمی مشوروں سے حل ہو گا۔ اور تیسری شرط یہ ہے۔ کہ لوگ سب امن میں ہوں گے۔ چاہے وہ شام، عراق، حجاز اور یمن میں ہوں۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کو دنیا و مافیہا سے افضل جانا:

احتجاج طبرسی:

عَنْ حَنَانَ بْنِ سَدِيْرٍ عَنْ اَبِيْهِ سَدِيْرٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ عَقِيْصِيْ قَالَ لَمَّا صَالَحَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ مُعَاوِيَةَ بْنَ اَبِيْ سُفْيَانَ دَخَلَ عَلَيْهِ النَّاسُ فَلَامَهُ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَيْعَتِهٖ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَيْحَكُمْ مَا تَدْرُوْنَ مَا عَمِلْتُ وَاللّٰهِ لَلَّذِيْ عَمِلْتُ لِشِيْعَتِيْ خَيْرٌ مِّمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ اَوْ غَرَبَتْ اَلَا تَعْلَمُوْنَ اَنِّيْ اِمَامُكُمْ وَمُفْتَرَضُ الْاِطَاعَةِ عَلَيْكُمْ وَاَحَدُ سَيِّدَيْ شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ بِنَصٍّ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ عَلَيَّ؟

(احتجاج طبرسی جلد دوم ص ۹ مطبوعہ نجف اشرف طبع جدید طبع قدیم ص ۱۵۷ احتجاج الحسن علی من انکر علیہ)

ترجمہ: جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرلی۔ تو کچھ لوگوں نے آکر ان کے بیعت کر لینے پر ان کی ملامت کی۔ تو اس کے جواب میں امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ تمہاری بربادی ہو تم نہیں جانتے۔ میں نے جو کچھ کیا۔ اللہ کی قسم! دنیا و مافیہا سے میرے شیعوں کے لیے بہتر ہے۔ کیا تم جانتے نہیں ہو۔ کہ میں تمہارا امام ہوں۔ اور تم پر میری اطاعت لازم کردی گئی۔ اور میں جنت کے دو سرداروں میں ایک ہوں۔ جن کی سیادت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور نص بیان فرمایا۔

جلاء العیون:۔

در کتاب احتجاج روایت کردہ است کہ چوں حضرت امام حسن با معاویہ صلح کرد مردم بخدمت آنحضرت آمدند۔ بعض ملامت کردند اورا بہ بیعت معاویہ۔ حضرت فرمود۔ وای برشما۔ نمیدانید کہ من چکار کردہ ام برائے شما۔ بخدا سوگند کہ آنچہ من کردہ بہتر است از برائے شیعیان من از آنچہ آفتاب برآں طالع میگردد۔ آیا نمیدانید کہ من امام واجب الاطاعہ شمائم۔ ویکے از بہترین جوانانِ بہشت بنص حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم۔ گفتند بلی۔ پس فرمود آیا نمیدانید کہ آں چہ خضر کرد موجب غضب حضرت موسیٰ علیہ السلام شد۔ چوں وجہ حکمت برا و مخفی بود و آنچہ خضر کردہ بود نزد حق تعالیٰ عین حکمت وصواب بود آیا نمیدانید کہ ہیچ یک از ما نیست مگر آنکہ در گردن او بیعتی از خلیفہ جوری کہ در زمان او ہست واقع می شود مگر قائم ما۔

(جلاء العیون جلد اول ص۴۰۳ مطبوعہ تہران الطبع جدید)

تذکرہ امام حسن رضی اللہ عنہ۔

ترجمہ: کتاب "احتجاج" میں روایت کی گئی ہے۔ کہ جب امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کر لی۔ لوگ امام حسن کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، بعض نے تو حضرت معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے پر ملامت بھی کی۔ امام موصوف نے فرمایا۔ افسوس تم پر۔ کیا تم نہیں جانتے کہ میں نے تمہارے لیے کیا کیا ہے؟ خدا کی قسم! میں نے جو کچھ اپنے شیعوں کی خاطر کیا وہ ہر اس چیز سے بہتر ہے۔ جس پر سورج طلوع ہوتا ہے۔ تم نہیں جانتے۔ کہ میں تمہارا واجب الاطاعت امام ہوں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نص کے ساتھ نوجوانانِ جنت کے دو سرداروں میں سے ہوں۔ لوگوں نے کہا۔ ہاں آپ واقعی ایسے ہیں۔ پھر فرمایا۔ کیا تم نہیں جانتے۔ کہ جو کچھ حضرت خضر علیہ السلام نے کیا۔ اُسے دیکھ کر جناب موسیٰ کو غصہ آ گیا تھا۔ کیونکہ حکمت کی وجہ ان سے مخفی تھی۔ اور جو کچھ حضرت خضر نے کیا تھا۔ اللہ کے نزدیک عین حکمت وصواب تھا۔ کیا تم نہیں جانتے کہ ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے۔ مگر یہ کہ اس کی گردن میں بیعت خلیفہ جور زمان سے واقع ہو گئی ہے مگر ہمارے قائم۔

امام حسن رضی اللہ عنہ نے جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی اس کو صحابہ کرام صحیح سمجھتے اور اس کی مخالفت سے منع فرماتے تھے

مروج الذہب:۔

وَكَانَ الْمُغِيْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ قَالَ لِزِيَادٍ قَبْلَ قُدُوْمِهٖ عَلٰى مُعَاوِيَةَ اُدْعُ بِالْغَرَضِ الْاَقْصٰى وَدَعْ عَنْكَ الْفُضُوْلَ فَاِنَّ هٰذَا لَا يَمُدُّ اِلَيْهِ اَحَدٌ يَدًا اِلَّا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ وَقَدْ بَايَعَ لِمُعَاوِيَةَ فَخُذْ لِنَفْسِكَ قَبْلَ التَّوْطِيْنِ۔

(مروج الذہب للمسعودی جلد سوم ص مطبوعہ بیروت)
ذکر معاویہ ابن ابی سفیان

ترجمہ: مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے زیاد کو امیر معاویہ کے پاس پہنچنے سے قبل فرمایا۔ دور دراز کی خواہشات چھوڑ دے۔ اور فضولیات کو خیر باد کہہ دے اس امر خلافت میں صرف حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا ہاتھ پہنچتا ہے۔ اور حالت یہ کہ انہوں نے تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی ہے تو اب تمہیں لوگوں کو ہم نوا بنانے کی کوشش نہیں کرنا چاہیئے۔ لوگوں

کو اپنی طرف مائل کرنے کی بجائے اپنے نفس کی حفاظت کرنی چاہیئے (یعنی امیر معاویہ کی امام حسن بیعت کر چکے۔ تو تمہیں حیل و حجت سے اس کا انکار نہیں کرنا چاہیئے۔ اور بیعت کر لینی چاہیے)

امام حسن رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے برانگیختہ کرنے کے باوجود امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کو نہیں توڑا بلکہ قیس کو ان کی بیعت کا حکم دیا:۔

مقتل:۔

حِيْنَ صَالَحَ مُعَاوِيَةَ بْنَ اَبِيْ سُفْيَانَ وَهُوَ يَوْمَئِذٍ بِالْكُوْفَةِ فَتَقَدَّمَ سُلَيْمَانُ اِلَى الْاِمَامِ فَقَالَ يَا ابْنَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِنَّا مُتَعَجِّبُوْنَ مِنْ بَيْعَتِكَ لِمُعَاوِيَةَ وَمَعَكَ اَرْبَعُوْنَ اَلْفَ مُقَاتِلٍ مِنْ اَهْلِ الْكُوْفَةِ كُلُّهُمْ يَاْخُذُوْنَ الْعَطَايَا وَمِثْلُهُمْ مِنْ اَبْنَائِهِمْ سِوٰى اَنْصَارِكَ مِنْ اَهْلِ الْبَصْرَةِ وَاَهْلِ الْحِجَازِ وَلَمْ تَاْخُذْ لِنَفْسِكَ ثِقَةً فِي الْعَهْدِ وَلَا حَظًّا فِي الْعَطِيَّةِ

ذرا آگے امام حسن کا جواب یوں مذکور ہے:۔

وَ لٰكِنِّیْ رَاَیْتُ مَا لَمْ تَرَوْنَ وَ اَشْهَدُ اللّٰهَ اِنِّیْ لَمْ اُرِدْ بِذٰلِكَ اِلَّا حَقْنَ دِمَآئِكُمْ وَ اِصْلَاحَ شَاْنِكُمْ فَارْضَوْا بِقَضَآءِ اللّٰهِ وَ سَلِّمُوْا اِلَیْهِ الْاَمْرَ وَ الْزِمُوْا بُیُوْتَكُمْ۔

(مقتل ابی مخنف صفحہ ۲-۳ مطبوعہ مکتبہ حیدریہ نجف اشرف ۱۳۷۵ھ) در مقدمہ

ترجمہ: جب امام حسن رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی اس وقت امام حسین کوفہ میں تھے۔ تو "سلیمان" نامی ایک شخص حضرت امام کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ اور کہنے لگا۔ اے بنتِ رسول کے فرزند! ہم امیر معاویہ کے ہاتھ پر آپ کی بیعت کر لینے سے بڑے حیران ہیں چالیس ہزار کوفی جنگ جو آپ کے ساتھ ہیں۔ سب کے سب آپ کے وظیفہ خوار ہیں۔ اور اتنی ہی تعداد میں ان کے بیٹے بھی آپ کے ساتھ ہیں۔ یہ سب ان حضرات کے علاوہ ہیں۔ جو بصرہ اور حجاز میں آپ کے جانثار ہیں۔ تو اتنی قوت کے ہوتے ہوئے آپ نے نہ کوئی اپنی خاطر مضبوط عہد لیا۔ اور نہ ہی اپنے جانثار وظیفہ خواروں سے کوئی صلہ حاصل کیا۔ (اس کے جواب میں امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا) ٹھیک ہے۔ امیر معاویہ قوت میں مجھ سے زیادہ نہ تھے۔ لیکن جو مجھے نظر آرہا ہے۔ تم اس سے اندھے ہو۔ اور قسمیہ کہتا ہوں۔ کہ تمہارے خون کی حفاظت کے سوا میرا کوئی ارادہ نہ تھا۔ اور تمہارے معاملات کی اصلاح ہی میرے پیش نظر تھی۔ تو تم اللہ کی

قضا پر راضی ہو جاؤ۔ اور اپنا معاملہ اسی کے سپرد کر دو۔ اور اپنے گھروں میں آرام سے بیٹھ جاؤ۔ (امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مقابلہ کی کوئی ضرورت نہیں)

جلاء العیون :-

او بہ چہار ہزار کس بکناری رفتہ بود با معاویہ در مقام مخالفت خود چوں دید کہ حضرت صلح کرد مضطر شد بمجلس معاویہ در آمد متوجہ حضرت امام حسین شد۔ و از آنحضرت پرسید۔ کہ بیعت بکنم۔ حضرت اشارہ بحضرت امام حسن کرد فرمود۔ کہ او امام منست و اختیار با واست ہر چند میگفتند دست دراز نمیکرد تا آنکہ معاویہ از کرسی بزیر آمد دست بر دست او گذاشت بروایتی دگر بعد از آنکہ حضرت امام حسن علیہ السلام او را امر بیعت کرد۔

(جلاء العیون جلد اوّل ص ۲۹۵ مطبوعہ تہران)

زندگانی امام حسن مصالحہ آں حضرت با معاویہ۔

ترجمہ: قیس نے چار ہزار آدمیوں کے ساتھ علیحدہ جنگ کے مقام میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی۔ تو جب دیکھا کہ امام حسن صلح کر چکے ہیں۔ مجبوراً معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ اور امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اور ان سے پوچھا۔ کہ میں بیعت کر لوں؟ آپ نے امام حسن رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ وہ میرے امام ہیں۔ اور اس معاملہ میں اختیار انہیں کو ہے۔ لوگوں نے بہت کہا لیکن "قیس" نے بیعت کے لیے ہاتھ نہ بڑھایا حتیٰ کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کرسی سے

نیچے اُترے۔ اور اپنا ہاتھ اُن کے ہاتھ پر رکھا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق "قیس" نے اس وقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔ جب کہ امام حسن رضی اللہ عنہ نے انہیں بیعت کر لینے کا حکم دیا تھا۔

نوٹ:-

مذکورہ بالا عربی اور فارسی حوالہ جات میں لفظ "بیعت" جو صراحۃً موجود ہے "جلاء العیون" کے مترجم "سید عبد الحسین شیعی" نے اس کا ترجمہ لفظ "صلح" سے کیا ہے۔ ملاحظہ ہو جلاء العیون مترجم ص۴۱۸ جلد اول۔ اور "قیس" کو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا بیعت کرنے کا حکم دینا اس بات کو اس مترجم نے ترجمہ میں بالکل ہی کاٹ دیا ہے۔ اس کے لیے ملاحظہ ہو۔ اسی کتاب کا ص۴۱۲۔ یہ ہے اندھا تعصب۔ خدا ہدایت دے۔

ایک بے بنیاد الزام کی تردید:-

جب شیعہ حضرات اپنی کتب میں بہت سے دلائل ایسے پاتے ہیں۔ جن میں حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا ثابت ہوتا ہے۔ تو اس حقیقت سے انکار کے لیے اُن کے ہاں بہت سے الزامات تراشے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ الزام بھی ہے۔ اور غالباً یہی بنیادی الزام ہے۔ کہ جن شرائط پر فریقین میں صلح طے پائی تھی۔ اور بیعت وجود میں آئی تھی۔ اُن میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عہد شکنی کی۔ جس کی وجہ سے حسنین کریمین نے بیعت توڑ دی۔ آیئے اس الزام کی صداقت کو دیکھیں۔ ہم انہی کی کتب سے

ثابت کریں گے۔ کہ یہ الزام غلط ہے۔ اور خود انہوں نے بھی اس کی تردید کی ہے۔
ملاحظہ فرمائیے۔

امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی ہے لہٰذا ہم اس کو کسی حالت میں نہیں توڑیں گے

الاخبار الطوال :۔

قَالَ فَخَرَجَ مِنْ عِنْدِهٖ ۔ وَدَخَلَ عَلَى الْحُسَيْنِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَعَ عُبَيْدَةَ بْنِ عَمْرٍو فَقَالَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ! شَرَيْتُمُ الذُّلَّ بِالْعِزِّ وَقَبِلْتُمُ الْقَلِيْلَ وَتَرَكْتُمُ الْكَثِيْرَ، اَطِعْنَا الْيَوْمَ، وَاَعْصِنَا الدَّهْرَ، دَعِ الْحَسَنَ وَمَا رَاٰى مِنْ هٰذَا الصُّلْحِ وَاَجْمِعْ اِلَيْكَ شِيْعَتَكَ مِنْ اَهْلِ الْكُوْفَةِ وَغَيْرِهَا وَوَلِّنِيْ وَصَاحِبِيْ هٰذِهِ الْمُقَدِّمَةَ فَلَا يَشْعُرُ ابْنُ هِنْدٍ اِلَّا وَنَحْنُ نُقَارِعُهٗ بِالسُّيُوْفِ فَقَالَ الْحُسَيْنُ اِنَّا قَدْ بَايَعْنَا وَعَاهَدْنَا وَلَا سَبِيْلَ اِلٰى نَقْضِ بَيْعَتِنَا ۔

(الاخبار الطوال طبع بیروت ص ۲۲۰ تذکرہ زیاد بن ابیہ)

ترجمہ: حجر بن عدی امام حسن رضی اللہ عنہ کو سخت ملامت کرنے کے بعد باہر نکلا۔ اور عبیدہ بن عمرو کے ساتھ امام حسین رضی اللہ عنہ کے

بَایَعْتُمُوْنِیْ عَلٰی اَنْ تُسَالِمُوْنَ مَنْ سَالَمْتُ وَتُحَارِبُوْنَ مَنْ حَارَبْتُ فَرَاَیْتُ اَنْ اُسَالِمَ مُعَاوِیَۃَ وَاَضَعَ الْحَرْبَ بَیْنِیْ وَبَیْنَہٗ وَقَدْ بَایَعْتُہٗ وَرَاَیْتُ حَقْنَ الدِّمَاءِ خَیْرًا مِنْ سَفْکِھَا وَلَمْ اُرِدْ بِذٰلِکَ اِلَّا صَلَاحَکُمْ

(کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد اول ص۵۷۱ طبع تبریز تذکرہ امام حسن فی کلامہ)

ترجمہ: جب صلح مکمل ہوئی۔ اور کام ختم ہو گیا۔ تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امام حسن رضی اللہ عنہ سے التماس کی۔ کہ لوگوں کے مجمع میں بتلائیں۔ کہ انہوں نے معاویہ کی بیعت کر لی ہے۔ اور امامت کا معاملہ ان کے سپرد کر دیا ہے۔ تو امام حسن رضی اللہ عنہ نے اس کو قبول فرما کر خطبہ دیا۔ لوگ جمع ہو چکے تھے۔ اللہ کی حمد اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کے بعد فرمایا۔ جیسے یوں نقل کیا گیا ہے۔ یہ سب سے زیادہ عقل مند وہ ہے۔ جو متقی ہو۔ اور سب سے زیادہ بے وقوف وہ جو فاجر ہو۔ اگر تم پوری دنیا میں ایسا آدمی تلاش کرو گے۔ کہ جس کے نانا رسول خدا ہوں۔ تو میرے اور میرے بھائی حسین کے بغیر تمہیں کوئی نہیں ملے گا۔ اور تم بخوبی جانتے ہو۔ کہ اللہ نے تمہیں میرے نانا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہدایت دی۔ پھر تمہیں گمراہی سے نکالا۔ جہالت دور کی، ذلت کے بعد عزت دلائی۔ قلت کے بعد بہتات بخشی۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے اس بارے میں اختلاف کیا۔ کہ خلافت میرا حق ہے اُن کا نہیں۔ تو میں نے اُمت کی بہتری کو دیکھا۔ اور فتنہ کو ختم کرنا چاہا۔ تم نے مجھ سے اس شرط پر بیعت کی تھی۔ کہ

جس سے میری مصالحت ہو گی اس سے تمہاری بھی صلح ہو گی۔ اور جس سے میں لڑوں گا۔ وہ تمہارا بھی دشمن ہو گا۔ تو میں نے سوچا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لوں۔ اور لڑائی ختم کر دوں۔ میں ان کی بیعت کر چکا ہوں۔ اور سمجھتا ہوں۔ کہ خونریزی سے حفاظت خون بہتر ہے۔ یہ سب کچھ میں نے تمہاری بہتری کی خاطر ہی کیا ہے۔

امام حسین رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت کا کبھی ارادہ نہیں کیا

الاخبار الطوال :۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق مؤرخ دینوری شیعی نے "اخبار الطوال" میں نقل کیا۔ کہ جب امام حسن رضی اللہ عنہ کی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت پختہ ہو گئی۔ تو امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس کوفہ کے کچھ شیعہ آئے۔ جب اس بات کا علم مدینہ کے حاکم "مروان بن حکم" کو ہوا۔ تو انہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں پوچھا۔ کہ آپ مجھے اس معاملہ میں کوئی کاروائی کرنے کا حکم دیں۔ اس کے جواب میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

فَكَتَبَ اِلَيْهِ مُعَاوِيَةُ لَا تَعَرَّضْ لِلْحُسَيْنِ فِيْ شَيْءٍ فَقَدْ بَايَعَنَا وَلَيْسَ بِنَاقِضٍ بَيْعَتَنَا وَلَا مُخْفِرٍ ذِمَّتَنَا وَكَتَبَ اِلَى الْحُسَيْنِ۔ اَمَّا بَعْدُ! فَقَدِ انْتَهَتْ اِلَيَّ الْاُمُوْرُ عَنْكَ لَسْتَ بِهَا حَرِيًّا لِاَنَّ مَنْ اَعْطٰى صَفْقَةَ يَمِيْنِهٖ جَدِيْرٌ بِالْوَفَاءِ فَاعْلَمْ رَحِمَكَ اللّٰهُ اَنِّيْ مَتٰى اُنْكِرُكَ تَسْتَنْكِرُنِيْ

وَمَتٰى تَكِدْنِي اَكِدْكَ فَلَا يَسْتَفِزَّنَّكَ السُّفَهَاءُ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ الْفِتْنَةَ وَالسَّلَامُ فَكَتَبَ اِلَيْهِ الْحُسَيْنُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَا اُرِيْدُ حَرْبَكَ وَلَا الْخِلَافَ عَلَيْكَ. قَالُوْا وَلَمْ يَرَ الْحَسَنُ وَلَا الْحُسَيْنُ طُوْلَ حَيَاةِ مُعَاوِيَةَ مِنْهُ سُوْءً اِفِيْ اَنْفُسِهِمَا وَلَا مَكْرُوْهًا وَلَا قَطَعَ عَنْهُمَا شَيْئًا مِمَّا كَانَ شَرَطَ لَهُمَا وَلَا تَغَيَّرَ لَهُمَا مِنْ بِرٍّ.

(الاخبار الطوال صـ۲۲۵) امیر معاویہ و عمرو ابن العاص

ترجمہ: امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مروان کو لکھا۔ کہ امام حسین کے ساتھ کسی طرح بھی تعرض نہ کرنا۔ وہ ہماری بیعت کر چکے ہیں۔ اور اس کو توڑنے والے نہیں۔ اور نہ ہی عہد شکنی کریں گے۔

امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرف امیر معاویہ نے یوں لکھا۔ امابعد۔ آپ کی طرف سے کچھ باتیں مجھے پہنچیں۔ جو آپ کے شایان شان نہیں۔ کیونکہ جو شخص دائیں ہاتھ سے بیعت کر لیتا ہے۔ وہ بے وفائی نہیں کرتا۔ جان لیجئے! جب تک میں آپ کو اچھا نہ سمجھوں گا آپ بھی مجھے اچھا نہ سمجھیں۔ اور جب آپ بے وفائی کریں گے۔ تو مجھ سے وفا کی امید نہ ہو گی۔ لہذا گذارش ہے۔ کہ فتنہ پرداز لوگ اور بے وقوف آدمی آپ کو بے آرام کرنے کے درپے ہیں۔ والسلام

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اس خط کے جواب میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یوں تحریر فرمایا۔ میں نہ تو آپ سے لڑائی کا خواہشمند ہوں۔ اور نہ ہی مخالفت کا۔ مؤرخین کا قول ہے۔ کہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما نے پوری زندگی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کوئی ناپسندیدہ اور بری بات نہ دیکھی نہ سنی۔ اور نہ ہی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان شرائط سے روگردانی کی۔ جو ان کے درمیان بوقت صلح طے ہوئی تھیں۔

اور نہ ہی کسی اچھائی میں کمی آنے دی۔

امام حسین رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ کے مخالف امت میں تفرقہ ڈالنے والے میں مقتل ہے۔

شیعہ کے مجتہد اوّل "ابومخنف" نے اپنی مقتل میں ذکر کیا ہے۔ کہ جب امام حسن رضی اللہ عنہ انتقال فرما گئے۔ کوفی شیعوں نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو ان کے بھائی کی تعزیت میں اس قسم کے الفاظ لکھنے اور کہنے شروع کر دیئے۔ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَکَ وَاَعْلٰی شَانَکَ وَرَفَعَ قَدْرَکَ وَرَدَّ عَلَیْکَ حَقَّکَ اللہ آپ کا سینہ کشادہ فرمائے۔ شان بلند کرے۔ عزت زیادہ کرے۔ اور آپ کا حق آپ کو واپس دلائے خطوط تعزیت کے بعد ان کا آنا جانا شروع ہوا۔ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی۔ تو انہوں نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو بایں عنوان خط لکھا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ مِنْ مُعَاوِیَةَ بْنِ اَبِیْ سُفْیَانَ۔ اَمَّا بَعْدُ! فَقَدْ بَلَغَنِیْ عَنْکَ اُمُوْرٌ وَّاَسْبَابٌ قَدِ انْتَهَتْ اِلَیَّ وَ اَظُنُّهَا بَاطِلَةً وَلَعَمْرِیْ اَنَّهٗ اِنْ کَانَ مَا بَلَغَنِیْ عَنْکَ کَمَا ظَنَنْتُ فَاَنْتَ بِذٰلِکَ اَسْعَدُ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفٰی مَنْ تَحْمِلُنِیْ عَلٰی اَنْ اَقْطَعَکَ فَاِنَّکَ مَتٰی تَکِدْنِیْ اَکِدْکَ وَمَتٰی تُکْرِمْنِیْ اُکْرِمْکَ وَلَا تَشُقَّ عَصَا هٰذِهِ الْاُمَّةِ فَقَدْ خَبَرْتَهُمْ وَبَلَوْتَهُمْ فَانْظُرْ لِنَفْسِکَ وَلِدِیْنِکَ وَلَا یَسْتَخِفَّنَّکَ السُّفَهَآءُ الَّذِیْنَ لَا

يَعْلَمُوْنَ ۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ ۔ قَالَ وَكَتَبَ الْحُسَيْنُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كِتَابًا يَقُوْلُ فِيْهِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ اَمَّا بَعْدُ ! فَقَدْ وَصَلَنِيْ كِتَابُكَ وَفَهِمْتُ مَا ذَكَرْتَ وَمَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ اَنْقُضَ عَهْدًا عَهِدَهٗ اِلَيْكَ اَخِي الْحَسَنُ وَاَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنَ الْكَلَامِ فَاِنَّهٗ اَوْصَلَهٗ اِلَيْكَ الْوُشَاةُ الْمُلْقُوْنَ بِالنَّمَائِمِ الْمُفَرِّقُوْنَ بَيْنَ الْجَمَاعَاتِ فَاِنَّهُمْ وَاللّٰهِ يُكَذِّبُوْنَ فَلَمَّا وَصَلَ الْكِتَابُ اِلٰى مُعَاوِيَةَ بْنِ اَبِيْ سُفْيَانَ اَمْسَكَ عَنْهُ وَلَمْ يُجِبْهُ وَاَوْصَلَهٗ وَلَمْ يَقْطَعْ صِلَتَهٗ وَكَانَ يَبْعَثُ اِلَيْهِ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ اَلْفَ اَلْفِ دِيْنَارٍ سِوَى الْهَدَايَا مِنْ كُلِّ صِنْفٍ ۔

(مقتل ابی مخنف ص ۶ طبع نجف اشرف) در مقدمہ

ترجمہ: بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ یہ خط معاویہ بن ابی سفیان کی طرف سے ہے ۔ اما بعد ۔ مجھے تمہاری طرف سے چند باتیں پہنچیں ۔ اور کچھ ایسے اسباب سننے میں آئے ۔ اور میں تو انہیں باطل ہی سمجھتا ہوں ۔ اپنی عمر کی قسم ! اگر آپ کی طرف سے جو باتیں پہنچیں ۔ وہ میرے گمان کے مطابق ہیں ۔ تو پھر آپ بہت سعادت مند ہیں ۔ اور اللہ کے عہد کو بہت زیادہ پورا کرنے والے ہیں ۔ لہذا میں آپ سے قطع تعلق نہیں کروں گا ۔ اس لیے کہ جب تک آپ بے وفائی نہ کریں گے ۔ میں بھی نہ کروں گا ۔ آپ میری عزت کریں گے ۔ میں آپ کی عزت کروں گا ۔ اس امت کے

اتفاق کی قوت کو نہ توڑنا۔ آپ نے کوفیوں کو جان پہچان لیا ہے۔ آپ اپنی ذات کے لیے اپنے دین کا خیال فرمائیے۔ اور بے علم، بے وقوف لوگ آپ کو پریشان نہ کریں۔ والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

امام حسین رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں لکھا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ امابعد آپ کا رقعہ ملا۔ اس کی تحریر کو سمجھا۔ میرے بھائی امام حسن رضی اللہ عنہ نے جو آپ سے معاہدہ کیا۔ (اللہ کی پناہ) میں اُسے نہیں توڑوں گا۔ اور جو باتیں آپ نے لکھیں۔ وہ چغلخوروں، غیبت کرنے والوں اور مسلمانوں کی جماعتوں کے درمیان جدائی ڈالنے والوں نے کیں۔ خدا کی قسم! وہ جھوٹ بکتے ہیں۔

جب یہ رقعہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ملا۔ آپ اپنے ارادے سے رُک گئے۔ اور کوئی جواب نہ دیا۔ اور اس کی بجائے صلہ رحمی سے کام لیا۔ اور ان کے عطایا و ہدایا میں کوئی کمی نہ آنے دی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ انہیں ہر سال دس لاکھ دینار دیا کرتے تھے۔ یہ ان تحائف اور انعامات کے علاوہ تھے۔ جو امیر معاویہ ہر قسم کی اشیاء میں سے امام موصوف کو دیا کرتے تھے۔

مذکورہ چار دلائل سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے

۱۔ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما نے بخوشی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی۔ اور تا زندگی اس بیعت کو نہیں توڑا۔

۲۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے دس لاکھ دینار ہر سال امام حسین رضی اللہ عنہ کو بطور امداد ملا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ دیگر تحائف اور ہدایا بھی تھے۔

۳۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خواہش کو پورا کرتے ہوئے امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے لواحقین اور دوستوں کے مجمع میں یہ اعلان فرمایا۔ کہ جب تم لوگوں پر میری اطاعت لازم ہے۔ تو میں اعلان کرتا ہوں۔ کہ میں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی ہے۔ لہٰذا تمہیں اس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔

۴۔ شیعہ لوگوں نے حسنین کریمین کو دو مرتبہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اکسایا۔ ایک اس وقت جب کہ یہ حضرات بیعت کر چکے۔ تو ان نام نہاد محبوں نے بیعت توڑ دینے پر اکسایا۔ اور کہنے لگے۔ آپ بیعت توڑ دیں۔ ہم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے نپٹ لیں گے۔ تو اس پر حسنین کریمین نے صاف صاف انکار کر دیا۔

دوسری مرتبہ امام حسین رضی اللہ عنہ کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت توڑنے پر اکسایا۔ جب کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ لیکن جب شیعہ لوگوں کی عہد شکنی پر مجبور کرنے کی خبریں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچیں۔ اور امیر معاویہ نے امام حسین سے حقیقت حال کی وضاحت طلب کی۔ تو امام موصوف نے تمام شکوک و شبہات رفع کر دیئے۔ اور قسمیہ بیان فرمایا۔ کہ یہ خبریں اڑانے والے چغلخور اور امت کے بدخواہ لوگ ہیں۔ ہمارا اس قسم کا کوئی ارادہ نہیں۔ بلکہ ہم پہلے کی طرح اپنے درمیان کیے گئے معاہدوں پر بدستور قائم ہیں۔ اور قائم رہیں گے۔

خلاصہ کلام :۔

جیسا کہ آپ پچھلے حوالہ جات میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے قسمیہ بیان فرمایا۔ کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ہمیں کوئی رنجش نہیں۔ اور نہ ہی

اس عہد کو توڑنے کی ہم سوچ سکتے ہیں۔ جو ان کے اور امام حسن کے درمیان طے ہوا تھا۔ بلکہ ہمیں اس کے خلاف اکسانے والے چغل خور اور امت کے بدخواہ لوگ ہیں۔ نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو قسمیہ کہیں۔ کہ امیر معاویہ نے ہم سے کسی قسم کی عہد شکنی نہ کی۔ اور ہم نے ان کی بیعت تادم آخر برقرار رکھی۔ لیکن آج کل کے "ذاکرین" بے لگام یہ ثابت کرنے میں کوشاں ہیں۔ کہ امیر معاویہ نے عہد شکنی کی۔ اور امام موصوف نے بیعت توڑ دی۔ ان پرانے کذابوں اور فتنہ پرور لوگوں کی بات درست ہے۔ یا نواسۂ رسول کا ارشاد حق ہے۔

اس صاف صاف وضاحت کے بعد بھی جو "نام نہاد محبِ اہل بیت" امیر معاویہ کی شان میں نازیبا الفاظ بکے۔ اور سب وشتم سے زبان گندی کرے۔ اس کا امام حسین رضی اللہ عنہ سے کیا تعلق ؟ گویا اس طرح یہ لوگ امام موصوف کی کھلم کھلا خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ اور اپنی عاقبت برباد کیے جا رہے ہیں۔

حسنین کریمین کی مخالفت سے بچو۔ اپنی عقیدت و محبت درست کرو۔ اللہ ہدایت دے۔

ایک غلط پروپیگنڈا کی تردید

شیعہ لوگوں نے عوام کو حقیقت حال سے بے خبر پا کر انہیں گمراہ کرنے کی خاطر ایک چال یہ چلی ہے۔ کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان کے حکم سے خطیب حضرات حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور تمام اہل بیت پر برسر منبر تبرا بازی کرتے تھے۔ (معاذ اللہ) جس کا ثبوت وہ کتب اہل سنت و جماعت سے پیش کرنے کی جسارت کرتے ہیں ان کے سامنے اس معاملہ میں چار کتابیں

(طبقات ابن سعد، تاریخ طبری البدایہ والنہایہ۔ کامل ابن اثیر) میں۔ میں ان کے وہ مقام لکھتا ہوں۔ جو ان حضرات کے لیے دلیل بنے۔ اور آخر میں ان کے جوابات عرض کروں گا۔ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

(۱) کامل ابن اثیر:۔

وَقَدْ اَرَدْتُ اِیْصَاءَکَ بِاَشْیَاءَ کَثِیْرَۃٍ اَنَا تَارِکُھَا اِعْتِمَادًا عَلٰی بَصَرِکَ وَلَسْتُ تَارِکًا اِیْصَاءَکَ بِخَصْلَۃٍ لَا تَتْرُکْ شَتْمَ عَلِیٍّ وَذَمَّہٗ وَالتَّرَحُّمَ عَلٰی عُثْمَانَ وَالْاِسْتِغْفَارَ لَہٗ وَالْعَیْبَ لِاَصْحَابِ عَلِیٍّ وَالْاِقْصَاءَ لَھُمْ۔

(کامل ابن الاثیر جلد سوم ص۴۷۲ ذکر مقتل حجر بن عدی وعمرو بن الحمق واصحابہما)

ترجمہ: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب "مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ" کو کوفہ کا والی بنا کر بھیجا۔ تو کہا! میں چاہتا ہوں۔ کہ تجھے بہت سی باتوں کی وصیت کروں۔ لیکن ان کو تیری صوابدید پر چھوڑتا ہوں۔ لیکن ایک وصیت لازم ہے۔ کہ حضرت علی پر سب وشتم ترک نہ کرنا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے دعائے رحمت واستغفار کرنا اور اصحاب علی کے عیب بیان کرنا اور ان سے کنارہ کش ہونا۔

(۲) طبقات ابن سعد:۔

اَخْبَرَنَا عَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ لُوْطِ بْنِ یَحْیَی الْغَامِدِیْ

قَالَ كَانَ الْوُلَاةُ مِنْ بَنِيْ اُمَيَّةَ قَبْلَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ يَشْتِمُوْنَ عَلِيًّا رَحِمَ اللّٰهُ فَلَمَّا وَلِيَ عُمَرُ اَمْسَكَ عَنْ ذٰلِكَ ۔

(طبقات ابن سعد جلد پنجم ص۲۹۳ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ: لوط بن یحییٰ غامدی نے کہا۔ کہ بنی امیہ کے والیانِ حکومت حضرت عمر بن عبدالعزیز سے قبل حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالی گلوچ دیا کرتے تھے۔ پھر جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بنے۔ تو آپ نے اس سے منع کر دیا۔

۳ تاریخ طبری:۔

اِنَّ مُعَاوِيَةَ بْنِ اَبِيْ سُفْيَانَ لَمَّا وَلّٰى الْمُغِيْرَةَ بْنَ شُعْبَةَ الْكُوْفَةَ فِيْ جَمَادِيْ سنہ ۴۱ ھ وَدَعَاهُ وَقَالَ اَرَدْتُ اِيْصَاءَكَ بِاَشْيَاءَ كَثِيْرَةٍ فَاَنَا تَارِكُهَا اِعْتِمَادًا عَلٰى بَصَرِكَ بِمَا يُرْضِيْنِيْ وَيُسْعِدُ سُلْطَانِيْ وَيَصْلَحُ بِهٖ رَعِيَّتِيْ وَلَسْتُ تَارِكًا اِيْصَاءَكَ بِخَصْلَةٍ لَا تَتَحَمَّ عَنْ شَتْمِ عَلِيٍّ وَذَمِّهٖ وَالتَّرَحُّمِ عَلٰى عُثْمَانَ وَالْاِسْتِغْفَارِ لَهٗ وَالْعَيْبِ عَلٰى اَصْحَابِ عَلِيٍّ وَالْاِقْصَاءِ لَهُمْ وَتَرْكِ الْاِسْتِمَاعِ لَهُمْ ۔

(تاریخ طبری جلد سوم جز ششم ص۱۴۱ ذکر سنہ احدی وخمسین)

ترجمہ: امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو ۴۱ سن ہجری ماہ جمادی میں کوفہ کا والی مقرر فرمایا۔ تو انہیں بلا کر کہا۔ میں کئی امور کی تمہیں وصیت کرنا چاہتا تھا۔ لیکن ان کو تمہاری صوابدید پر چھوڑتا ہوں۔ مجھے اعتماد ہے۔ کہ تم ہر وہ بات کرو گے۔ جو

مجھے پسند ہو گی۔ اور میری حکومت کے لیے اچھی ہو گی۔ اور میری رعیت کی بہتری میں ہو گی۔ لیکن ایک بات کی تمہیں ضرور وصیت کئے دیتا ہوں۔ کہ "علی" پر سب وشتم اور ان کی مذمت ختم نہ ہونی چاہیئے۔ اور حضرت عثمان کے لیے دعائے رحمت واستغفار کرنا "علی" کے ساتھیوں کی عیب جوئی کرنا۔ اور ان کی کوئی بات نہ سننا۔

(۴) البدایہ والنہایہ:

وَلَمَّا كَانَ مُتَوَالِيًا عَلَى الْمَدِيْنَةِ لِمُعَاوِيَةَ كَانَ يَسُبُّ عَلِيًّا كُلَّ جُمُعَةٍ عَلَى الْمِنْبَرِ وَقَالَ لَهُ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ لَقَدْ لَعَنَ اللّٰهُ اَبَاكَ الْحَكَمَ وَاَنْتَ فِيْ صُلْبِهٖ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهٖ فَقَالَ لَعَنَ اللّٰهُ الْحَكَمَ وَمَا وَلَدَ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

(البدایہ والنہایہ جلد چہارم جزء ہشتم ص ۲۵۹ مطبوعہ بیروت و ریاض ذکر ترجمہ مروان بن الحکم)

ترجمہ: امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے جب "مروان بن الحکم" مدینہ منورہ کا والی مقرر ہوا۔ تو ہر جمعہ بر سر منبر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو گالی گلوچ کیا کرتا تھا۔ حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے اس کو کہا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ تیرے باپ "حکم" پر لعنت بھیجی۔ اس وقت تو اپنے باپ کی پشت میں تھا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں کہا۔ "اللہ تعالیٰ لعنت بھیجے "حکم" اور اس کی اولاد پر۔

اب آیئے ان کے جوابات سنیں۔ اور فیصلہ کریں۔ حق کیا ہے۔ باطل کیا ہے۔

جواب اوّل:۔

لعن طعن کے ثبوت میں مندرجہ روایات قابل استدلال نہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اہل سنت اور شیعہ دونوں کے نزدیک کسی مسلمان کا نام لے کر لعن طعن کرنا جائز نہیں۔ اور اس قسم کا مفروضہ صحابہ کرام کے لیے کب روا ہو سکتا ہے۔ حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کے کامل الایمان اور منبع ولایت ہونے میں کسے اختلاف ہے۔ تو بفرض محال اگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے کسی والی گورنر مثلاً "مروان بن حکم" کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کا کہا ہو۔ تو صحابہ کرام اس کی تائید کب کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اللہ رب العزت نے "لا تعاونوا علی الاثم والعدوان" فرما کر اس امر کی ممانعت کر دی ہے۔ اب اگر ان صحابہ کرام کے ہوتے ہوئے کوئی شخص بر سر منبر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں سب وشتم کرتا ہے۔ تو ان کا ایسے شخص کے پیچھے نمازیں ادا کرنا کیوں کر ممکن۔ حالانکہ اس وقت بہت سے صحابہ موجود تھے۔ اور ان امراء کے پیچھے نمازیں بھی ادا کرتے رہے۔ لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ روایات مذکورہ عقلاً قابل استدلال نہیں۔

جواب دوم:۔

ان روایات کو اگر فن روایت کے اعتبار سے دیکھا جائے۔ تو بھی قابل استدلال نہیں۔ "کامل ابن اثیر" کی ذکر کردہ روایت میں اگرچہ اس کی سند مذکور نہیں۔ لیکن خود "ابن اثیر" مقدمہ میں لکھ چکے۔ کہ میری کتاب کا ماخذ "تاریخ طبری" ہے۔ تو یہ بات کافی حد تک درست معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ روایت مذکورہ کے الفاظ جو "طبری" کے اندر مذکور ہیں۔ ان میں معمولی کمی بیشی کے ساتھ "ابن اثیر" نے نقل کیے۔ لہٰذا سند دونوں کی ایک ہی ہو گی۔ اور "طبری" کی روایت میں "ہشام بن محمد کلبی"،

اور ''لوط بن یحییٰ ابو مخنف'' ایسے راوی ہیں۔ جو دونوں فن روایت میں مجروح ہیں۔

لسان المیزان:۔

لُوْطُ بْنُ يَحْيٰى اَبُوْ مَخْنَفٍ. اِخْبَارِيٌّ تَالِفٌ لَا يُوْثَقُ بِهٖ تَرَكَهٗ اَبُوْحَاتِمٍ وَغَيْرُهٗ وَقَالَ الدَّارُ قُطْنِيُّ ضَعِيْفٌ وَقَالَ يَحْيَى بْنُ مُعِيْنٍ لَيْسَ بِثِقَةٍ وَ قَالَ مُرَّةُ لَيْسَ بِشَيْءٍ وَ قَالَ ابْنُ عَدِيٍّ شِيْعِيٌّ مُحْتَرِقٌ صَاحِبُ اَخْبَارِهِمْ.

(لسان المیزان جلد چہارم ص۴۹۲ مطبوعہ بیروت حرف اللام)

ترجمہ: لوط بن یحییٰ ابو مخنف اخباری آدمی ہے۔ ناقابل وثوق ہے۔ ابوحاتم وغیرہ نے اس کی روایت کو چھوڑ دیا۔ اور دارقطنی نے ''ضعیف'' کہا۔ یحییٰ بن معین نے ''لیس بثقة'' اور مرة نے ''لیس بشیء'' کہا۔ ابن عدی کا کہنا ہے۔ کہ یہ شیعی جلنے والا ہے۔ قصہ کہانیاں کہنے والا ہے۔

بعینہٖ یہی الفاظ اس راوی کے بارے میں ''میزان الاعتدال جلد دوم ص۳۶۰ مطبوعہ بیروت حرف اللام'' میں آئے ہیں۔

میزان الاعتدال:۔

هِشَامُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ السَّائِبِ الْكَلْبِيُّ. قَالَ اَحْمَدُ بْنُ

حَنْبَلٍ اِنَّمَا كَانَ صَاحِبَ سَمَرٍ وَنَسَبٍ مَا ظَنَنْتُ اَنَّ اَحَدًا يُحَدِّثُ عَنْهُ وَقَالَ الدَّارَقُطْنِيُّ وَغَيْرُهٗ مَتْرُوْكٌ وَقَالَ ابْنُ عَسَاكِرٍ رَافِضِيٌّ لَيْسَ بِثِقَةٍ۔

(میزان الاعتدال جلد سوم ص۲۵۶ حرف الہاء مطبوعہ مطبع سعادت مصر طبع قدیم)

ترجمہ: امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "ہشام بن محمد بن سائب کلبی" قصہ کہانیاں اور نسب بیان کرنے کا ماہر تھا۔ میں نہیں گمان کرتا کہ کسی ایک محدث نے بھی اس سے روایت کی ہو۔ دارقطنی وغیرہ نے "متروک" کہا۔ اور ابن عساکر نے "رافضی غیر موثوق" کہا۔

بعینہٖ یہی الفاظ اس راوی کے بارے میں "لسان المیزان جلد ششم ص۱۹۶ حرف الہاء مطبوعہ بیروت طبع جدید) میں مذکور ہیں، یہ تھی تحقیق ان دو راویان روایت مذکور کی جب خود ان کا یہ حال تو ان کی روایت سے کیسے استدلال؟

"طبقات ابن سعد" کی روایت تو صاف طور پر "لوط بن یحییٰ غامدی" سے مروی ہے۔ اور خود اس کا سن وفات ۱۵۷ھ ہے۔ حالانکہ ثابت یہ کرنا چاہتا ہے۔ کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد سے عمر بن عبدالعزیز تک تمام خلفائے بنی امیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہتے رہے۔ تو خود اس دور کے اندر یہ تھا ہی نہیں۔ تو اسے کیسے معلوم ہو گیا کہ اس دور کے خطباء اور والیانِ مملکت بر سر منبر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب و شتم کیا کرتے تھے۔ اسی سے آپ اس کی صداقت و وثوق کا پتہ چلا سکتے ہیں۔

"البدایہ والنہایہ" میں مذکور روایت کی سند بالکل مفقود ہے۔ اس کی تخریج معدوم۔ جس کی بنا پر اس کی صحت و عدم صحت پر فیصلہ ناممکن۔ تو بادی النظر میں اس طرح

روایت کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کی سند ملی ہی نہیں۔ تو ایسی بے سند روایت قابل استدلال نہیں ہوتی۔

جواب سوم:۔

جس طرح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے لعن طعن کی روایات کتب میں موجود ہیں۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایسی ہی روایات پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ تاریخ طبری جزء ۶ ص ۱۴۲ میں ہے۔ اَنَّ حَجَرًا اِجْتَمَعَ عَلَیْہِ شِیْعَۃُ عَلِیٍّ وَّ یُظْہِرُوْنَ لَعْنَ مُعَاوِیَۃَ وَالْبَرَاءَۃَ مِنْہُ۔

”حجر بن عدی“ نے شیعان علی کو جمع کیا۔ اور حضرت امیر معاویہ پر لعن طعن شروع کر دیا۔ اسی طرح ”تاریخ کبیر امام بخاری جلد سوم ص ۳۶ باب حنظلہ“ میں ہے۔ عَنْ مُغِیْرَۃَ قَالَ خَرَجَ عَدِیُّ بْنُ حَاتِمٍ وَجَرِیْرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ وَحَنْظَلَۃُ کَاتِبُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الْکُوْفَۃِ اِلٰی قَرْقِیْسِیَۃَ وَقَالُوْا لَا نُقِیْمُ بِبَلْدَۃٍ یُشْتَمُ فِیْہِ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ۔

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عدی بن حاتم، جریر بن عبد اللہ اور کاتب رسول اللہ حضرت حنظلہ کوفہ سے قرقیسیہ جانے کے لیے نکلے۔ اور انہوں نے آپس میں کہا۔ کہ ہم کسی ایسی بستی اور شہر میں نہیں رکیں گے۔ جس میں عثمان بن عفان کو گالی دی جاتی ہو۔

جب لعن طعن کی روایات دونوں طرف سے موجود ہیں۔ تو ہمیں ان لغویات میں کسی کو ترجیح دینے کی کیا ضرورت ہے۔ کیونکہ قرآن و حدیث میں اس کی ممانعت وارد ہے۔ جب کہ لعن طعن سے منع کرنے والی روایات حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے ہم نقل کر چکے ہیں۔ تو ان تمام باتوں کو مدِ نظر رکھ کر ان روایات کا کیا مقام ہو سکتا ہے۔ جو بلا سند اور مجروح ہوں۔

جن کے راویوں کے بارے میں "لاشئ" ، "لیس بثقة" ، اور شیعی محترق جیسے الفاظ مذکور ہوئے۔ لہٰذا یہ روایات قطعاً قابل اعتبار نہیں۔

جواب ۴:

اگر ان روایات کو درست بھی قرار دیا جائے۔ تو لفظ "سب" کا معنی صرف گالی گلوچ ہی نہیں۔ بلکہ "سخت کلامی" بھی آیا ہے۔ اس معنی میں ان روایات میں کچھ صداقت ہو سکتی ہے۔ لفظ "سب" کو "سخت کلامی" کے مفہوم میں لینا خود حدیث میں موجود ہے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ "مالِ فَے" میں جھگڑتے ہوئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔

بخاری شریف:-

فَلَمَّا دَخَلَا قَالَ عَبَّاسٌ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْضِ بَيْنِيْ وَبَيْنَ هٰذَا وَهُمَا يَخْتَصِمَانِ فِي الَّتِيْ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ بَنِي النَّضِيْرِ فَاسْتَبَّ عَلِيٌّ وَعَبَّاسٌ۔

(بخاری شریف جلد دوم ص۵۷۵)

ترجمہ: جب دونوں حضرات فاروق اعظم کے پاس تشریف لائے۔ تو حضرت عباس نے کہا۔ اے امیر المومنین! میرے اور ان کے درمیان فیصلہ فرمائیے۔ دونوں کا جھگڑا "بنی نضیر" کے مالِ فے میں تھا۔ اور دونوں (سب کر رہے تھے یعنی) ایک دوسرے سے سخت کلامی کر رہے تھے۔ (یہاں ایک دوسرے کو گالی دینا درست نہیں بنتا کیونکہ دونوں آپس میں چچا، بھتیجا تھے۔

"موطا امام مالک" میں ہے۔ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم "تبوک" کی طرف روانہ ہوئے۔ تو آپ نے ساتھیوں سے فرمایا۔ تم انشاء اللہ کل "چشمۂ تبوک" پر پہنچ جاؤ گے۔ لیکن چاشت کے وقت کے بعد۔ پھر فرمایا۔ میرے آنے سے قبل پانی کو ہاتھ نہ لگانا۔

فَجِئْنَاهَا وَقَدْ سَبَقَنَا اِلَيْهَا رَجُلَانِ وَ الْعَيْنُ تَبُضُّ بِشَيْءٍ مِنْ مَاءٍ فَسَأَلَهُمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ مَسَسْتُمَا مِنْ مَاءِهَا شَيْئًا فَقَالَا نَعَمْ فَسَبَّهُمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ قَالَ لَهُمَا مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَّقُوْلَ۔

ترجمہ: ہم وہاں پہنچے۔ اور ہم میں دو آدمی پہلے ہی پہنچ چکے تھے چشمہ کا پانی چمک رہا تھا۔ ان دونوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔ کیا تم نے اس کا پانی پیا۔ اور اس کو ہاتھ لگایا۔ کہنے لگے ہاں یا رسول اللہ! تو آپ نے انہیں "سب" کیا یعنی ڈانٹ پلائی۔ اور اللہ نے جو چاہا۔ آپ نے انہیں کہا۔

ان تمام سطور سے ثابت یہ ہوا۔ کہ اوّل تو مذکورہ روایات قابل استدلال نہیں۔ اور اگر کچھ صداقت ہو تو بھی اس سے مراد "سخت کلامی" ہوگی۔ جس کا مقصد یہ ہو۔ کہ یہ حضرات بعض دفعہ ایک دوسرے کے بارے میں سخت کلامی کیا کرتے تھے۔ اگرچہ عقل سلیم اور فطرت انسانی اس معنی کو بھی ان حضرات کے لیے جائز نہیں سمجھتی۔

واللہ اعلم بالصواب

باب : چہارم

فضائل امہات المومنین ازواج رسول صلی اللہ علیہ وسلم

فصل اوّل : لفظ اہل بیت کا معنیٰ اور اس کی تحقیق

"آلٌ" دراصل اَھْلٌ تھا۔ ھاء کو ہمزہ سے تبدیل کر دیا گیا" لسان العرب" میں اس کے مصنف "علامہ ابن منظور" افریقی مصری نے اس لفظ کی تحقیق یوں تحریر کی۔

لسان العرب :

وَآلُ الرَّجُلِ اَهْلُهٗ ۔ وَآلُ اللّٰهِ وَآلُ رَسُوْلِهٖ اَوْلِيَآءُهٗ ۔ اَصْلُهَا اَهْلٌ ثُمَّ اُبْدِلَتِ الْهَآءُ هَمْزَةً فَصَارَتْ فِي التَّقْدِيْرِ أَأْلٌ فَلَمَّا تَوَالَتِ الْهَمْزَتَانِ اَبْدَلُوا الثَّانِيَةَ اَلِفًا كَمَا قَالُوْا اٰدَمُ وَاٰخَرُ ۔

(لسان العرب جلد یازدہم صفحہ ۳۰ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ: آدمی کی آل اس کے اہل وعیال ہوتی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی آل، ان کے دوستوں کو کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ دراصل اَھْل تھا۔

پھر ہاء کو ہمزہ سے تبدیل کیا گیا۔ تو اَاْلٌ ہو گیا۔ اب دو ہمزہ لگاتار آئے۔ اس لیے (اہل عرب نے) دوسرے ہمزہ کو الف میں تبدیل کر دیا۔ جیسا کہ آدم اور آخر میں کیا گیا۔

لغتِ عرب میں "اَھْلٌ" کا معنی۔ اہل بیت نبی ازواج رسول کو کہا جاتا ہے

لسان العرب:

اَهْلُ الْقُرْاٰنِ هُمْ اَهْلُ اللهِ وَخَاصَّتُهٗ اَیْ حَفَظَةُ الْقُرْاٰنِ الْعَامِلُوْنَ بِهٖ هُمْ اَوْلِيَاءُ اللهِ ..... وَاَهْلُ الْاَمْرِ وُلَاتُهٗ وَاَهْلُ الْبَيْتِ سُكَّانُهٗ وَاَهْلُ الرَّجُلِ اَخَصُّ النَّاسِ بِهٖ وَاَهْلُ بَيْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَزْوَاجُهٗ وَبَنَاتُهٗ وَصِهْرُهٗ اَعْنِیْ عَلِيًّا عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقِيْلَ نِسَاءُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ..... وَاَهْلُ كُلِّ نَبِيٍّ اُمَّتُهٗ۔

(لسان العرب جلد یازدہم ص۲۹ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ: اہل القرآن وہ لوگ ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے اہل اور خاص بندے ہیں۔ یعنی وہ حفاظ القرآن جو قرآن کے عامل بھی ہوں۔ وہی

اولیاء اللہ ہیں۔ اہل الامر وہ اشخاص جن کے ہاتھ میں امور کی باگ ڈور ہو۔ اہل البیت، گھر میں سکونت پذیر، اہل الرجل کسی آدمی کے خاص تعلق دار اہل بیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کی ازواج مطہرات، صاحبزادیاں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور اہل بیت نبی کے بارے میں کہا گیا ہے۔ کہ صرف آپ کی ازواج مطہرات ہی ہیں اور ہر نبی کی اہل اس کی امت ہے۔

القاموس:-

اَهْلُ الْاَمْرِ وُلَاتُهٗ وَلِلْبَيْتِ سُكَّانُهٗ وَلِلْمَذْهَبِ مَنْ يَّدِيْنُ بِهٖ وَلِلرَّجُلِ زَوْجَتُهٗ كَاَهْلَتِهٖ وَلِلنَّبِيِّ اَزْوَاجُهٗ وَبَنَاتُهٗ وَصِهْرُهٗ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَوْ نِسَاۗءُهٗ وَالرِّجَالُ الَّذِيْنَ هُمْ اٰلُهٗ وَلِكُلِّ نَبِيٍّ اُمَّتُهٗ۔

(القاموس جلد سوم ص ۳۲۴ فصل الهمزه والیاء باب اللام۔ البابی الحلبی مطبوعہ مصر سن طباعت ۱۹۵۲ء)

ترجمہ: "اہل الامر" امر حکومت کے والی، "اہل البیت" گھر کے اندر سکونت پذیر، "اہل المذہب" مذہب کے پیروکار، "اھل الرجل" مرد کی بیوی، "اھل النبی" نبی کی ازواج، صاحبزادیاں اور داماد حضرت علی یا نبی کی عورتیں اور وہ مرد جو آپ کی آل ہیں۔ ہر نبی کی آل اس کی امت ہے۔

ان معانی کی تصدیق و توثیق کتبِ شیعہ سے ملاحظہ ہو۔

مجمع البیان :۔

قِیْلَ اٰلُ الرَّجُلِ قَرَابَتُہٗ وَ اَھْلُ بَیْتِہٖ وَاٰلُ الْبَعِیْرِ اَلْوَاحُہٗ وَاٰلُ الْخَیْمَۃِ عَمَدُہٗ وَاٰلُ الْجَبَلِ اَطْرَافُہٗ وَ نَوَاحِیْہِ وَ قَالَ ابْنُ دُرَیْدٍ اٰلُ کُلِّ شَیْءٍ شَخْصُہٗ وَ اٰلُ الرَّجُلِ اَھْلُہٗ وَ قَرَابَتُہٗ قَالَ الشَّاعِرُ " شِعْرٌ "

وَلَا تَبْكِ مَیِّتًا بَعْدَ مَیِّتٍ اَجَنَّۃٗ
عَلِیٌّ وَ عَبَّاسٌ وَ اٰلُ اَبِیْ بَکْرٍ

وَقَالَ اَبُوْ عُبَیْدَۃَ سَمِعْتُ اِعْرَابِیًّا فَصِیْحًا یَقُوْلُ اَھْلُ مَکَّۃَ اَھْلُ اللّٰہِ فَقُلْنَا مَا تَعْنِیْ بِذٰلِکَ قَالَ اَلَیْسُوْا مُسْلِمِیْنَ؟ اَلْمُسْلِمُوْنَ اٰلُ اللّٰہِ قَالَ اِنَّمَا یُقَالُ اٰلُ فُلَانٍ لِلرَّئِیْسِ الْمُتَّبَعِ وَ فِیْ شِبْہِ مَکَّۃَ لِاَنَّھَا اُمُّ الْقُرٰی وَ مِثْلِ فِرْعَوْنَ فِی الضَّلَالِ وَ اَتْبَاعِ قَوْمِہٖ لَہٗ فَاِذَا جَاوَزْتَ ھٰذَا فَاِنَّ اٰلَ الرَّجُلِ اَھْلُ بَیْتِہٖ خَاصَّۃً۔

(تفسیر مجمع البیان جلد اول جزء اول ص۲۲ زیر آیت واذ نجینٰکم من آل فرعون الخ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: آل الرجل اس کی اہل بیت اور اس کی قرابت والے ہوتے ہیں۔ آل بعیر اس کے تختے، آل خیمہ اس کی لکڑیاں، آل جبل اس کی اطراف اور کونے، ابن درید نے کہا۔ ہر شی کی آل اس کی ذات ہے۔ آدمی کی آل اس کے اہل وعیال اور قرابت والے ہوتے ہیں۔ ایک شاعر نے کہا: "ایسی میت کے بعد کسی اور میت پر نہ روؤ۔ جس کو علی، عباس اور آل ابی بکر نے چھپا دیا"

ابو عبیدہ نے کہا۔ میں نے ایک فصیح اعرابی کو یہ کہتے سنا۔ اہل مکہ اہل اللہ ہیں۔ ہم نے پوچھا۔ اس سے تیری کیا مراد ہے؟ کہنے لگا۔ کیا مکہ والے مسلمان نہیں۔ تمام مسلمان آل اللہ ہیں۔ اس نے کہا۔ آل فلان اس شخص کے متبعین کو کہتے ہیں۔ اور مکہ بھی اسی طرح ہے۔ کیونکہ وہ ام القریٰ ہے۔ آل فرعون سے مراد اس کی قوم کے متبعین اور گمراہ لوگ ہیں۔ پھر جب معاملہ اس سے آگے بڑھ جائے۔ تو آل الرجل صرف اس کے گھر والوں کو ہی کہتے ہیں۔ (یعنی گھر والے کی بیویاں بچے)

لفظ آل واہل کی تحقیق اور یہ کہ نبی علیہ السلام نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اپنی اہل بیت کے حق میں مانگی گئی دعا میں شامل فرمایا۔

کشف الغمہ:۔

وَ اٰلُ مَرَامِرَ مَنْ وَضَعَ الْكِتَابَةَ بِالْعَرَبِيَّةِ وَ اَصْلُهُمْ مِنَ الْاَنْبَارِ اَوِ الْحِيْرَةِ فَقَدْ

أُمُلِئَتْ آلُ اللّٰهِ وَ آلُ مُحَمَّدٍ وَّ آلُ قُرْآنٍ وَ آلُ
السَّرَابِ وَ الْآلُ الشَّخْصُ وَ آلُ أَعْوَجَ
فَرَسًا وَّ آلُ جَبَلٍ وَّ آلُ يٰسِيْنَ وَ آلُ حٰمٓ وَ
آلُ نَابِيْدٍ نَفْسُهٗ وَ آلُ فِرْعَوْنَ آلُ دِيْنِهٖ وَ
آلُ مَرَامَرَ وَ الْآلُ الرُّوْحُ وَ الْآلُ الْخِزَانَةُ
وَ الْخَاصَّةُ وَ الْآلُ قَرَابَتُهٗ وَ الْآلُ كُلُّ
تَقِيٍّ وَّ الْآلُ جَمْعُ آلِهٖ وَ هِيَ خَشَبَةٌ وَ الْآلُ
حَرْبَةٌ يُصَادُ بِهَا السَّمَكُ فَأَمَّا الْأَهْلُ
فَأَهْلُ اللّٰهِ أَهْلُ الْقُرْآنِ وَ أَهْلُ الْبَيْتِ عَلِيٌّ
وَ فَاطِمَةُ وَ الْحَسَنُ وَ الْحُسَيْنُ عَلَيْهِمُ
السَّلَامُ عَلٰى مَا فَسَّرَتْهُ أُمُّ سَلَمَةَ وَ
ذٰلِكَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَمَا
هُوَ ذَاتَ يَوْمٍ جَالِسًا إِذْ أَتَتْهُ فَاطِمَةُ
عَلَيْهَا السَّلَامُ بِبُرْمَةٍ فِيْهَا عَصِيْدَةٌ
فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ أَيْنَ
عَلِيٌّ وَ ابْنَاهُ قَالَتْ فِي الْبَيْتِ قَالَ أُدْعِيْهِمْ
لِيْ فَأَقْبَلَ عَلِيٌّ وَ الْحَسَنُ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ
فَاطِمَةُ أَمَامَهُ فَلَمَّا بَصُرَ بِهِمُ النَّبِيُّ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ تَنَاوَلَ كِسَاءً
كَانَ عَلَى الْمَنَامَةِ خَيْبَرِيًّا فَجَلَّلَ بِهٖ
نَفْسَهٗ وَ عَلِيًّا وَ الْحَسَنَ وَ الْحُسَيْنَ وَ

فَاطِمَةَ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ اِنَّ هٰؤُلَآءِ اَهْلُ
بَيْتِيْ وَ اَحَبَّ الْخَلْقِ اِلَيَّ فَاَذْهِبْ عَنْهُمُ
الرِّجْسَ وَ طَهِّرْهُمْ تَطْهِيْرًا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ
تَعَالٰى اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ
الرِّجْسَ الخ وَ فِيْ رِوَايَةٍ اُخْرٰى فَقَالَتْ
فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَسْتُ مِنْ اَهْلِ
بَيْتِكَ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ
اِنَّكِ عَلٰى خَيْرٍ اَوْ اِلٰى خَيْرٍ وَمِنْ مُسْنَدِ
اَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ اُمِّ
سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ بَيْنَمَا
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فِيْ
بَيْتِيْ يَوْمًا اِذْ قَالَتِ الْخَادِمَةُ اِنَّ عَلِيًّا
وَ فَاطِمَةَ وَ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ بِالسُّدَّةِ
قَالَتْ فَقَالَ لِيْ قُوْمِيْ فَتَنَحِّيْ لِيْ عَنْ اَهْلِ
بَيْتِيْ قَالَتْ فَقُمْتُ فَتَنَحَّيْتُ مِنَ الْبَيْتِ
قَرِيْبًا فَدَخَلَ عَلِيٌّ وَّفَاطِمَةُ وَالْحَسَنُ
وَ الْحُسَيْنُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَ هُمَا
صَبِيَّانِ صَغِيْرَانِ فَاَخَذَ الصَّبِيَّيْنِ
فَوَضَعَهُمَا فِيْ حُجْرِهٖ فَقَبَّلَهُمَا قَالَتْ وَ
اعْتَنَقَ عَلِيًّا بِاِحْدٰى يَدَيْهِ وَفَاطِمَةَ
بِالْيَدِ الْاُخْرٰى فَقَبَّلَ فَاطِمَةَ وَ قَبَّلَ

عَلَيْنَا فَاعْرَفَ عَلَيْهِمْ خَمِيْصَةً سَوْدَاءَ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ لَا اِلَى النَّارِ اَنَا وَ اَهْلُ بَيْتِيْ قَالَتْ وَقُلْتُ وَ اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ وَ اَنْتِ۔

(کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد اوّل ص۴۵-۴۶ فی معنی الاہل مکتبہ بنی ہاشم تبریز طبع جدید)

ترجمہ: آل مرامر جنہوں نے سب سے پہلے عربی کتابت وضع کی۔ انبار یا حیرۃ کے رہنے والے تھے۔ اور لکھا جاتا ہے۔ آل اللہ الخ یعنی اللہ کی آل، محمد کی آل، قرآن کی آل، سراب کی آل،،

اور آل سے مراد کسی کی ذات بھی ہوتی ہے۔ اور "آلَ فرسًا" کا معنی فلاں نے گھوڑا پھیرا۔ آل جبل، آل یسین، آل حٰم، ال زید یعنی زید کی شخصیت، آل فرعون یعنی اس کے ساتھی۔ اس کے دین کے متبع، آل مرامر، آل بمعنی روح، آل بمعنی خزانہ، آل بمعنی خاص لوگ، آل بمعنی قرابت، ہر نیک و پرہیزگار، آل جو کہ "الۃ" کی جمع ہے بمعنی لکڑیاں۔ اور اور آل اس کنڈی کو بھی کہتے ہیں۔ جس سے مچھلی کا شکار کیا جاتا ہے۔ لیکن لفظ اہل۔ جیسا کہ اہل اللہ، اہل القرآن، اہل البیت یعنی حضرت علی فاطمہ، حسن و حسین جیسا کہ اس کی تفسیر ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کی۔ وہ یہ کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا۔ علی اور ان کے دونوں بیٹے کہاں ہیں؟ جناب سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم حضرت علی اور ان کے دونوں صاحبزادے حسن اور حسین گھر میں ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ انہیں میرے

پاس بلا لاؤ۔ وہ سبھی حاضر ہو گئے۔ سب سے آگے سیدہ فاطمہ تھیں۔ ان کے پیچھے حضرت علی المرتضٰے اور ان کے (ساتھ) حسن و حسین تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آتے دیکھا۔ آپ نے خیبری چادر انہیں اوڑھائی۔ جس میں آپ آرام فرمایا کرتے تھے۔ خود بھی اس چادر میں لپٹ گئے۔ جب آپ سمیت پانچ افراد اس چادر کے نیچے ہو گئے۔ تو آپ نے دعا مانگی۔ اور کہا۔ یہ لوگ میری اہل بیت ہیں مجھے ساری مخلوق سے زیادہ محبوب ہیں۔ اے اللہ! ان سے رجس کو دور فرما کر اچھی طرح انہیں ستھرا کر دے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ انما یرید اللہ لیذھب الخ

ایک اور روایت میں ہے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! کیا میں آپ کی اہل بیت میں سے نہیں ہوں؟ فرمایا۔ تو بھلائی پر ہے یا بھلائی کی طرف ہے۔ مسند امام احمد بن حنبل میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر جلوہ فرما تھے۔ کہ ایک خادمہ نے اطلاع دی۔ حضور! حضرت علی، فاطمہ، حسن اور حسین دروازہ پر کھڑے ہیں۔ ام سلمہ کہتی ہیں۔ مجھے حضور نے فرمایا۔ اٹھ کر ایک طرف ہو جاؤ۔ اور میرے اہل بیت کے لیے جگہ چھوڑ دو۔ فرماتی ہیں۔ میں اٹھی۔ اور گھر میں قریب ہی ایک طرف چلی گئی۔ حضرت علی، فاطمہ، حسن و حسین داخل ہوئے۔ اس وقت حسن و حسین ابھی چھوٹی عمر کے تھے۔ حضور نے دونوں بچوں کا ہاتھ پکڑا۔ اور اپنی گود میں رکھ لیا۔ پھر انہیں چوما۔ حضرت علی کو ایک ہاتھ سے معانقہ اور حضرت فاطمہ کو دوسرے ہاتھ سے معانقہ کرتے ہوئے۔

دونوں کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ پھر انہیں ایک سیاہ چادر پہنائی۔ اور دعا کی۔ اے اللہ! ہم سب تیری طرف رجوع لانے والے ہیں۔ جہنم کی آگ کی طرف نہیں۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! میں بھی۔ فرمایا۔ تو بھی۔ (یعنی آپ اپنی اہل بیت اور اس دعا میں کیا مجھے بھی داخل نہ فرمائیں گے۔ تو آپ نے فرمایا۔ ہاں تو بھی داخل ہے۔)

مذکورہ کتب شیعہ سے لفظ آل اور اہل کے معنی کا خلاصہ

لفظ آل کثیر المعانی لفظ ہے۔ جس کی کچھ تفصیل کتب لغت و کتب شیعہ سے آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اس لیے ایسے لفظ کو صرف ایک معنی میں بند کر دینا بالکل بے وقوفی ہے۔ اور اس لفظ کا صرف "اولاد" ہی معنی کرنا کوئی بھی سمجھدار بغیر قرینہ کے نہ مانے گا۔

لہٰذا شیعہ حضرات کا لفظ آل کا معنی صرف اولاد کر کے آیات کے مفہوم سے ازواج مطہرات کو خارج کر دینا بالکل لغت عرب سے ناواقفی کی علامت ہے۔ اگر صرف یہی معنی ہوتے تو آل اللہ، اور آل قرآن کا کیا معنیٰ ہے۔ کیونکہ اللہ کی اولاد کا تصور بھی شرک ہے۔ اور قرآن پاک اس قابل نہیں۔ کہ وہ اولاد والے کہلائیں۔ شیعہ مصنفین نے اس بات کو ثابت کر دیا۔ کہ آل بیت یا اہل بیت ہر اس آدمی کو کہہ سکتے ہیں۔ جس کو گھر گھیرے۔ گھر کے افراد میں سے بیوی کو کسی طرح بھی نکالنا درست نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ابو عبیدہ سے جو ایک فصیح اعرابی کی بات چیت نقل ہوئی۔ جسے صاحب مجمع البیان نے بیان کیا ہے۔ اس اعرابی نے واضح کر دیا۔ کہ "آل اللہ" سے مراد اللہ تعالیٰ کے مطیع اور متبع لوگ ہیں۔ جس طرح کسی رئیس کے متبعین کو اس کی آل کہا جاتا ہے۔ بلکہ اس اعرابی نے یہ وضاحت کر دی۔ کہ جس مقام پر اس لفظ کا کوئی معنی نہ بن سکے۔

سکے۔ وہاں اس کے معنی "گھر والے" ہوں گے۔ اور یہی عرف و عادت ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جب حضرت علی، فاطمہ، حسن اور حسین کو ایک چادر تلے لے کر حضور کو یہ فرماتے سُنا۔ کہ یہ میرے "اہل بیت" ہیں۔ تو انہوں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! کیا میں اہل بیت میں سے نہیں ہوں؟ یعنی ام المومنین رضی اللہ عنہا نے "اہل بیت" کے لفظ کو جب بیوی کے علاوہ دوسرے افراد پر بولتے دیکھا۔ تو حیران ہوئیں۔ کیا اس لفظ کا معنی تبدیل ہو چکا ہے۔ اور بیوی جو کہ اس لفظ میں بہر صورت داخل تھی۔ وہ داخل نہیں رہی؟ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "تو خیر پر ہے" یعنی اے ام سلمہ تو پہلے ہی اہل بیت میں شامل ہے۔ اس لیے تیرے داخل کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ اسی روایت کو امام احمد بن حنبل کی مسند میں جو ذکر کیا گیا۔ وہ اس بات کی تائید ہے۔ وہ یہ کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بیت کے لیے دعا کی۔ کہ میری اہل بیت اے اللہ تیری طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے استفسار کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا۔ ہاں اے ام سلمہ تو بھی اہل بیت میں شامل ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو لفظ "اہل بیت" سے خارج قرار دینا۔ قرآن مجید احادیث رسول اور لغت عرب کے بالکل خلاف ہے۔ دراصل شیعہ لوگوں کو ازواج مطہرات کو خارج کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی۔ کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے سیدہ عائشہ صدیقہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما سے خدا واسطے کا بیر ہے۔ کیونکہ ان میں سے اول الذکر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دختر اور موخر الذکر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔ جب یہ دونوں حضرات ان کے نزدیک غاصب ولایت علی اور مخلص مومن نہ تھے۔ تو ان کی صاحبزادیاں کسی اچھائی اور اخلاقی اقدار سے

متصف انہیں کیسے بچا سکتی ہیں۔ ان دونوں ازواج مطہرات کو یہ لوگ حضور کی ازواج ہونے سے تو نہیں نکال سکتے تھے۔ لہذا اپنی دلی جلن کا انتقام یوں لیا۔ کہ آن کی خاطر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات کو "اہل بیت" سے نکال باہر کیا۔ اور اس لفظ سے صرف آپ کی اولاد ہی مراد لی۔ پھر جب لوگوں نے اس طرف توجہ دلائی۔ کہ آپ کی اولادیں تو وہ دو صاحبزادیاں بھی شامل ہیں۔ جو یکے بعد دیگرے حضرت عثمان غنی کے عقد زوجیت میں آئیں۔ تو عقل کے اندھوں اور بغض و عداوت کے مجسموں نے ان دونوں کو آپ کی صاحبزادیاں ہی ماننے سے انکار کر دیا۔

؎ خدا جب دین لیتا ہے حماقت آہی جاتی ہے۔

حضرات! آپ نے کتب لغت اور کتب شیعہ سے لفظ "آل" کے معانی پڑھ لیے۔ اس لفظ کا قرآن پاک میں بہت سے مقامات پر استعمال ہوا۔ جہاں محل وقوع اور سیاق وسباق کے اعتبار سے مختلف معانی مراد ہیں۔ میں نے مناسب سمجھا۔ کہ قرآن پاک میں مختلف مقامات پر اس لفظ کے جو معنی لیے گئے۔ وہ عرض کر دوں۔ تاکہ معلوم ہو جائے۔ کہ اسے صرف "اولاد" کے ساتھ مخصوص کرنا انتہائی زیادتی ہے۔ بلکہ بعض دفعہ اسی معنی سے کفر بھی لازم آجاتا ہے۔ جیسا کہ "آل اللہ" کا معنی "اللہ کی اولاد" کرنا کفر ہے۔ قرآنی آیات ملاحظہ ہوں۔

قرآن میں اہل بمعنی مالک و وارث بھی ہے۔

آیت ۱

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰى اَهْلِهَا۔

(پ ۵ ع ۵)

ترجمہ: بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مالکوں کو پہنچا دو۔

(ترجمہ مقبول شیعہ)

آیت ۲:

اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ۔

(پ ۹ ع ۵)

ترجمہ: کیا اس نے ان لوگوں کو جو پہلے مالکوں کے بعد زمین کے وارث ہوتے ہیں۔ اس امر کی ہدایت نہیں کی ہے۔ کہ اگر ہم چاہیں تو ان کے گناہوں کے بدلے ان پر مصیبت نازل کر دیں۔

(ترجمہ مقبول شیعہ)

آیت ۳:

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا۔ (پ ۵ ع ۱۰)

ترجمہ: اور جو شخص غلطی سے کسی مومن کو قتل کر دے۔ اس کے ذمہ ہے۔ ایک ایمان دار غلام آزاد کرنا۔ اور پورا خون بہا اُس (مقتول) کے ورثاء کو دینا سوائے اس کے کہ وہ معاف کر دیں۔

(ترجمہ مقبول شیعہ)

قرآن میں اہل بمعنی مکین (کسی جگہ میں رہائش پذیر)

آیت ۱

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا

اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ ۔

(پ۱ ع۱۵)

ترجمہ: اور اس وقت کو یاد کرو جب کہ ابراہیم (علیہ السلام) نے عرض کی کہ اے میرے پروردگار! اس کو شہر امن قرار دے۔ اور اس کے رہنے والوں کو پھلوں سے رزق پہنچا۔

(ترجمہ مقبول شیعہ)

آیت ۲:

یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۔

(پ۵ ع۶)

ترجمہ: عرض کرتے ہیں۔ (کہ) اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں۔

(ترجمہ مقبول شیعہ)

آیت ۳:

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ یَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰی بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ۔

(پ۸ ع۶)

ترجمہ: (یہ رسولوں کا بھیجنا) اس لیے ہے۔ کہ تمہارا رب بستیوں کو ناحق برباد نہیں کرتا۔ اس حال میں کہ ان کے باشندے (احکام سے) بے خبر ہوں۔

(ترجمہ مقبول شیعہ)

آل بمعنی قوم اور فرمان کے تابع۔ از روئے قرآن

وَ اِذْ فَرَقْنَا بِکُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَیْنٰکُمْ وَ اَغْرَقْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۔

(پ ۱ ع ۶)

ترجمہ: اور (اس وقت کو بھی یاد کرو) جب کہ ہم نے سمندر میں تمہارے لیے راستہ پیدا کر دیا تھا۔ اور تمہیں نجات بھی دی تھی۔ اور تمہارے دیکھتے دیکھتے فرعون والوں کو ڈبو دیا۔

(ترجمہ مقبول شیعہ)

وَ اْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَیْهَا لَا نَسْــٴَـلُكَ رِزْقًا ۔

(پ ۱۶ ۔ ع ۱۷)

ترجمہ: اور اپنے اہل بیت اور امت کو نماز کا حکم دو۔ اور خود بھی اس کے پابند رہو۔ ہم تم سے کچھ کھانے کو تو نہیں مانگتے۔

(ترجمہ مقبول احمد شیعہ)

تفسیر قمی:-

وَ اْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ اَیْ اُمَّتَكَ ۔

(تفسیر قمی ص ۴۲۵ مطبوعہ ایران قدیم)

ترجمہ: اپنے اہل یعنی امت کو نماز کا حکم دو۔

لفظ آل واہل تفاسیر شیعہ میں متبعین کو آل اور اہل کہا جاتا ہے

تفسیر منہج الصادقین:۔

آیت ۱:۔

(وَ اِذْ نَجَّیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ)

از اتباع و متعلقان فرعون

(تفسیر منہج الصادقین جلد ۱ ص ۱۸۲ مطبوعہ تہران)

ترجمہ: اور اس وقت کو بھی یاد کرو جب ہم نے تمہیں فرعون کے متبعین و متعلقین سے نجات دی۔

نوٹ:۔

اس مقام پر یا جہاں بھی "آل فرعون" کا لفظ استعمال ہوا۔ وہاں فرعون کے متعلقین اور متبعین ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ خود فرعون نامرد تھا۔ یوں بھی اتنی بڑی قوم اولادِ فرعون نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ "آل فرعون" کا کسی مفسر نے "فرعون کی اولاد" معنی نہیں کیا۔ اور اگر فرعون صاحب اولاد تھا بھی تو جتنا بڑا لشکر اس کے ساتھ غرق ہوا سب تو اس کی اولاد نہ تھا۔

مجمع البیان:

وَاذْكُرُوْا اِذْ نَجَّیْنٰكُمْ اَیْ خَلَّصْنَاكُمْ مِنْ قَوْمِ

فِرْعَوْنَ وَ اَهْلِ دِيْنِهٖ ۔

(تفسیر مجمع البیان جلد اوّل جزء اوّل صفحہ ۱۰۵ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: اور یاد کرو اس وقت کو کہ جب ہم نے تمہیں قوم فرعون اور اس کے ہم مشرب لوگوں سے خلاصی دی۔

تفسیر صافی:۔

آیت ۱ وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَهُمُ الَّذِيْنَ كَانُوْا يَدْنُوْنَ اِلَيْهِ بِقَرَابَتِهٖ وَبِدِيْنِهٖ وَمَذْهَبِهٖ ۔

(تفسیر صافی جلد اول صفحہ ۸۹ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ ہم نے آل فرعون سے تمہیں نجات دی۔ آلِ فرعون وہ لوگ تھے۔ جو بوجہ رشتہ دار ہونے یا بوجہ اس کے ہم دین ہونے یا بوجہ ہم مذہب ہونے کے قریب تھے۔

علل الشرائع:۔

آیت ۲:

وَقَالَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ لِنُوْحٍ (اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ) لِاَنَّهٗ كَانَ مُخَالِفًا لَهٗ وَجَعَلَ مَنِ اتَّبَعَهٗ مِنْ اَهْلِهٖ ۔

(علل الشرائع باب ۲۱ صفحہ ۳۰ العلۃ التی من اجلہا سمی نوح علیہ السلام نوحاً مطبوعہ مکتبہ حیدریہ نجف اشرف طبع جدید)

ترجمہ: امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو ان کے بیٹے کے بارے میں جو فرمایا۔ کہ وہ تمہارے اہل میں سے نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ وہ (بیٹا) چونکہ آپ کا مخالف تھا۔ لہذا حضرت نوح کے اہل وہ لوگ ہوئے۔ جو آپ کے تابع حکم تھے۔

تفسیر مجمع البیان:۔

اَنَّ الْمُرَادَ بِقَوْلِهٖ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اَنَّهٗ لَيْسَ عَلٰى دِيْنِكَ فَكَاَنَّ كُفْرَهٗ اَخْرَجَهٗ عَنْ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَحْكَامُ اَهْلِهٖ عَنْ جَمَاعَةِ الْمُفَسِّرِيْنَ وَ هٰذَا كَمَا قَالَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ وَ اٰلِهِ السَّلَامُ سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلُ الْبَيْتِ وَ اِنَّمَا اَرَادَ عَلٰى دِيْنِنَا وَرَوٰى عَلِيُّ بْنُ مِهْزَيَار عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيِّ الْوَشَّا عَنِ الرِّضَا (ع) قَالَ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ (ع) اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ لِنُوْحٍ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ لِاَنَّهٗ كَانَ مُخَالِفًا لَّهٗ وَ جَعَلَ مَنِ اتَّبَعَهٗ مِنْ اَهْلِهٖ ۔

(تفسیر مجمع البیان جلد سوم جزو پنجم ص ۱۶۷ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: "لیس من اہلک" سے مراد یہ ہے۔ کہ آپ کا (نوح کا) بیٹا آپ کے دین پر نہیں۔ گویا اس کے کفر نے اس کو حضرت نوح کی اہل کے احکام سے نکال دیا۔ مفسرین کی ایک جماعت نے یہی تفسیر کی ہے۔

اس کی مثال یہ ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی کو فرمایا۔ یہ ہمارے اہل بیت میں سے ہے۔ آپ کا یہ کہنا اس ارادہ سے تھا۔ کہ سلمان ہمارے دین پر ہے۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کو جو یہ کہا۔ کہ آپ کا بیٹا آپ کے اہل میں سے نہیں ہے یہ اس لیے کہ وہ بیٹا آپ کا مخالف تھا۔ لہذا حضرت نوح کے اہل وہ ہوئے۔ جو آپ کے متبعین تھے۔

آیت ۳:۔

وَنَجَّيْنَاهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ۔

(پ ۲۳ ع ۷)

ترجمہ: اور ہم نے نجات دی نوح علیہ السلام اور ان کے متبعین کو بہت بڑی مصیبت سے۔

تفسیر مجمع البیان:۔

وَاَهْلُهٗ هُمُ الَّذِيْنَ نَجَوْا مَعَهٗ فِي السَّفِيْنَةِ

(تفسیر مجمع البیان جلد چہارم جزء ہشتم ص ۴۴۷ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: نوح علیہ السلام کے اہل وہ تھے۔ جنہوں نے آپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہو کر نجات پائی۔

❁

قرآن میں اہلبیت بمعنی بیوی اور گھر والے شیعہ تفاسیر کے آئینہ میں

موسیٰ علیہ السلام مدین شہر سے اپنی بیوی کو ساتھ لے کر مصر کی طرف آئے راستہ میں درج ذیل واقعہ پیش آیا۔

آیت ۱ :۔

اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِاَھْلِہٖٓ اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا۔ (پ ۱۹ - ع)

ترجمہ: موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں نے ایک آگ دیکھ لی ہے۔

(ترجمہ مقبول)

تفسیر مجمع البیان :۔

اِذْ قَالَ لِاَھْلِہٖ اَیِ امْرَاَتِہٖ وَھِیَ بِنْتُ شُعَیْبٍ۔

(تفسیر مجمع البیان جلد چہارم جز ہفتم ص ۲۱۱ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اہل سے کہا یعنی اپنی بیوی جو کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی تھیں۔

آیت ۲ :۔

وَھَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ مُوْسٰی اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَھْلِہِ امْكُثُوْٓا اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْكُمْ مِّنْھَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَی النَّارِ ھُدًی

(پ ۱۶ - ع ۱۰)

ترجمہ: اور کیا تم تک موسیٰ کا قصہ بھی پہنچا ہے؟ کہ جس وقت انہوں نے ایک آگ دیکھی۔ تو اپنے اہل سے کہا۔ کہ ذرا یہیں ٹھہرو میں نے آگ دیکھ لی۔

ایسا ہے کہ میں اس میں سے تمہارے لیے چنگاری لاؤں گا یا اس جگہ کے پاس مجھے آگ کا پتہ مل جائے گا۔

(ترجمہ مقبول احمد شیعہ)

تفسیر مجمع البیان:۔

(لِاَھْلِہٖ) وَھِیَ بِنْتُ شُعَیْبٍ کَانَ تَزَوَّجَھَا بِمَدْیَنَ۔

(تفسیر مجمع البیان جلد چہارم جزو ہفتم ص۵ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اہل کو فرمایا۔ اس سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی ہیں جن سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین میں شادی کی تھی۔

آیت ۳:۔

فَلَمَّا قَضٰی مُوْسَی الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَھْلِہٖ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ۔

(پ۲۰ ع ۷)

ترجمہ: پھر جب موسیٰ نے وہ مدت پوری کر لی۔ اور اپنے اہل کو لے کر چلے۔ تو ان کو کوہِ طور کی طرف سے آگ نظر آئی۔

(ترجمہ مقبول احمد شیعہ)

تفسیر صافی:۔

فَلَمَّا قَضٰی مُوْسَی الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَھْلِہٖ (بِامْرَاَتِہٖ) اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا۔

(تفسیر صافی جلد دوم ص۲۶۰ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: پھر جب موسیٰ علیہ السلام اپنی مدت مکمل کر چکے۔ تو اپنے اہل کو لے کر روانہ ہو گئے۔ یعنی اپنی بیوی کو ساتھ لے کر روانہ ہو گئے۔ راستہ میں کوہِ طور کی طرف سے آگ نظر آئی۔

آیت ۴:

جب ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۹۰ سال تک ہو گئی اور آپ کی بیوی بھی بوڑھی ہو گئیں تب فرشتوں نے آکر حضرت اسحاق کی ولادت کی بشارت سنائی جسے سن کر آپ کی بیوی نے سخت تعجب کیا۔ تو فرشتوں نے کہا۔

قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۔

(پ ۱۲ ۔ ع ۷)

ترجمہ: ان فرشتوں نے کہا کہ (اے عورت) کیا تو امر خدا سے تعجب کرتی ہے حالانکہ اے اہل بیت تم پر خدا کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ سزاوارِ حمد و ثنا ہے۔

(ترجمہ مقبول احمد شیعہ)

شاہِ مصر کی بیوی زلیخا نے یوسف علیہ السلام کو جب گناہ کی دعوت دی۔ اور جناب یوسف بھاگ اٹھے اور اچانک اوپر سے شاہ مصر آگیا تو زلیخا نے کہا۔

آیت ۵:

قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۔

ترجمہ: اس عورت نے کہا۔ کہ جو تیری زوجہ سے بدی کا قصد کرے اس کی سزا اس کے سوا کیا ہے۔ کہ اس کو قید کیا جائے۔ یا دردناک عذاب دیا جائے)

(ترجمہ مقبول احمد شیعہ)

تفسیر مجمع البیان :-

(فَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ)
يَعْنِيْ اَنَّ الْمَرْاَةَ سَبَقَتْ بِالْكَلَامِ لِتَرْكِ الذَّنْبِ عَلٰى يُوْسُفَ۔

(تفسیر مجمع البیان جلد سوم جزء پنجم ص ۲۲۷ مطبوعہ تہران طبع جدید)۔

ترجمہ: عزیز مصر کی بیوی نے کہا۔ کہ جو تیری بیوی سے بدی کا ارادہ کرے اس کی سزا یہی ہے۔ کہ اس کو قید کر دیا جائے۔ یا دردناک عذاب دیا جائے یعنی عورت نے بات میں سبقت کی۔ تاکہ گناہ کو یوسف علیہ السّلام پر ڈال دے۔

آیت ع۶ :-

موسیٰ علیہ السّلام جب اپنی ولادت کے بعد فرعون کی بیوی آسیا کی گود میں پہنچ گئے۔ اور اس نے آپ کی رضاعت کے لیے دائیاں بلوائیں تو حضرت موسےٰ کی بہن نے کہا۔

وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نَاصِحُوْنَ ۔

(پ ۲۰۔ ع ۲)

ترجمہ: اور ہم نے اس پر اور دایاں تو پہلے سے حرام کر دی تھیں۔ تو اس نے

کہا۔ کہ کیا میں تم کو ایسے گھر والے بتلا دوں۔ جو تمہاری خاطر اس بچہ کی کفالت کریں۔ اور وہ اس کے خیر خواہ (بھی) ہوں۔

(ترجمہ مقبول احمد شیعہ)

تفسیر منہج الصادقین:۔

کلثوم دانست کہ آسیہ برائے دایہ بغایت مضطر است پیش آمد (فقالت) پس گفت کہ (ھل ادلکم) آیا دلالت کنم شمارا (علی اہل بیت) بر اہل خانہ کہ از روئے شفقت (یکفلونہ) گفتند بر و آں کسی را کہ گفتی بیاور کلثوم برفت وصورت حال با مادر گفتہ او را بیاورد۔

(تفسیر منہج الصادقین جلد ہفتم ص۵۴ مطبوعہ تہران)

ترجمہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ کلثوم نے معلوم کر لیا۔ کہ فرعون کی بیوی آسیہ اس بچے کی دائی کے بارے میں مجبور ہو چکی ہے۔ تو وہ آگے بڑھی۔ اور بولی۔ کہ کیا میں تمہیں ایک گھر والوں کی نشان دہی کر دوں۔ جو کہ از روئے شفقت اس کی کفالت کریں گے۔ انہوں نے کہا۔ جاؤ۔ اور اس دائی کو کہ جس کے متعلق تم نے کہا ہے۔ اپنے ساتھ لے آو۔ کلثوم اپنی والدہ کے پاس آئی۔ اور تمام صورت حال کہہ ڈالی۔ اور انہیں اپنے ساتھ دربار فرعون میں لے آئی۔

تفسیر مجمع البیان:۔

وَانْطَلَقَتْ اُخْتُ مُوْسٰى اِلٰى اُمِّهَا فَجَآءَتْ بِهَا اِلَيْهِمْ۔ (تفسیر مجمع البیان جلد چہارم جزء ہفتم ص۲۴۳ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ اپنی والدہ کی طرف چل پڑیں۔ تو انہیں ساتھ لے کر فرعون کے دربار میں تشریف لے آئیں۔

لفظ اہل بمعنیٰ بیوی ارشاد علی رضی اللہ عنہ میں:۔

وَ اَمَّا مَا ذَکَرْتَ مِنْ اَمْرِ الرَّجُلِ یُشْبِہُ وَلَدُہٗ اَعْمَامَہٗ وَ اَخْوَالَہٗ فَاِنَّ الرَّجُلَ اِذَا اَتٰی اَھْلَہٗ بِقَلْبٍ سَاکِنٍ وَعُرُوْقٍ ھَادِئَۃٍ وَ بَدَنٍ غَیْرِ مُضْطَرِبٍ اِسْتَکَنَتْ تِلْکَ النُّطْفَۃُ فِیْ تِلْکَ الرَّحِمِ فَخَرَجَ الْوَلَدُ یُشْبِہُ اَبَاہُ وَ اُمَّہٗ۔

(کتاب العلل والشرائع ص ۹۷ مصنفہ شیخ صدوق مطبوعہ نجف اشرف طبع جدید)

ترجمہ: بہر حال جو آپ نے یہ ذکر فرمایا۔ کہ آدمی کی اولاد اپنے چچاؤں اور ماموں وغیرہ کی ہم شکل ہوتی ہے۔ تو اس کی حکمت یہ ہے۔ کہ آدمی جب اپنی بیوی کے ساتھ ہم بستری کے لیے آئے۔ اور اس کا دل ساکن ہو پٹھے درست ہوں۔ اور جسمانی کوئی پریشانی نہ ہو۔ تو ایسی صورت میں وہ نطفہ اگر اس رحم میں ٹھہر جائے تو پیدا ہونے والا بچہ اپنی ماں یا اپنے باپ کے مشابہ ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی لفظ اہل بیوی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

٭٭

شیعہ مفسروں نے قرآن کا لفظ "اہل" سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حق میں قرار دیا ہے۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔

(پ۴ - ع۴)

ترجمہ: (اور اے رسول تم اس وقت کو یاد کرو) جب کہ صبح ہی صبح تم اپنے بال بچوں میں سے نکلے۔ اور مومنین کو لڑائی کے مورچوں میں بٹھانے لگے۔ اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

(ترجمہ مقبول شیعہ)

نوٹ:۔

مقبول احمد شیعہ مترجم نے قرآن کی آیت کا جو یہ ترجمہ کیا کہ تم اپنے بال بچوں سے صبح سویرے باہر نکلے۔ تو ان "بال بچوں" سے مراد سیدہ عائشہ صدیقہ زوجہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس کی تصدیق ایک شیعہ مفسر علامہ فتح اللہ کاشانی نے ان الفاظ سے کی ہے۔

تفسیر منہج الصادقین:۔

(وَاِذْ غَدَوْتَ) ویاد کن اے محمد (صلی) چوں بامداد بیروں شدی (مِنْ اَهْلِكَ) از منزل عائشہ بقول بعضے ایں روز احزاب یا بدر بودہ واصح واشہر آنست کہ روز احد است۔ وایں مروی است از ابی جعفر (ع)

(تفسیر منہج الصادقین جلد دوم ص۳۱۱ مطبوعہ تہران)

ترجمہ: اور یاد کیجئے اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب بوقتِ صبح آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے باہر تشریف لائے۔ بعض نے اس واقعہ کو خیبر کے دن یا بدر کے دن کے متعلق بتایا۔ زیادہ صحیح اور مشہور ترین یہ ہے۔ کہ یہ اُحد کے دن کا واقعہ ہے۔ اور یہی حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب خدیجہؓ کو اہل بیت کہہ کر پکارا

حیات القلوب:۔

آنحضرت بجانبِ خانۂ خدیجہ رواں شد چوں حضرت بدر خانہ رسید کنیزان خدیجہ را بقدوم آنحضرت بشارت دادند۔ وخدیجہ با پائے برہنہ از غرفہ بصحن خانہ دوید۔ وچوں در را کشودند۔ حضرت فرمود۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْبَيْتِ ۔

(حیات القلوب جلد دوم ص ۱۸۲۔ باب پنجم فضائل حضرت خدیجہ الخ مطبوعہ لکھنؤ طبع قدیم)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ جب آپ گھر کے دروازہ پر پہنچے۔ تو حضرت خدیجہ کی کنیزوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کی خوشخبری دی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ننگے پاؤں دوڑتی ہوئی بالا خانہ سے صحن کی طرف آئیں۔ جب دروازہ کھولا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے اہل بیت! تم پر اللہ کی سلامتی ہو۔

الحاصل :-

لفظ آل اور اہل کے معانی قرآن پاک کے حوالہ سے آپ نے پڑھے۔ ان تمام وضاحتوں کے بعد اگر پھر بھی کوئی یہی رٹ لگائے۔ کہ لفظ آل اور اہل صرف اولاد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ تو اس کا یہ کہنا خلاف قرآن و آئمہ لغت ہوگا۔ قرآن پاک میں بہت سے مقامات پر لفظ "آل"، "تابع فرمان"، قوم پر بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ "آل فرعون" کی تشریح میں گزر چکا۔ اور حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا آپ کے تابع فرمان نہ ہونے کی وجہ سے "اہل" سے خارج کر دیا گیا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد نہ تھے لیکن انہیں آپ نے اپنی آل قرار دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلُ الْبَيْتِ ۔

سلمان ہمارے اہل بیت میں ہے۔

(۱) ناسخ التواریخ زندگانی فاطمہ ص ۱۵ (۲) رجال کشی ص ۱۲ مطبوعہ کربلا)

اسی طرح لفظ "اہل" کا اطلاق بیوی پر ہوا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر مذکور ہوا۔ وہاں آپ کی بیوی کو "اہل" کہا گیا۔ حضرت موسیٰ کی ہمشیرہ نے اپنی والدہ کے لیے یہی لفظ استعمال کیا۔ جس کی تصدیق شیعہ مفسرین نے بھی کی ہے۔

ان تمام وضاحتوں کے بعد یہ بات ثابت ہو گئی۔ کہ شیعہ لوگ جو ازواج مطہرات کو "اہل البیت" میں داخل نہیں مانتے۔ تو ان کا یہ انکار صرف حضرات شیخین رضی اللہ عنہما سے بغض و حسد پر مبنی ہے۔ ان کے ساتھ کدورت کی بنا پر حضرت عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما کو "اہل بیت" سے خارج کرتے ہیں۔ اور ان کی وجہ سے بقیہ ازواج مطہرات کو "اہل بیت النبی" سے خارج کیے بغیر بات نہ بنتی تھی۔ لہٰذا سب کو نکال کر دم لیا۔

لیکن ہم نے ان کی کتب سے اور قرآنی استعمالات سے ثابت کر دیا ہے۔ کہ آل اور اہل متبع، قوم، بیوی، مالک، مکین وغیرہ بہت سے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ ایک ضابطہ اس بارے میں ذہن نشین رہے۔ وہ یہ کہ لفظ اہل کی اضافت جب مرد یا اس کے بیت کی طرف کی جائے۔ تو اس سے مراد اس کی بیوی ہوتی ہے۔ جیسا کہ "اذ غدوت من اھلک" کی تفسیر میں علامہ کاشانی شیعہ نے بھی صاف لکھ دیا۔ کہ یہاں اہل سے مراد حضرت عائشہ ہیں۔

جب شیعہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو آپ کی "اہل بیت" میں داخل ہی نہیں مانتے۔ تو "اہل بیت" کے لیے مذکور فضائل و کمالات میں انہیں کہاں شریک مانیں گے خصوصاً سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جن کے فضائل سے انکار کرنے کے لیے یہ ساری تگ و دو کی گئی۔ ان کے فضائل کا ذکر تو بہت دور کی بات ہے۔ یہ لوگ عقیدہ رکھتے ہیں۔ کہ ہر نماز کے بعد معاذ اللہ ان پر لعنت کی جائے۔ بنا بریں بہت ضروری تھا۔ کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دیگر ازواج مطہرات کے فضائل جو قرآن مجید اور کتب شیعہ سے ثابت ہیں۔ انہیں ذکر کیا جائے۔ عمومی فضائل کے بعد خاص کر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فضائل انشاء اللہ الگ فصل میں بیان ہوں گے۔

وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ

فصل دوم

فضائل ازواج رسول صلی اللہ علیہ وسلم

از قرآنِ کریم و کتب شیعہ:

الاحزاب:

① يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ
الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ
سَرَاحًا جَمِيْلًا.

② وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ
اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا.

③ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ
لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا.

④ وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا
نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا.

⑤ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ
فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ
وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا.

(۶) وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۔

(۷) وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ۔

(پ ۲۱-۲۲ ۔ ع ۲۰ ۔ ۱)

ترجمہ:

۱ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) تم اپنی ازواج سے یہ کہہ دو۔ کہ اگر تم زندگانیِ دنیا اور اس کی زینت کی خواستگار ہو۔ تو آؤ میں تم کو نفع پہنچا دوں اور پھر تمہیں نہایت خوبی سے رخصت کر دوں۔

۲ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اور آخرت کے گھر کی خواستگار ہو۔ تو اللہ نے تم میں سے جو نیک ہوں گی۔ ان کے لیے بہت بڑا اجر مہیا فرمایا ہے۔

۳ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیبیو! جو تم میں سے کوئی کھلی بدی کرے گی۔ تو اس کو عذاب بھی دو ہرا دیا جائے گا۔ اور اللہ پر یہ بات آسان ہے۔

۴ اور تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گی۔ اور نیک عمل بجا لائے گی۔ تو ہم اس کا اجر (بھی) دوہرا دیں گے۔ اور ہم

نے اس کے لیے اچھی روزی (بھی) تیار کر رکھی ہے۔

۵ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عورتو! اگر تم پرہیزگاری کرو۔ تو تم اور عورتوں کی مانند نہیں ہو۔ پس نرم زبان سے باتیں نہ کیا کرو۔ کہ وہ شخص جس کے دل میں روگ ہے۔ کسی طرح کا لالچ کرے۔ اور نیک (یعنی شک سے بچی ہوئی) باتیں کیا کرو۔

۶ اور اپنے گھروں میں (عزت و وقار سے) بیٹھی رہو۔ اور قدیم جاہلیت کا سا بناؤ سنگھار کر کے باہر نہ نکلا کرو۔ اور نماز پڑھا کرو۔ اور زکوٰۃ دیا کرو اور (برابر) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتی رہو۔ اے اہل بیت سوائے اس کے نہیں ہے۔ کہ خدا یہ چاہتا ہے۔ کہ تم سے ہر قسم کے رجس کو دور کر دے۔ اور تم کو ایسا پاک کر دے۔ جیسا کہ پاک کرنے کا حق ہے۔

۷ اور تمہارے گھروں میں خدا کی آیتیں اور حکمت کی باتیں جو پڑھی جاتی ہیں انہیں یاد رکھو۔ بے شک خدائے تعالیٰ بڑا باریک بین (اور) خبردار ہے۔

(ترجمہ مقبول احمد شیعہ)

قرآن پاک کی مذکورہ سات آیات اللہ رب العزت نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے بارے میں نازل فرمائیں۔ ان آیات میں آپ کی ازواج مطہرات کو جن گوناگوں انعامات سے نوازا گیا وہ قرآن کریم کے اسلوب اور کلام عرب کے جاننے والے پر بخوبی آشکارا ہیں۔ ان آیات میں سے آیت ۶ جسے "آیت تطہیر" کہتے ہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے حضور کی ازواج مطہرات کو جو عظیم الشان رفعتیں اور عظمتیں عطا فرمائیں آن میں ان کا کوئی بھی ساجھی اور شریک نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ جب اس آیت کریمہ

کو امہات المومنین ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بدخواہوں نے دیکھا۔ تو مارے حسد کے جل گئے۔ اور جل بھن کر کہنے لگے۔ اس "آیت تطہیر" سے پہلی اور بعد والی آیات تو ازواج مطہرات کے لیے نازل ہوئیں۔ لیکن یہ آیت ان کے حق میں نہیں بلکہ حضرت علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کے حق میں نازل ہوئی۔ آیئے شیعہ تفاسیر سے اس بارے میں دیکھیں۔ کہ ان میں کیا لکھا ہے۔؟

شان نزول:۔

ہجرت مدینہ کے ۹ سال گزرنے پر ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے آپ سے نان و نفقہ کی زیادتی کا مطالبہ کیا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے ایک ماہ تک کا ایلاء (معاملہ زوجیت سے حلفاً علیحدہ رہنا) فرمایا۔ ابھی اس مدت سے ایک دن باقی تھا۔ یعنی انتیس ۲۹ دن گزرے تھے۔ کہ جبرئیل امین مذکورہ آیات لے کر نازل ہوئے۔ جن میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی ازواج کو یہ اختیار دیا۔ کہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔ اگر یہ چاہو۔ کہ اللہ اور اس کے رسول کو پسند کر لو۔ تو نان و نفقہ میں زیادتی کا مطالبہ ترک کر دو۔ اور اگر تم دنیا کی زیب و آرائش کی متمنی ہو۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں بطریق احسن اپنی زوجیت سے فارغ کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد جب آپ کی ازواج نے اللہ اور اس کے رسول کا انتخاب کر لیا۔ اور زیب و زینتِ دنیا چھوڑ دی۔ تو اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو مذکورہ انعامات سے مالا مال فرمایا۔ اور یاد رہے۔ کہ جب اللہ رب العزت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو ان دونوں باتوں میں سے کسی ایک کا اختیار عطا فرمایا۔ تو اس وقت آپ کی ازواج کی تعداد ۹ تھی۔ سیدہ عائشہ حفصہ، ام حبیبہ بنت ابی سفیان، سودہ بنت زمعہ، ام سلمہ بنت ابی امیہ، صفیہ بنت حی میمونہ بنت حارث، زینب بنت جحش اور جویریہ بنت حارث،

(تفسیر مجمع البیان جلد چہارم جز ہشتم ص ۳۵۲ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے جو اجمالی فضائل بیان فرمائے۔ ان کی تائید و توثیق اور وضاحت شیعہ تفاسیر سے ملاحظہ ہو۔

مذکورہ آیات کے نزول پر ازواج رسول کا نیک ردِ عمل اتباعِ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں:

(وان کنتن تردن اللہ) اگر ہستید کہ میخواہید رضائے خدا سے را (ورسولہ) وخوشنودیٔ رسول او ویا فرمانبرداری ایشاں را و صبر بر ضیق معیشت (والدار الآخرۃ) ونعیم سرائے دیگر را (فان اللہ) پس بدرستیکہ خدائے (اعد) آمادہ کردہ است (للمحسنات منکن) مرنیکو کاران را از شما یعنی آنہا کہ اختیار شق ثانی کنند۔ (اجراً عظیماً) مزدی بزرگ کہ زخارف دنیا در جنب آں مختصر و محقر باشد۔ من برائے تبیین است نہ تبعیض زیرا کہ ہمہ ازواج آنحضرت اختیار قسم اخیر کردند چنانکہ در روایت آمدہ کہ بعد از نزول ایں آیہ حضرت ہمہ ازواج را طلبید و ایں آیۃ را بر ایشاں خواند و مخیر ساخت آنہا را بر مفارقت و بقاء ہمہ اختیار آنحضرت کردند۔ و مروی است۔ کہ اول کسے از ازواج کہ اختیار بقاء نمودہ عائشہ بود و بعد از آں ازواج دیگر آنرا اختیار نمودند۔ آوردہ آند کہ چوں رسول (صلی) ایں آیۃ را بر ایشاں خواند۔ فرمود شتاب مکنید۔ و با پدران خود در ایں باب مشاورت کنید۔ گفتند یا رسول اللہ (صلی) ما را در ایں باب باکسی مشاورت نباید کرد۔ حق تعالیٰ ما را مخیر گردانید و میانِ زینتِ دنیا و اختیار کردن خدا و رسول و سرائے آخرت را اختیار کردیم۔ آں حضرت شاد شد و حق تعالیٰ ایں آیت فرستاد۔ لا یحل لک النساء من بعد الآیہ چوں ایشاں

ترا اختیار کردند تو نیز زنانِ دیگر را بر ایشاں اختیار مکن۔

(تفسیر منہج الصادقین جلد ہفتم ص ۲۷۹ مطبوعہ تہران)

ترجمہ: اگر تم اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتی ہو۔ اور اس کے رسول کی خوشنودی کی خواہاں ہو۔ یا ان کی فرمانبرداری پسند کرتی ہو۔ اور مصیبت و تنگی پر صبر چاہتی ہو۔ اور اخروی نعمتوں کی طلب گار ہو۔ تو یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم میں سے نیکوکاروں کے لیے جنہوں نے شق ثانی کو اختیار کیا۔ ایک بہت بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔ جس کے مقابلہ میں دنیا کی زیب و زینت بالکل معمولی اور حقیر ہے۔ لفظ مِنْ بیانیہ ہے نہ کہ تبعیضیہ۔ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج نے آخری قسم (شق) کو پسند کیا تھا۔ جیسا کہ روایت میں آیا ہے۔ کہ اس آیت کے اترنے کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام ازواج کو بلایا۔ اور انہیں یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ اور انہیں اس بات کا اختیار دیا گیا۔ کہ جدائی کر لو یا حضور کی غلامی میں رہو۔ تو ان تمام عورتوں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو پسند فرمایا۔

یہ بھی روایت کی گئی ہے۔ کہ ان ازواج میں سے جس نے سب سے پہلے غلامیِ رسول کو اختیار کیا۔ وہ سیدہ عائشہ صدیقہ تھیں۔ ان کے بعد بقیہ تمام ازواج نے اسے اختیار کیا۔

بیان کرتے ہیں۔ جب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کو یہ آیت سنائی۔ تو فرمایا۔ فیصلہ کرنے میں جلد بازی سے کام نہ لینا۔ جاؤ اور اپنے اپنے باپ سے اس بارے میں مشورہ کرو۔ پھر جو فیصلہ کرنا چاہو۔ کر لینا۔ انہوں نے عرض کی۔ اے اللہ کے رسول! ہمیں کسی سے بھی مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ علیحدگی یا غلامی کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں اختیار دیا ہے۔ ہم اپنے اختیار کو بروئے کار لاتی

ہوئی زینتِ دنیا کو خیرباد کہہ کر آپ کے قدموں میں رہنا پسند کرتی ہیں۔ ہمیں اللہ، اس کا رسول اور یومِ آخرت چھوڑنا کسی طور گوارا نہیں۔ ان کی اس متفقہ آواز اور فیصلہ پر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے پھر یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ ”لا یحل لك النساء من بعد“ یعنی ان عورتوں نے جب تمہیں پسند کر لیا۔ اور تمہاری غلامی اختیار کر لی۔ لہٰذا اب آپ کو بھی چاہیئے۔ کہ ان کے مقابلہ میں کسی دوسری عورت کو اپنی زوجیت میں لانا اختیار نہ فرمائیں۔

ازواجِ رسول کو آپ سے فرقت گوارا نہ ہوئی:۔

اس تفسیر سے واضح ہو گیا۔ کہ ازواج النبی، امہات المومنین رضی اللہ عنہن وہ عظیم ہستیاں تھیں جنہیں دنیا اور اس کی زیب و زینت مطلوب نہ تھی۔ بلکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی چاہت اور محبت سے مالا مال تھیں۔ ان کی اسی بے مثال محبت اور خلوص و قربانی کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی ”ھل جزاء الاحسان الا الاحسان“ کے مطابق ارشاد فرمایا۔ کہ اب آپ کو بھی ان کی محبت کی یوں لاج رکھنی چاہیئے۔ کہ ان کے مقابلہ میں کسی دوسری عورت کو اپنی زوجیت میں لانے کی خواہش نہ کرو۔ جب ان مقدس عورتوں نے اپنی تمام دنیا اور اس کی زیب و زینت ٹھکرا دی۔ اور اللہ کے محبوب کے قدموں سے لپٹ جانا پسند کر لیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس کے صلہ میں انہیں وہ مقام عطا فرمایا۔ کہ دنیا کی کوئی عورت وہ مقام حاصل نہیں کر سکتی۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ نبی اکرم کی تمام ازواج میں سے زیادہ افضل سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ کیونکہ خدا و مصطفیٰ و دارِ آخرت کو اختیار کرنے میں آپ ہی نے سب پر سبقت حاصل کی۔

اسی تفسیر سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو انہیں اپنے والدین

سے مشورہ کرنے کا حکم دیا۔ اور جلد بازی سے روکا۔ تو آپ کو معلوم تھا۔ کہ ان عورتوں کے والی وارث یقیناً انہیں یہی مشورہ دیں گے۔ کہ اللہ اور اس کے رسول کی غلامی نہ چھوڑنا۔ اس بات کی واضح دلیل سیدنا عمر بن خطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا وہ ایمان افروز اور باطل سوز واقعہ ہے۔ جس کو شیعہ مفسر علامہ طبرسی نے نقل کیا۔

ارشاد خدا :۔ "امہات المومنین" دنیا بھر کی عورتوں سے افضل ہیں :۔

ذکر کردہ آیات میں سے آیت ۲ اس بات کی صراحت کرتی ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات یعنی تمام مومنوں کی مائیں دنیا کی ہر عورت سے بلند و بالا مقام کی مالک ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویو! تم دنیا کی کسی عورت کی مثل نہیں ہو" کیونکہ ان خوش بخت عورتوں کو جو نسبت زوجیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میسر آئی۔ وہ کسی دوسری عورت کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ چاہے وہ کتنی ہی تقویٰ شعار اور پابند احکام شرعیہ ہو۔ اسی امر کی تصدیق و توثیق شیعہ مفسر علامہ طبرسی نے بھی ہے۔

تفسیر مجمع البیان :۔

ثُمَّ اَظْهَرَ سُبْحَانَهُ فَضِيْلَتَيْنِ عَلٰى سَائِرِ النِّسَآءِ بِقَوْلِهٖ (يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ) قَالَ الزَّجَاجُ لَمْ يَقُلْ كَوَاحِدَةٍ مِّنَ النِّسَآءِ لِاَنَّ اَحَدًا لِلنَّفْيِ الْعَامِ ۔ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مَعْنَاهُ لَيْسَ قَدْرُكُنَّ عِنْدِيْ كَقَدْرِ غَيْرِكُنَّ مِنَ النِّسَآءِ الصَّالِحَاتِ اَنْتُنَّ اَكْرَمُ عَلَيَّ فَاَنَا

بِكُنَّ اَرْحَمُ وَثَوَابُكُنَّ اَعْظَمُ لِمَكَانِكُنَّ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(تفسیر مجمع البیان جلد چہارم جزء ہشتم ص۳۵۶ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: پھر اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کی دو فضیلتیں بیان فرمائیں۔ جو دنیا کی تمام عورتوں کو حاصل نہیں۔ وہ اس آیت کریمہ میں موجود ہیں۔ "یٰنساء النبی لستن کاحد من النسآء" زجاج نے کہا۔ اللہ رب العزت نے اس آیت میں "کواحدۃ من النسآء" کے الفاظ بایں وجہ ذکر نہ فرمائے۔ کہ لفظ واحد کی بجائے لفظ "احد" میں نفی عام ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا معنی یہ بیان کیا ہے۔ تمہاری قدرومنزلت میرے نزدیک ایسی ہے جو تمہارے سوا دنیا کی کسی دوسری عورت کی نہیں۔ چاہے وہ کتنی ہی صالح ہو۔ تم میرے نزدیک بہت زیادہ تکریم والی ہو۔ میں تم پر بہت مہربان ہوں۔ تمہارا ثواب میرے نزدیک اس لیے بہت زیادہ ہے۔ کہ تم میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہو۔ ۱۲

علامہ طبرسی نے یہ تسلیم کر لیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو جو عظیم مرتبہ اور ممتاز مقام حاصل ہوا۔ وہ دنیا کی کسی دوسری عورت کو میسر نہیں۔ چاہے وہ کتنی ہی صالحہ اور عابدہ زاہدہ کیوں نہ ہو۔ کیونکہ ان عورتوں کو جو حضور سے نسبت مل گئی۔ وہ کسی کو ملنی ناممکن ہے۔ ان حالات میں انتہائی حیرت کا مقام ہے۔ کہ جن مقدس شخصیات کو اللہ نے اتنا رتبہ عطا کیا، شیعہ انہیں کبھی تو معاذ اللہ منافقہ کبھی کافرہ

اور کبھی مرتدہ تک کہنے سے نہیں شرماتے۔ اور ہر نماز کے بعد ان پر لعنت بھیجنے کو اپنا شعار بنائے بیٹھے ہیں۔ اگر واقعی ان مقدس عورتوں میں اس قسم کی علامات یا اوصاف پائے جاتے ہوتے۔ تو اس کا اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ علم ہوتا۔ اور وہ اس کے جانتے ہوئے انہیں دنیا کی بے مثال عورتیں اور اپنی نیک بندیاں نہ فرما۔ کیونکہ وہ دلوں کے راز اور خفیہ باتوں کا جاننے والا ہے۔ لہذا معلوم ہوا۔ کہ اللہ رب العزت نے جو کچھ ازواج مطہرات کے فضائل و کمالات بیان فرمائے۔ وہ مبنی برحقیقت ہیں۔ اس میں شک و شبہ کرنا دراصل اللہ تعالیٰ کو جھوٹا کہنے کے مترادف ہے۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

آیت تطہیر کے مصداق پر جمہور کا مسلک کیا ہے؟

در نجفیہ:-

لَا بُدَّ اَنْ تُعْلَمَ اَنَّ نِزَاعَ الْخَاصَّةِ مَعَ الْعَامَّةِ الْعَمْيَاءِ لَيْسَ فِيْ صِدْقِ اللَّفْظِ بِحَسْبِ الْعُرْفِ وَاللُّغَةِ لِظُهُوْرِ صِدْقِ اَهْلِ الْبَيْتِ لُغَةً وَعُرْفًا عَلَى النِّسَاءِ وَغَيْرِهَا لِاَنَّ اَهْلَ الْبَيْتِ فِي اللُّغَةِ سُكَّانُهٗ بَلْ فِي الْمُرَادِ وَاسْتَدَلَّ الْجُمْهُوْرُ عَلٰى اَنَّ الْمُرَادَ مِنَ الْاٰيَةِ اَزْوَاجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاٰلِهٖ بِاُسْلُوْبِ الْكَلَامِ قَبْلَهَا وَبَعْدَهَا وَ ذٰلِكَ مُخَالِفٌ لِلرِّوَايَةِ وَالدِّرَايَةِ۔

(در نجفیہ ص ۱۵ مطبوعہ ایران طبع قدیم)

ترجمہ: معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ خاص لوگوں کا اندھے عوام سے لفظ اہل بیت کے باعتبار عرف اور لغت کے صدق میں اختلاف نہیں۔ کیونکہ عرفاً و لغتہً لفظ اہل بیت عورتوں وغیرہ پر بولا جاتا ہے۔ اس لیے کہ اہل بیت لغت میں انہیں کہتے ہیں۔ جو اس گھر میں بسنے والے ہوں۔ بلکہ جھگڑا اور اختلاف اس لفظ کی مراد میں ہے۔ جمہور نے آیت تطہیر میں لفظ اہل بیت کا معنی "ازواج النبی" جو مراد لیا ہے۔ تو یہ اس آیت کے اسلوب اور سیاق و سباق کے لحاظ سے لیا گیا۔ اور یہ معنی لینا روایت اور درایت دونوں کے خلاف ہے۔

شرح نہج البلاغہ لابن میثم:۔

اِخْتَلَفَ النَّاسُ فِی الْمُرَادِ بِاَهْلِ الْبَیْتِ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ فَقَالَ الْجُمْهُوْرُ اِنَّ نِسَآءَ النَّبِیِّ مُرَادَاتٌ بِهٰذِهِ الْاٰیَةِ۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ خَصَّصَهٗ بِهِنَّ مُسْتَدِلِّیْنَ بِسِیَاقِ الْكَلَامِ قَبْلَهَا وَبَعْدَهَا وَاتَّفَقَتِ الشِّیْعَةُ عَلٰی اَنَّهَا خَاصَّةٌ بِعَلِیٍّ وَفَاطِمَةَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ وَهُوَ یَقُوْلُ ابْنُ سَعِیْدٍ خُدْرِیٌّ۔

(ابن میثم شرح نہج البلاغہ شرح خطبۃ الرضی ص۱۰ جلد اول مطبوعہ تہران مطبع حیدریہ طبع جدید)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے اس قول (انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت) میں ذکر شدہ لفظ اہل بیت کی مراد میں لوگوں کا اختلاف ہے۔

جمہور کہتے ہیں کہ اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عورتیں ہیں۔ اور بعض لوگ اس کی تخصیص کرتے ہوئے صرف ازواج مطہرات کے لیے مانتے ہیں۔ ان کی دلیل اس کلام کا سیاق و سباق ہے۔ شیعہ لوگ اس پر متفق ہیں۔ کہ اس سے مراد حضرت علی، فاطمہ، حسن اور حسین ہی ہیں۔

ڈیڑھ اینٹ کی علیحدہ مسجد:۔

قارئین کرام غور فرمائیں۔ کہ شیعہ مفسر و شارح اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ لفظ اہل بیت از روئے عرف و لغت، بیوی پر بولا جاتا ہے۔ اور پھر اسی اطلاق کو جمہور کا مسلک بھی قرار دے رہے ہیں۔ اور مان لیا۔ کہ جمہور کے نزدیک کلام کے سیاق و سباق سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج ہی ہیں۔ اس حقیقت کے تسلیم کر لینے کے بعد آخر میں خو بدرا بہانہ بسیار" کے مطابق و دلتی یہ لگائی۔ کہ اہل بیت سے عرفاً و لغۃً اگرچہ مراد بیوی ہوتی ہے۔ اور جمہور نے بھی یہی کہا۔ لیکن یہ مراد نہ تو عقلاً درست ہے۔ اور نہ روایت کے لحاظ سے قابل قبول ہے۔ اسی بہانہ کی ترجیہ ایک شیعہ شارح یوں کرتا ہے۔

ایک شبہ

کشف الغمہ:۔

فَاِنْ سَاَلَ سَائِلٌ فَقَالَ اِنَّمَا نُزِلَتْ هٰذِهٖ فِیْ اَزْوَاجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِاَنَّ قَبْلَهَا یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ فَتُلْ ذٰلِكَ غَلَطٌ رِوَایَةً وَّدِرَایَةً اَمَّا الرِّوَایَةُ فَحَدِیْثُ اُمِّ سَلَمَةَ وَفِیْ بَیْتِهَا نُزِلَتْ هٰذِهِ الْاٰیَةُ وَاَمَّا الدِّرَایَةُ فَلَوْ

كَانَ فِي نِسَآءِ النَّبِيِّ لَقِيْلَ لِيُذْهِبَ عَنْكُنَّ الرِّجْسَ وَيُطَهِّرَكُنَّ ۔

(کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد ۱ ص ۴۶ فی معنی اہل البیت مطبوعہ تبریز طبع جدید)

ترجمہ: اگر کوئی سوال کرے۔ کہ یہ آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے حق میں نازل ہوئی۔ کیونکہ اس سے پہلے والی آیت میں " اے نبی کی بیویو" کے الفاظ موجود ہیں۔ تو جواب میں یہ کہہ دے۔ کہ یہ کہنا روایت و درایت کے لحاظ سے غلط ہے۔ روایت کے لحاظ سے اس لیے غلط ہے۔ کہ اس آیت کے شان نزول کے بارے میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث یہ بتلاتی ہے۔ کہ اس وقت جن حضرات کو اہل بیت کہا گیا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں نہ تھیں۔ اور درایت کے اعتبار سے غلط اس لیے کہ یہاں طہارت وغیرہ کے لیے جو ضمیر موجود ہے۔ وہ جمع مونث کی نہیں۔ اگر عورتیں ہی مراد ہوتیں۔ تو "کُنَّ" ضمیر آتی۔

اس اعتراض کا حاصل یہ ہے :۔

روایت کے اعتبار سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بیان کے مطابق جن حضرات کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ وہ حضرت علی، فاطمہ، حسن اور حسین تھے۔ اس وقت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کوئی دوسری حضور کی بیوی موجود نہ تھیں۔ اور انہیں بھی آیت تطہیر کی چادر میں نہ لیا گیا۔

عقلی طور پر یوں کہا جائے گا۔ کہ اگر صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ہی "اہل بیت" کا مصداق ہوتیں۔ تو عورتوں کی جماعت کے لیے عربی میں خطاب کے وقت جمع مونث کی ضمیر "کُنَّ" موجود ہے۔ جیسا کہ اس سے پچھلی آیت میں جمع مونث کے صیغے مذکور ہیں۔ لیکن یہاں جمع مذکر مخاطب "کُمْ" کی ضمیر ذکر کرنا اس امر کی طرف اشارہ ہے۔ کہ مخاطبین یا تو تمام مذکر تھے۔ یا مذکر غالب تھے۔ ازواج مطہرات میں سے تو کوئی ایک بھی مذکر نہیں۔ ہاں حضرت علی، فاطمہ، حسن و حسین میں تین حضرات مذکر ہیں۔ اس لیے ان کی اکثریت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے جمع مذکر کی ضمیر ذکر کی۔ لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ آیت تطہیر کا مصداق ازواج مطہرات نہیں۔ بلکہ حضرت علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم ہیں۔

جواب:۔

اعتراض دو وجہ سے تھا۔ ایک باعتبار روایت اور دوسرا بطریقہ درایت۔ اسی طرح جواب کے بھی دو پہلو ہوں گے۔

مجھے ان شیعہ مجتہدین و مفسرین پر حیرت ہے۔ کہ خود مانتے بھی ہیں۔ کہ سیاق و سباق آیت سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ اہل البیت سے مراد ازواج مطہرات ہیں۔ کیا یہاں قرآن خود اپنا مفسر نہیں؟ جب ہے تو کوئی روایت، قرآن کے مقابلہ میں اہمیت نہیں رکھتی۔

روایت کو ہی لیجئے۔ خود حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا اپنے بارے میں استفسار کہ کیا میں "اہل بیت" میں سے نہیں ہوں۔ اس کے جواب میں جو کچھ آپ نے فرمایا۔ کیا وہ صرف حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اکیلی کے بارے میں تھا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی آپ سے علاوہ زوجیت کے اور کون سی نسبت تھی۔ جس کی بنا پر "اہل بیت" ہونے کا سوال کیا۔ جب ان کے استفسار کے جواب میں آپ نے

إِنَّكِ عَلٰى خَيْرٍ اور إِلٰى خَيْرٍ کہا۔ جیسا کہ کشف الغمہ کے حوالہ سے یہ بات ہم قبل ازیں لکھ چکے ہیں۔ تو اس سے معلوم ہوا۔ کہ ام سلمہ اہل بیت میں داخل ہیں۔ تو یہ نسبت جس میں پائی جائے۔ وہ بھی اہل بیت میں شامل ہے۔ اس لیے ازواج مطہرات بھی روایت کے لحاظ سے خارج نہیں۔

رہا معاملہ عقل و درایت کا تو اگرچہ شیعہ لوگوں کا مذہب عقلیات اور ادھر اُدھر کی گپوں کا مرکب ہے۔ مگر یہاں درایت کے طور پر تمہارا زور صرف ضمیروں پر ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جمع مذکر کی ضمیر "کُمْ" باعتبار غلبہ کے ذکر فرمائی۔ جس میں مردوں کا ہونا ضروری ہے؟ آخر تم سے کوئی پوچھ سکتا ہے۔ کہ یہ ضمیروں والا چکر تم نے کہاں سے سیکھا؟ اگر تمہارا جواب یہ ہو۔ کہ اہل لغت کا یہ قاعدہ ہے۔ ہم نے اپنے گھر سے تھوڑا ہی گھڑ لیا ہے۔ تو پھر اس پر تم سے یہ دریافت کیا جا سکتا ہے؟ کہ اہل بیت کے لفظ سے ازواج مطہرات کو نکالنے کے لیے تو تم نے ضمیروں کے بارے میں اہل لغت کو معتبر جانا۔ مگر انہی لغت والوں نے جب یہ کہا۔ (جیسے کہ تم عرف و لغت کے اعتبار سے یہ کہہ چکے ہو۔) کہ اہل بیت سے مراد ازواج ہوتی ہیں تو اسے ماننے میں کون سا سانپ تمہیں سونگھ گیا تھا۔ آخر ضمیروں کے بارے میں کہنے والے وہی اہل لغت ہی تو ہیں۔ تو ایک جگہ جہاں اپنا الو سیدھا ہوتے دیکھا۔ ان کی بات مان لی۔ اور دوسری جگہ جب کرتوٹنے لگی۔ تو اسے رد کر دیا۔ اور پھر جمہور نے جو اہل بیت سے اس آیت میں ازواج مطہرات مراد لیں۔ وہ بھی تمہیں کھٹکا۔ کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو۔ کہ عرف، لغت اور جمہور سبھی جھوٹے ہیں۔ اور ہم صادق و اصدق و صدوق ہیں؟

چلئے! تمہاری لغت دانی کے مقابلہ میں عرف و اہل لغت و جمہور نہیں ٹھہر سکتے تمہارا اس بارے میں بڑا بلند پایہ ہے۔ تو خدارا ہمیں بتلایئے۔ کہ ان آیات میں کیا کرو گے؟

آیت نمبر (۱):-

قَالُوْٓا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ اِنَّهٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

(پ - ع)

ترجمہ:- فرشتوں نے کہا کہ اے عورت کیا تو امر خدا سے تعجب کرتی ہے۔ حالانکہ اے اہل بیت تم پر خدا کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ سزاوار حمد و ثنا ہے۔

(ترجمہ مقبول احمد شیعہ)

آیت نمبر (۲):-

فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ الخ۔

(پ۱۶ - ع۱)

ترجمہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بیوی سے فرمایا۔ کہ (ذرا یہیں) ٹھہرو۔ میں نے آگ دیکھی ہے۔ امید ہے۔ کہ میں اس میں سے تمہارے لیے چنگاری لاؤں گا۔

(ترجمہ مقبول احمد شیعہ)

ان دونوں آیات میں سے پہلی آیت میں "علیکم" میں ضمیر مجرور جمع مذکر کی ہے۔ لہٰذا تمہاری لغت کے مطابق اس کے مخاطب یا تو سبھی مرد ہونے چاہئیں۔ یا مرد اور عورت دونوں لیکن عورتوں کو ماتحت کرتے ہوئے تغلیبی حکم

مردوں کے لیے آیا۔ تو پھر بتلائیے۔ اس "کم" سے کون سے مرد اور کون سی عورتیں مراد تھیں؟ حالانکہ سبھی مفسرین تمہارے سمیت اس سے مراد حضرت سارہ رضی اللہ عنہا زوجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام) لیتے ہیں۔ اگر تمہاری لغت کو مان لیا جائے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ اور اس کے بھیجے ہوئے فرشتوں پر دو الزام آتے ہیں۔ پہلا یہ کہ سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا اکیلی تھیں۔ لیکن انہیں جمع سے تعبیر کیا گیا۔ دوسرا یہ کہ وہ مونث تھیں۔ لیکن خطاب ایسے الفاظ سے ہوا۔ جو مذکروں کے لیے مخصوص ہیں۔

اسی طرح دوسری آیت میں "امکثوا اتیکم" میں دو دفعہ ضمیریں جمع مذکر کی مذکور ہیں۔ لیکن اس کی مخاطب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زوجہ بنت شعیب ہیں۔ اس طرح حضرت موسیٰ پر بھی یہ اعتراض ہو سکتا ہے۔ کہ انہیں یا تو اپنی بیوی کے مذکر یا مونث ہونے کی خبر نہ تھی (جو سراسر باطل ہے) یا پھر انہیں ایک کی بجائے کئی اور وہ بھی نرے مرد یا ملے جلے افراد سمجھتے تھے۔ بہرحال شیعہ لغت کو مان کر اللہ کی ذات اس کے فرشتوں کی عصمت اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ کی شان پر طرح طرح کے الزامات عائد ہوتے ہیں۔

ان تمام باتوں کا مختصر جواب یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کبھی مفرد کی تعظیم کے پیش نظر جمع کے الفاظ سے خطاب فرماتا ہے۔ کبھی غیر ذوی العقول کے لیے عقل مندوں کے صیغے استعمال ہوتے ہیں۔ اور کبھی عورتوں کے لیے مردوں کے ضمائر و صیغہ جات استعمال ہوتے ہیں۔ ان مختلف طریقوں سے علم بلاغت و فصاحت میں بھی گفتگو کی گئی ہے لہذا اس آیت زیر بحث میں جمع مذکر کی ضمیر صرف ازواج رسول کی عظمت شان اور تعظیم و تکریم کے لیے ہے۔

ارشاد خداوندی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں

الاحزاب ۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ ۔

(پ ۲۱ ۔ ع ۱۷)

ترجمہ : نبی مومنین کی جانوں کا خود ان سے زیادہ اختیار رکھنے والا ہے ۔ اور اس کی بیبیاں اُن کی مائیں ہیں ۔

(ترجمہ مقبول احمد شیعہ)

قرآن حکیم کی اس نص قطعی سے معلوم ہوا ۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات جیسی دنیا کی کوئی دوسری عورت نہیں ہو سکتی ۔ چاہے وہ کتنی ہی پارسا اور نیک ہو ۔ کیونکہ مومنین کی مائیں ہونے کا شرف صرف اور صرف ان مقدس مستورات کو ہی حاصل ہے ۔ یہی وجہ ہے ۔ کہ "ام المومنین" کا لقب صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ کے لیے ہی مخصوص ہے ۔ وجہ اس کی یہ ہے ۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ واحد ہستی ہیں ۔ جو تمام مومنوں کے روحانی باپ ہیں ۔ اس امر کی توثیق شیعہ مفسر نے بھی کی ہے ۔

تفسیر قمی :۔

قَالَ نَزَلَتْ وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ وَمَعْنٰی اَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ فَجَعَلَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ اَوْلَادَ رَسُوْلِ

اللہِ وَجَعَلَ رَسُوْلَ اللہِ اَبًا لَّھُمْ۔

(تفسیر قمی ص ۵۱۶ مطبوعہ ایران طبع قدیم)

ترجمہ: فرمایا جب آیت نازل ہوئی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں کے باپ ہو گئے۔ اور آپ کی ازواج ان کی مائیں ہو گئیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مومنوں کا باپ اور مومنوں کو آپ کی اولاد قرار دیا۔

شیعہ مفسر نے واضح طور پر تسلیم کیا۔ کہ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام مومنوں کے روحانی باپ ہیں۔ اسی طرح آپ کی ازواج ان کی مائیں ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے بدگمانی کرنے والے دراصل آپ کو ایذا پہنچانے والے ہیں۔ از روئے قرآن

الاحزاب:

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللہِ وَلَا اَنْ تَنْكِحُوْا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا۔ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللہِ عَظِيْمًا۔

ترجمہ: اور تمہارے لیے یہ جائز نہیں۔ کہ تم رسول اللہ کو ایذا دو۔ اور نہ یہ کہ تم ان کی ازواج سے ان کے بعد کبھی بھی نکاح کرو بے شک اللہ کے نزدیک یہ بات بڑی (برائی) ہے۔

(ترجمہ مقبول احمد شیعہ)

الاحزاب :-

اِنْ تُبْدُوْا شَيْئًا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰۗىِٕكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَي النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۔

(پ ۲۲ ۔ ع ۴)

○

ترجمہ : اگر تم کسی بات کو ظاہر کرو یا چھپاؤ تو اللہ تو ہر چیز کا (پورا پورا) جاننے والا ہے ۔ ان (عورتوں) پر نہ اپنے باپوں کے سامنے ہونے میں کوئی حرج ہے ۔ اور نہ اپنے بیٹوں کے اور نہ اپنے بھائیوں کے اور نہ اپنے بھتیجوں کے اور نہ اپنے بھانجوں کے اور نہ اپنی بیٹیوں کے اور نہ اپنی لونڈیوں کے ۔ اور ان کو چاہیئے ۔ کہ اللہ سے ڈریں ۔ بے شک اللہ ہر چیز کا دیکھنے

والا ہے۔ بالتحقیق اللہ اور اس کے فرشتے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود بھیجتے ہیں۔ اسے ایمان لانے والو! تم بھی ان پر درود پڑھو۔ اور سلام بھیجو سلام بھیجنا بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں۔ اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرمائی ہے۔ اور ان کے لیے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔

توضیح:۔

ان آیات مبارکہ کے بارے میں مفسرین کرام نے لکھا۔ کہ بعض صحابہ کے خیال میں یہ بات آئی۔ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دارِ فانی سے واصل باللہ ہو جائیں گے۔ تو آپ کی ازواج کے بارے میں کیا مسئلہ ہو گا۔ کیا عام عورتوں کی طرح چار ماہ دس دن گزارنے (بشرطِ غیر حاملہ) کے بعد کسی اور کا ان سے نکاح ہو سکے گا۔ تو ان لوگوں کے خیال کے رد میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ اور فرمایا۔ کہ جن عورتوں کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتۂ زوجیت استوار ہو چکا ہے۔ ان سے دوسرا کوئی شخص قطعاً نکاح نہیں کر سکتا۔ نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری میں جب کہ آپ کسی بیوی کو طلاق دے کر فارغ کر دیں۔ اور نہ ہی حیات برزخی میں چار ماہ دس دن گزرنے کے بعد۔

یہ خیال اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہراً تکلیف کا سبب نہیں بنتا تھا۔ لیکن جب کوئی شخص اس پہلو سے اس پر غور کرتا ہے کہ اس کی زوجیت میں رہنے والی عورت اب کسی دوسرے کی بیوی بن کر رہ رہی ہے۔ تو اُسے کچھ نہ کچھ کوفت ہوتی ہے۔ اتنی معمولی سی کوفت جو کہ ایک مسئلہ کی صورت میں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بھی اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء سے تعبیر فرمایا۔ اور فرمادیا کہ نبی کی بیوی سے

کسی اور کا کسی صورت میں نکاح کرنا میرے نزدیک بڑا بھاری گناہ ہے۔ اور پھر ایذائے رسول کا عذاب یوں بیان کیا۔ کہ ایسے شخص پر اللہ کی دنیا میں بھی لعنت اور آخرت میں بھی لعنت۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ ازواج مطہرات کا تقدس صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری تک ہی نہ تھا۔ بلکہ اس کے بعد بھی وہ مقدس ہیں۔ اور کل قیامت کو بھی یہ مقدس مستورات جب جنت میں جائیں گی۔ تو زوجیت رسول کا شرف انہیں وہاں بھی حاصل ہوگا۔

(ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی آپ کی ازواج سے نکاح اس لیے حرام ہے کہ وہ جنت میں بھی آپ کی ازواج ہوں گی۔

تفسیر مجمع البیان:۔

علامہ طبرسی نے بھی مضمون بالا کی توثیق ان الفاظ سے کی ہے۔

(وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ) اَىْ لَيْسَ لَكُمْ اِيْذَآءُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ بِمُخَالَفَةِ مَا اَمَرَبِهٖ فِىْ نِسَآئِهٖ وَلَا فِىْ شَىْءٍ مِّنَ الْاَشْيَآءِ (وَلَا اَنْ تَنْكِحُوْا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ اَبَدًا) اَىْ مِنْۢ بَعْدِ وَفَاتِهٖ اَلْمَعْنٰى وَلَا يَحِلُّ

لَكُمْ اَنْ تَزَوَّجُوْا وَاحِدَةً مِّنْ نِّسَآءِهٖ بَعْدَ مَمَاتِهٖ كَمَا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْهُ فِيْ حَالِ حَيَاتِهٖ وَ قِيْلَ مِنْ بَعْدِهٖ اَيْ مِنْ بَعْدِ فِرَاقِهٖ فِيْ حَيَاتِهٖ كَمَا قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْ بَعْدِيْ (اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا) اَيْ اِيْذَاءُ الرَّسُوْلِ بِمَا ذَكَرْنَا كَانَ ذَنْبًا عَظِيْمَ الْمَوْقِعِ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى (اِنْ تُبْدُوْا شَيْئًا اَوْ تُخْفُوْهُ) اَيْ تُظْهِرُوْا شَيْئًا اَوْ تُضْمِرُوْهُ مِمَّا نُهِيْتُمْ عَنْهُ مِنْ تَزْوِيْجِهِنَّ (فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا) مِنَ الظَّوَاهِرِ وَ السَّرَآئِرِ وَ هٰذَا تَهْدِيْدٌ. وَ رُوِيَ عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّهٗ قَالَ لِاِمْرَاَتِهٖ اِنْ تُرِيْدِيْ اَنْ تَكُوْنِيْ زَوْجَتِيْ فِي الْجَنَّةِ فَلَا تَتَزَوَّجِيْ مِنْ بَعْدِيْ فَاِنَّ الْمَرْاَةَ لِاٰخِرِ اَزْوَاجِهَا فَلِذٰلِكَ حَرَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى اَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اَنْ يَّتَزَوَّجْنَ بَعْدَهٗ۔

(تفسیر مجمع البیان جلد چہارم جزء ہشتم صفحہ ۳۶۸ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: اے مومنو! تمہارے لیے یہ بات ہرگز جائز نہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کرو۔ جو حکم آپ نے اپنی ازواج کے بارے میں دے رکھا ہے۔ اور ان کے علاوہ آپ کے کسی حکم کی بھی مخالفت نہ کرو۔ اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی بیویوں سے شادی نہ کرو معنی یہ کہ آپ کی بیویوں میں سے کسی ایک سے بھی بعد از وفاتِ نبی، شادی نہ کرنا۔ یہ اسی طرح ممنوع ہے۔ جس طرح آپ کی حیات ظاہری میں آپ کو ایذا دینی ممنوع ہے۔ اور اس کا معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ کہ آپ اپنی زندگی میں اگر کسی بیوی کو طلاق دے کر اس سے جدائی کر لیں۔ تو آپ کی مطلقہ سے شادی نہ کرو۔ اسی معنی کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے۔ "بئسما خلفتمونی من بعدی"، یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طور سے واپسی پر قوم کو فرمایا۔ میرے یہاں سے جانے کے بعد جو کچھ تم نے ڈھونگ رچایا۔ بہت برا کیا۔ مذکورہ طریقوں میں سے کسی طریقہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انتہائی بڑا گناہ ہے۔ اور اگر تم آپ کی ازواج کے ساتھ نکاح کے بارے میں کسی بات کو چھپاؤ یا ظاہر کرو۔ کہ جن باتوں سے تمہیں منع کیا گیا۔ تو اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہر اور رازوں کو جاننے والا ہے۔ یہ در اصل جھڑک ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی۔ کہ آپ نے اپنی بیوی سے فرمایا۔ اگر تم چاہتی ہو۔ کہ کل قیامت کو جنت میں تم میری زوجیت میں ہی رہو۔ تو میرے بعد کسی سے شادی نہ کرنا۔ یہ اس لیے کہ عورت، سب سے آخری خاوند کی ہوتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں

کو کسی اور سے شادی کرنے سے منع کر دیا۔

قارئین کرام :۔

ان آیات کی تفسیر میں آپ نے شیعہ مفسر سے بھی سن لیا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا آپ سے صرف دنیا ہی میں تعلق نہیں۔ بلکہ آخرت میں بھی وہ آپ کی بعینہٖ زوجیت میں ہوں گی۔ جس طرح دنیا میں انہیں یہ اعزاز حاصل تھا شیعہ مفسر نے اس کی تصدیق ان الفاظ سے کی ہے۔ "اللہ تعالیٰ نے آپ کی ازواج سے نکاح اس لیے حرام قرار دیا۔ کہ کل قیامت کو جنت میں بھی یہ آپ کی بیویاں ہوں گی" لہٰذا معلوم ہوا کہ امہات المومنین کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ابدی ہے۔ تو جس طرح آپ کی ظاہری زندگی میں آپ کی ازواج مطہرات کے بارے میں نازیبا اور غلط لفظ کہنے والا ایذائے رسول کا مرتکب ہو کر لعنت خداوندی کا مستحق ہوتا ہے۔ اسی طرح تا قیامت ان کے بارے میں نازیبا الفاظ کہنے والا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتا ہے۔ اور اس طرح لعنتِ خداوندی مول لیتا ہے۔

ایذائے رسول کی بجائے اللہ تعالیٰ مومنوں کو یہ حکم دیتا ہے۔ کہ اللہ کے حبیب کے حضور اپنے صلوٰۃ وسلام کے نذرانہ جات اور ہدایا بھیجو۔ تاکہ انہیں مسرت حاصل ہو۔ اور تمہارے حق میں اللہ کے حضور شفاعت فرمائیں۔

ذرا سوچو :۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ازواج کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو اتنی سی بات گوارا نہ ہوئی۔ کہ عام عورتوں کی طرح ان کے خاوندوں کے مرنے کے بعد وہ کسی سے عدت گزارنے کے بعد نکاح کر سکیں۔ اور اس قسم کے خیال کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء قرار دیا۔ لہٰذا جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ ہر

نماز کے بعد ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر لعنت بھیجنی چاہیئے۔ اور اسی طرح حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو بھی بُرا بھلا کہتے ہیں۔ کیا اس طرح انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء نہ دی جس شخص کے دل میں رائی بھر ایمان ہوگا۔ وہ یقیناً کہے گا۔ کہ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی دکھ پہنچایا گیا۔ لہٰذا ایسا شخص اللہ کی لعنت اور پھٹکار کا مستحق ہے۔

شیعو! اس آیت کو بار بار پڑھو۔ اور غور سے پڑھو۔ تم جو یہ عقیدہ رکھتے ہو۔ کہ ازواج مطہرات پر لعنت بھیجنا سنت ائمہ اہل بیت ہے۔ کیا اس طرح تم ایذائے رسول کے مرتکب ہو کر اللہ کی لعنت سے بچ جاؤ گے۔ یقیناً تم جو حضرت عائشہ پر لعنت کرتے ہو۔ وہ الٹی تم پر وبال بن کر اترتی ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ خدا بھی تم پر لعنت کرتا ہے۔ توبہ کا دروازہ ابھی کھلا ہے۔ اور وقت ہے۔ کہ اس قبیح فعل اور عقیدہ سے تائب ہو جاؤ۔ ورنہ ابدی مردود ہو جاؤ گے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

نبی علیہ السلام نے اپنی ازواج کی خوشنودگی کے لیے خود پر شہد حرام کر لیا

التحریم:-

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ وَاللَّهُ مَوْلَاكُمْ

وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ۔

(پ ۲۸ - ع ۱۹)

ترجمہ: اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کیوں حرام کرتے ہو اس چیز کو جسے حلال کیا ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے۔ اپنی بیویوں کی رضا چاہتے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا (اور) بڑا رحم کرنے والا ہے۔ خدا تعالیٰ نے تمہارے لیے (کفارہ سے) تمہاری قسموں کا توڑ دینا مقرر فرما دیا ہے۔ اور اللہ تمہارا مالک ہے۔ اور وہ بڑا جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔

(ترجمہ مقبول احمد شیعہ)

شانِ نزول :-

مختلف روایات کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے کسی ایک کے پاس شہد تھا۔ جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند دن نوش فرمایا۔ دوسری ازواج کو تقاضائے بشری کے مطابق یہ رشک پیدا ہوا۔ انہوں نے باہمی صلاح و مشورہ کیا۔ انہیں یہ علم تھا کہ آپ کو مغافیر (ایک درخت کی گوند) سے انتہائی نفرت ہے۔ اس لیے انہوں نے آپس میں یہ طے کیا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے کسی کے پاس جب تشریف لائیں۔ تو آپ سے یہ عرض کی جائے۔ کہ حضور! آپ کے منہ سے مغافیر کی بُو آتی ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس کے پاس بھی گئے۔ اسی عورت نے آپ سے یہی کہا۔ آپ نے انہیں یہی فرمایا۔ کہ میں نے مغافیر نہیں بلکہ شہد نوش کیا ہے۔ لیکن ان کے بیک زبان اس طرح کہنے سے آپ نے شہد کا استعمال اپنے لیے حرام قرار دے دیا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا۔ اے محبوب! آپ ایک

حلال چیز کو محض ازواج کو راضی کرنے کے لیے حرام ٹھہرا رہے ہیں۔ آپ کفارہ ادا کر دیں۔ اور شہد کو حلال ہی رہنے دیں۔ یہی واقعہ شیعہ مفسر نے یوں نقل کیا ہے۔

تفسیر صافی :۔

وَقِيلَ شَرِبَ عَسَلًا عِنْدَ حَفْصَةَ
فَتَوَاطَأَتْ عَائِشَةُ وَسَوْدَةُ وَصَفِيَّةُ
فَقُلْنَ لَهُ إِنَّا نَشَمُّ مِنْكَ رِيحَ الْمَغَافِيرِ
فَحَرَّمَ الْعَسَلَ فَنَزَلَتْ۔

(تفسیر صافی جلد دوم ص ۷۱۶ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: بیان کیا گیا۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کے گھر شہد نوش فرمایا۔ تو حضرت عائشہ، سودہ اور صفیہ نے باہم اتفاق کیا۔ اور آپ سے کہا حضور! ہمیں آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے۔ تو آپ نے شہد حرام کر لیا۔ اس پر یہ آیت اتری۔

آیتِ مذکورہ سے معلوم ہوا۔ کہ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو اپنی ازواج کی دل جوئی اس قدر محبوب و مرغوب تھی۔ کہ آپ نے ایک حلال چیز کو محض ان کی خوشنودی کی خاطر اپنے اوپر حرام کر لیا۔ جب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اہل بیت (ازواج مطہرات) اس قدر محبوب تھیں۔ تو اب کوئی آدمی ان مقدس مستورات کی شان میں گستاخیاں، بے ادبیاں اور لعن طعن کرے۔ ایسے آدمی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ محض حسد اور بغض ہے۔ جس کی بنا پر آپ کی ازواج مطہرات کے بارے میں کوئی اس قدر بے باک نظر آئے۔

قابل توجہ امر:۔

شیعہ عقائد کی کتب خاص کر اصول کافی میں ان کے ایک عقیدے کا ذکر ملتا ہے۔ کہ ہر امام علم غیب کل جانتا ہے۔ اور شیعہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مغیبات کا جامع مانتے ہیں۔ تو پھر یہ کیونکر ممکن کہ آپ کو اپنی ازواج کے کہنے پر شہد کے استعمال میں شک ہو گیا ہو۔ اور ان کے کہنے پر مغافیر کے استعمال کا خیال گزرا ہو۔ حضور تو رہے حضور ایک عام آدمی بھی اس طرح کے واقعہ پر اپنی یادداشت پر بھروسہ کرتا ہے۔ اور مغافیر اور شہد میں فرق محسوس کرتا ہے۔ تو پھر آپ نے مغافیر کی بجائے شہد کو حرام کر لیا۔ معلوم ہوا آپ کو صرف اپنی ازواج کی دلجوئی مطلوب تھی۔

اب توضیح سے معلوم ہو گیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی محبوب چیز شہد کو بھی ازواج مطہرات کی رضامندی کے سامنے کوئی اہمیت نہ دی۔ اور انہیں خوش رکھتے ہوئے شہد کو حرام کر لیا۔ یہ الگ بات ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کی بھلائی کی خاطر قسم کا کفارہ ادا کرنے اور شہد کو بدستور حلال رکھنے کا ارشاد فرمایا۔ کیونکہ اس میں بہت سے فوائد تھے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس کی حرمت کو برقرار رکھتا۔ تو امت ان فوائد سے محروم رہ جاتی۔

بہرصورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ازواج مطہرات سے انتہائی محبت تھی۔ خاص کر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے تو آپ بے پناہ محبت کرتے تھے حضور ان سے محبت کریں۔ ان کی رضامندی حاصل کریں۔ اور تم (شیعہ) ان کی شان میں گستاخیاں کرو۔ ان میں عیب نکالو۔ کیا اس طرح تم اپنی عاقبت برباد کرنا چاہتے ہو۔ ہوش کرو۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی گستاخیوں سے آپ کو ناراض کر کے جہنم مول نہ لو۔ یہ سودا کسی طور فائدہ مند نہیں۔

فصل سوم

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

کے فضائل از قرآن مجید و کتب شیعہ

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سیدہ ام المومنین، محبوبہ محبوب رب العالمین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بڑا مقام ہے یہی وہ خوش قسمت ہیں۔ جن کی طہارت و پاکدامنی اور فضائل میں اللہ رب العزت نے اٹھارہ آیات نازل فرمائیں۔ انہی کے ذریعہ بہت سے احکام شریعہ امت تک پہنچے۔ انہی کی بدولت اللہ تعالیٰ نے تیمم جیسی ممتاز نعمت ہمیں عطا فرمائی۔ یہ نعمت اس سے قبل کسی امت کو نہ ملی۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گھرانے کے بہت سے احسانات ہیں۔ آپ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج میں سے زیادہ عالمہ فاضلہ تھیں بخود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک بھی ہے۔ کہ "عائشہ سے سیکھو" سیرت اور تاریخ کی کتب میں مذکور ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تصویر ان کی پیدائش سے قبل تین مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دکھائی۔ اور فرمایا

کہ اے محبوب! میں آپ کو ایسی صورت کی بیوی عطا کروں گا۔ (مدارج النبوت) اسی کا لازمی نتیجہ تھا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام کائنات کی عورتوں میں اگر کسی سے زیادہ محبت اور پیار تھا۔ تو وہ سیدہ عائشہ صدیقہ تھیں۔ اس امر کی تصدیق شیعہ حضرات کی معتبر تاریخ میں بھی موجود ہے۔

ارشادِ رسول، عورتوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب عائشہ رضی ہے اور مردوں میں ان کا والد ابوبکر رضی، پھر عمر رضی

روضۃ الصفاء :۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جب کامیابی و کامرانی کے ساتھ غزوۂ ذاتِ سلاسل سے واپس لوٹے۔ تو دل میں خیال گزرا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما پر بھی مجھے سپہ سالار مقرر فرمایا۔ تو عین ممکن ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک میرا مقام ان دونوں صاحبوں سے زیادہ ہو۔ جس کی وجہ سے مجھے ان پر شرف عطا ہوا۔ تو اس دلی خیال کو لے کر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔

یارسول اللہ محبوب ترین خلائق نزد تو کیست فرمود کہ عائشہ۔ عمرو گفت سوالِ من از رجال است۔ فرمود کہ پدر او باز پرسید بعد از وے کیست۔ فرمود عمر۔

(تاریخ روضۃ الصفاء جلد دوم ص۳۸ ذکر احوال خاتم الانبیاء مطبوعہ لکھنؤ طبع قدیم)

ترجمہ: عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ یارسول اللہ! تمام مخلوقات میں سے آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ فرمایا۔ عائشہ (رضی اللہ عنہا) پھر پوچھا حضور! میرا سوال مردوں کے متعلق ہے۔ (یعنی مردوں میں سے آپ کس کو محبوب ترین سمجھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) پوچھا۔ ان کے بعد فرمایا عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے غموں کا مداوا تھیں۔

کتب تاریخ اور احادیث میں یہ واقعہ مشہور و معروف ہے۔ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور چچا ابو طالب کا انتقال ہوا۔ تو آپ کو ان دونوں کے یکے بعد دیگرے انتقال سے بہت صدمہ پہنچا۔ جس سال یہ واقعہ رونما ہوا۔ اُسے نام ہی "عام الحزن" دیا گیا۔ یعنی وہ سال جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حزن و ملال پیش آیا۔

ادھر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب سرور کائنات کی یہ کیفیت دیکھی۔ تو انہیں بھی بہت دُکھ پہنچا۔ اور سوچنے لگے۔ اس کا کوئی حل ہونا چاہیئے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دُکھ اور غم ختم ہو جائیں۔ بالآخر یہ فیصلہ کیا۔ کہ اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف چالیس سے اوپر ہو چکی ہے۔ اور میری بیٹی عائشہ رضی اللہ عنہا نے ابھی عمر کی سات بہاریں ہی دیکھی ہیں۔ لیکن اس عمر کے تفاوت کے باوجود اگر میں اپنی لخت جگر کو سرکار پر قربان کردوں۔ تو ہو سکتا ہے۔ کہ آپ کا حزن و ملال کم ہو جائے۔

ہے۔ جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ تذکرہ حضور کی بارگاہ میں کیا۔ تو آپ سن کر بہت خوش ہوئے۔ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ہمدردی اور خلوص کو دیکھتے ہوئے آپ نے حضرت عائشہ کو اپنی زوجیت کے لیے قبول فرمالیا۔ نکاح ہو گیا۔ اور دو تین برس بعد جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف انچاس برس تھی۔ اور حضرت عائشہ ۹ سال کی تھیں۔ رخصتی عمل میں آئی۔ اس کی توثیق تاریخ شیعہ نے بھی کی ہے۔

ابوبکر صدیق نے اپنی بچی عائشہ رض کا عقد نبی علیہ السلام سے اس لیے کیا کہ نبی اکرم کو مغموم دیکھ نہ سکتے تھے، پھر ابوبکر نے مہر بھی اپنی جیب سے پیش کر دیا

تاریخ ائمہ:۔

حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) حضرت ابوبکر کی بیٹی تھیں۔ سنہ ۱۰ بعثت میں جب حضرت خدیجہ انتقال کر چکی تھیں۔ تو ان کی جدائی پر آں حضرت کو بڑا صدمہ ہوا۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوبکر حضرت عائشہ کو آنحضرت کی خدمت میں لائے۔ اور کہا یا رسول اللہ یہ بچی آپ کے صدمہ کو کچھ کم کرے گی۔ غرض حضرت نے حضرت عائشہ سے نکاح کر لیا۔ مگر زفاف کی نوبت نہیں آئی۔ جب حضرت ہجرت کر کے مدینہ آئے۔ اور حضرت ابوبکر بھی وہاں پہنچ گئے۔ تو آپ نے آنحضرت سے پوچھا۔ اے رسول خدا! اپنی بیوی کو اپنے گھر کیوں نہیں لے جاتے؟ فرمایا ابھی مہر کا روپیہ

نہیں ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی تھیں۔ کہ ابا جان نے آنحضرت کو ساڑھے بارہ اوقیہ (مہر ادا کرنے کو) دیا۔ حضرت نے اُسے ہمارے ہاں بھیجا۔

(تاریخ ائمہ مصنفہ سید علی حیدر نقوی ص۲۷ مطبوعہ کتب خانہ شاہ نجف لاہور)

رخصتی کے وقت سیدہ عائشہ کی عمر ۹۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ۵۳ سال تھی اور ازواج رسول میں سے یہی کنواری ہیں

مناقب آل ابی طالب:۔

وَعَائِشَةُ بِنْتُ اَبِیْ بَکْرٍ وَهِیَ ابْنَةُ سَبْعٍ قَبْلَ الْهِجْرَةِ بِسَنَتَیْنِ وَ یُقَالُ کَانَتْ اِبْنَةَ سِتٍّ وَّدَخَلَ بِهَا بِالْمَدِیْنَةِ فِیْ شَوَّالٍ وَهِیَ ابْنَةُ تِسْعٍ وَّلَمْ یَتَزَوَّجْ غَیْرَهَا بِکْرًا وَتُوُفِّیَ النَّبِیُّ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَهِیَ ابْنَةُ ثَمَانِیَةَ عَشَرَةَ سَنَةً وَبَقِیَتْ اِلٰی اِمَارَةِ مُعَاوِیَةَ وَقَدْ قَارَبَتِ السَّبْعِیْنَ۔

(مناقب آل ابی طالب مصنفہ ابن شہر آشوب مازندرانی جلد اول ص۱۵۹ فی اقرباۂ وخدامہ علیہ السلام مطبوعہ قم طبع جدید)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں، ہجرت سے دو سال قبل ان کی عمر سات برس کی تھی۔ اور چھ برس بھی کہا گیا ہے ۹ سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حقوق زوجیت قائم کیے ان کے علاوہ کوئی کنواری عورت آپ کے عقد میں نہ آئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر اٹھارہ برس تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت تک زندہ رہیں۔ ستر برس کی عمر شریف پائی۔

منتخب التواریخ:۔

الثانیۃ عائشۃ دختر ابابکر بود و مادر عائشہ و عبدالرحمٰن بن ابی بکر ام رومان بنت عامر بن عمیر بود۔ و پیغمبر (ص) در مکہ معظمہ بعد از رحلت خدیجہ کبریٰ و قبل از تزویج سودہ در ماہ شوال۔ او را تزویج فرمود و زفافش بعد از تزویج سودہ در ماہ شوال سال اوّل ہجرت مدینہ طیبہ واقع شد در حالت کہ عائشہ دہ سالہ بود و پیغمبر (ص) پنجاہ و سہ سالہ بودند۔

(منتخب التواریخ ص۲۱ باب اول فصل چہارم مطبوعہ ایران طبع جدید)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری زوجہ حضرت عائشہ تھیں۔ جو ابوبکر صدیق کی صاحبزادی تھیں۔ حضرت عائشہ اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی والدہ ام رومان بنت عامر بن عمیر تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ میں حضرت خدیجہ الکبریٰ کے انتقال کے بعد اور حضرت سودہ سے نکاح کرنے سے قبل ان (عائشہ) سے نکاح فرمایا۔ شوال کے مہینہ میں عقد ہوا۔

لیکن تعلقات زوجیت، حضرت سودہ کے نکاح میں آنے کے بعد شوال کے مہینہ میں ہجرت کے پہلے سال مدینہ طیبہ میں قائم ہوئے۔ اس وقت حضرت عائشہ دس برس کی تھیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترپن ۵۳ سال کے تھے۔

مذکورہ کتب شیعہ (روضۃ الصفاء، تاریخ ائمہ، منتخب التواریخ) سے یہ وضاحت مل گئی۔ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی دختر نیک اختر کو حضور کی زوجیت میں اس لیے دیا۔ تاکہ آپ کے حزن و ملال میں کمی ہو جائے۔ اور یہ انتخاب دراصل اللہ رب العزت کی طرف سے تھا۔ دوسرا یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات میں کنواری بیوی صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ تیسرا یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ سے اس قدر محبت تھی۔ کہ یہ نعمت کسی دوسری عورت کو نہ مل سکی۔

ان حوالہ جات کو ملاحظہ کرنے کے بعد کوئی صاحب ایمان یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے دیگر گھر والوں سے کوئی عداوت تھی۔ بلکہ اس کے برخلاف وہ یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گا۔ کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور ان کی صاحبزادی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو قرب اور بلند مرتبہ حاصل تھا۔ وہ کسی دوسرے کو حاصل نہ تھا۔ اور جتنے یہ دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھے۔ مخلوق میں کوئی بھی اتنا محبوب، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں نہ تھا۔

تہمت لگنے پر اللہ نے سیدہ عائشہ کی طہارت کس طرح بیان فرمائی؟

النور:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ؕ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَ الَّذِیْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ لَوْ لَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا ۙ وَّ قَالُوْا هٰذَاۤ اِفْكٌ مُّبِیْنٌ

(پ ۱۸ - ع ۸)

ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے تہمت لگائی وہ تم میں ہی سے ایک گروہ ہے اس کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو۔ بلکہ وہ تمہارے لیے اچھا ہے۔ ان میں ہر شخص کے لیے جو گناہ بھی وہ کرے گا۔ وہی ہے۔ اور جو اُن میں سے گناہ کا بڑا حصہ لے گا۔ اسی کے لیے بڑا عذاب ہے۔ جس وقت کہ تم نے اُن کو سنا تھا۔ تو مومن مردوں اور مومن عورتوں نے نیک گمان کیوں نہ کیا۔ اور یہ کیوں نہ کہا۔ کہ یہ صریح بہتان ہے۔

(ترجمہ مقبول احمد شیعہ)

شانِ نزول:۔

ہجرت کے پانچویں سال غزوہ بنی مصطلق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ

ازواج مطہرات میں سے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی تھیں مجاہدین کے قافلہ نے ایک جگہ رات گزاری۔ صبح سویرے کوچ کرنے سے قبل آپ قضاء حاجت کے لیے کسی گوشہ میں تشریف لے گئیں۔ اتفاقاً وہاں آپ کے گلے کا ہار کہیں گر گیا۔ اس کی تلاش میں دیر ہو گئی۔ ادھر مجاہدین کا قافلہ وہاں سے روانہ ہو گیا لیکن قافلہ والوں میں سے آپ کی عدم موجودگی کا کسی کو علم نہ ہو سکا۔ جب آپ پڑاؤ پر پہنچیں۔ تو وہاں بیٹھ گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کو قافلہ کے پیچھے رہنے کا حکم دیا تھا۔ تاکہ کوچ کرتے وقت گری پڑی چیز پر اٹھا لائیں۔ جب حضرت صفوان یہاں پہنچے۔ تو "انا للہ وانا الیہ راجعون" بلند آواز سے کہا۔ ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا غنودگی کے عالم میں تھیں۔ آواز سن کر فوراً سنبھلیں۔ جناب صفوان نے اپنا اونٹ بٹھایا۔ مائی صاحبہ اس پر سوار ہو گئیں۔ اور جناب صفوان اس کی مہار پکڑے آگے آگے چلنے لگے۔ حتی کہ قافلہ میں آن پہنچے۔ سیاہ دل بدبخت منافقین نے مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا پر بدکاری کا الزام دھرا۔ بعض سیدھے سادھے مسلمان بھی ان کے فریب میں آگئے۔ لیکن ان تمام باتوں کا حضرت عائشہ کو پتہ نہ چل سکا۔ گھر پہنچنے کے بعد بیمار ہو گئیں۔ اتنا روئیں۔ کہ رات بھر نیند نہ آئی۔ اس موقعہ پر یہ آیات اتریں۔ جن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طہارت و برأت کا واضح ذکر فرمایا۔

(تفسیر مجمع البیان جلد چہارم جزء ہفتم
ص ۱۳۱ مطبوعہ تہران طبع جدید)

آیات مذکورہ کے بعض الفاظ سے مندرجہ ذیل امور صراحۃً ثابت ہوئے

۱۔ "افک" سے کذب عظیم مراد ہے۔ صاحب تفسیر مجمع البیان نے بھی لکھا بالافك ای بالکذب العظیم۔ جس سے معلوم ہوا۔ کہ جن لوگوں نے دیدہ دانستہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی۔ وہ کذاب تھے۔ اور مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا چونکہ اس تہمت سے بری تھیں۔ اور سچی تھیں۔ اس لیے "صدیقہ" کہلائیں۔

۲۔ ظنّ المومنون والمومنات الخ سے معلوم ہوا۔ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ایک غلط گمان بھی اللہ تعالےٰ کو سخت ناگوار ہے۔ اس سے معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا پر لعن طعن کرنے والا اللہ کے ہاں کس قدر ذلیل ہوگا۔

۳۔ "ھذا افك مبین" کے الفاظ بتلاتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے بھی ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ جنہوں نے اس الزام کو سننے کے بعد تردید نہ کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جو لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کی ازواج مطہرات میں سے کسی ایک کے بارے میں بکواسات ولغویات بکتے ہیں۔ ان کے بکواسات ولغویات کو سننے والے بھی اللہ تعالیٰ کے غضب میں ہیں۔ اس لیے اہل سنت کو خبردار رہنا چاہیئے۔ اور کسی ایسی مجلس، جلسہ یا کانفرنس میں شامل نہ ہونا چاہیے۔

جہاں اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج مطہرات پر تبرہ بازی

ہوتی ہو۔

ناسمجھی سے تہمت عائشہ میں منافقین کی ہمنوائی کرنے والے مسلمانوں کو کیا سزا ملی؟

لکل امرئ منھم ما اکتسب من الاثم الخ سے معلوم ہوا۔ کہ وہ لوگ جنہوں نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت باندھی ان پر عذاب عظیم ہے۔ اسی لیے احادیث میں مذکور ہے۔ کہ جن سیدھے سادھے مسلمانوں نے فریب کھا کر اس تہمت میں منافقوں کی ہم نوائی کی۔ انہیں بھی سزا ملی۔ بعض پر حد قذف جاری کی۔ اور بعض کو قدرتی آفات سے سزائیں ملیں۔ جیسا کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بارے میں صاحب تفسیر مجمع البیان نے لکھا ہے۔ کہ ان کی آنکھوں کی بینائی جاتی رہی تھی۔ ایک اور شیعہ تفسیر میں یوں مذکور ہے۔

منہج الصادقین:

گویند حسان بود کہ آخر عمر نابینا گشت یا مسطح کہ دست ہائے او شل شد

(تفسیر منہج الصادقین جلد ششم ص ۲۶۱ مطبوعہ تہران)

ترجمہ: بیان کرتے ہیں۔ کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی آخری عمر میں آنکھیں بینائی سے محروم ہو گئیں۔ اور حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کے ہاتھ شل ہو گئے۔ اسی لیے جب کسی نے سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا۔ حسان رضی اللہ عنہ آپ کے پاس حاضر تھے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے

فرمایا ہے۔

تفسیر مجمع البیان :-

وَالَّذِىْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔
فَقَالَتْ عَائِشَةُ اَلَيْسَ قَدْ كُفَّ بَصَرُهٗ۔

(تفسیر مجمع البیان جلد چہارم جزء ہفتم ص۱۳۱ مطبوعہ تہران)

ترجمہ : یعنی وہ آدمی جو ایک بڑے گناہ کا حصہ دار ہے۔ اس کے لیے عذاب عظیم ہے۔ تو سیدہ نے فرمایا۔ اسی عذاب عظیم نے تو حسان کی آنکھوں سے بینائی چھین لی تھی۔

تہمت کے صدمہ عظیمہ پر سیدہ عائشہ کا صبر اور اس کا اجر عظیم اللہ کی طرف سے

"لا تحسبوہ شرا لکم بل ھو خیر لکم" سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفوان رضی اللہ عنہ جو اس تہمت کے لگنے پر بہت پریشان ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تسلی دی۔ اور فرمایا۔ یہ تمہارے لیے بظاہر پریشان کن ضرور ہے۔ لیکن تمہیں اسے اپنے لیے برا نہیں سمجھنا چاہیئے۔ بلکہ اس کا انجام تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اسی بہتری کی وضاحت "صاحب مجمع البیان" سے سنیں۔

تفسیر مجمع البیان :-

(لا تحسبوہ شرا لکم بل ھو خیر لکم) هٰذَا خِطَابٌ

لِعَائِشَةَ وَصَفْوَانَ لِاَنَّهُمَا قُصِدَا بِالْاِفْكِ وَلِمَنِ اغْتَمَّ بِسَبَبِ ذٰلِكَ وَخِطَابٌ لِكُلِّ مَنْ رُمِيَ بِسَبَبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَيْ لَا تَحْسَبُوْهُ غَمَّ الْاِفْكِ شَرًّا لَكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَكُمْ لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُبْرِئُ عَائِشَةَ وَيَاجُرُهَا بِصَبْرِهَا وَاحْتِسَابِهَا وَيُلْزِمُ اَصْحَابَ الْاِفْكِ مَا اسْتَحَقُّوْهُ بِالْاِثْمِ الَّذِيْ اِرْتَكَبُوْهُ فِيْ اَمْرِهَا۔

(تفسیر مجمع البیان جلد چہارم جزء ہفتم ص۱۳۱ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: لاتحسبوہ شرا لکم الخ یہ خطاب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کو ہوا۔ کیونکہ واقعہ افک ان دونوں سے متعلق تھا۔ اور یہ خطاب ان لوگوں کو بھی ہے۔ جو اس واقعہ سے غم ناک ہوئے تھے۔ بلکہ اس آیت کا ہر وہ شخص مخاطب ہے۔ جس پر کسی وجہ سے تہمت لگائی گئی ہو۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ یعنی واقعہ افک کا غم تم اپنے لیے برا نہ سمجھو۔ بلکہ وہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پاکدامن قرار دیا۔ اور ان کے صبر کا انہیں اجر عطا فرمائے گا۔ اور ان کے اپنے محاسبہ کرنے پر ثواب جزیل عطا فرمائے گا۔ اُدھر واقعہ افک میں ملوث تہمت لگانے والے اپنے کیے کا ضرور گناہ پائیں گے۔ ۱۲

آیت مذکورہ اور اس کی شیعہ تفسیر سے معلوم ہوا۔ کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے واقعہ افک کے بارے میں فرمایا۔

تمہارے حق میں یہ بہتر ہے۔ اس بہتری کی وضاحت شیعہ مفسر نے کر دی۔ وہ یہ کہ آپ کی پاکدامنی اس علام الغیوب نے بیان فرمائی ہے۔ جو قیامت تک کے حالات سے بھی باخبر ہے۔ اس نے یہ بھی فرمایا۔ کہ وہ حضرت عائشہ کے صبر کی جزا اور اجر بھی عطا فرمائے گا۔ تو اس میں آپ کے حق میں ایک خبر یہ تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا۔ کہ کچھ لوگ زمانہ آئے گا۔ کہ مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کی گستاخیاں کریں گے۔

لہٰذا اس نے آپ کی طہارتِ ظاہرہ اور طہارت باطنہ کو واضح فرما دیا۔ اور تا قیامت گستاخانِ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے منہ پر مہر لگا دی۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف بات کرنا بھی اللہ کے نزدیک جرم عظیم ہے

النور:-

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّ تَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّ هُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ۔

(پ ۱۸ - ع ۸)

ترجمہ: جب تم اس (تہمت) کو ایک دوسرے کی زبان سے نقل کرتے تھے اور اپنے منہ سے وہ کچھ بکتے تھے۔ جس کا تم کو علم نہیں ہے۔ اور اس کو خفیف سی بات سمجھتے تھے۔ حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بڑی بات تھی۔

(ترجمہ مقبول احمد شیعہ)

اس آیت کریمہ سے یہ بات بالکل نکھر کر سامنے آگئی ہے۔ کہ جو لوگ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان میں گستاخی کو معمولی تصور کرتے ہیں۔ اور اسے کوئی اہم بات نہیں سمجھتے وہ سخت دھوکے میں ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے ایک بہت بڑا جرم فرمایا ہے۔ جب اللہ کے ہاں یہ ایک سنگین جرم ہے۔ تو لامحالہ اُسے اللہ تعالیٰ سے سزا بھی ملے گی۔ اسی مضمون کو علامہ کاشانی کی زبانی ملاحظہ فرمائیے:۔

ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ کے نزدیک

مقام سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا

تفسیر منہج الصادقین:۔

(وھو) وحال آنکہ ایں سخن (عند اللہ) نزدیک خدا (عظیم) بزرگ است وعقوبت بسیار بر آں مرتب چہ آں سخن موجب الحاق عار است باصل نبوت واستخفاف بمنصب رسالت (ص) حاصل آیہ آنست کہ شما ارتکاب سہ اثم کردہ اید کہ مس عذاب عظیم باں معلق است۔ یکے تلقی افک بالسنہ دوم تحدث باں بدون تحقیق سیم استصغار چیزے کہ حکم الٰہی تعلق گرفتہ بعظم وکبر آں۔ ودر بعضے از تفاسیر مذکور است۔ کہ ام ایوب زوجہ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بار گفت کہ سخنے کہ مرد ماں درحق عائشہ میگویند۔ شنیدہ۔ جواب داد شنیدہ ام اما افترٰی و دروغ و بہتان عظیم است۔ تو نسبت بمن ایں فعل را تجویز می کنی ام ایوب، گفت لا واللہ، ابوایوب گفت واللہ عائشہ بہتر از تو است پس

نسبت بہ پیغمبر ایں عمل چگونہ روا دارد۔

(تفسیر منہج الصادقین جلد ۶ ص۲۶۳ مطبوعہ تہران)

ترجمہ: حالت یہ ہے کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی ہے۔ اور ایک بڑا عذاب اس پر مترتب ہے۔ کیونکہ یہ ایک ایسی بات ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ محترمہ کو عار دلانے والی ہے۔ اور منصب نبوت کو عار لاحق کرنے والی ہے اس آیت کریمہ کا حاصل اور نتیجہ یہ ہے کہ اس بات کے کہنے سے تم نے تین وہ گناہ کیئے۔ جن کی سزا عذاب عظیم قرار پائی۔ اول یہ کہ واقعہ افک کو ادھر اُدھر تم کہتے پھرے۔ اس کی اشاعت کی۔ دوسرا گناہ یہ کہ بغیر تحقیق کیے اس کی اشاعت کی۔ تیسرا گناہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے جس کو عظیم اور بہت بڑا کہا۔ اُسے تم نے کوئی اہمیت نہ دی۔ بلکہ غیر معتبر گردانا۔

بعض تفسیروں میں مذکور ہے۔ کہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی زوجہ ام ایوب نے اِن (ابو ایوب) سے کہا۔ کیا آپ نے وہ باتیں سُنیں۔ جو لوگ حضرت عائشہ کے بارے میں کرتے ہیں؟ جواب دیا۔ ہاں میں نے سُنی ہیں۔ بہر حال وہ باتیں ایک بہت بڑا جھوٹ افتراء اور بہتان ہیں۔ کیا تو میری طرف ان باتوں کی نسبت کرتی ہے؟ ام ایوب نے کہا۔ خدا کی قسم ہرگز نہیں۔

ابو ایوب نے کہا۔ خدا کی قسم! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تجھ سے کہیں اچھی ہیں۔ تو اس فعل کی نسبت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف کیوں کر جائز ہو سکتی ہے۔؟

آیت مذکورہ اور اس کی شیعہ تفسیر سے درج ذیل امور ثابت ہوئے۔

۱۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں معمولی سی عیب جوئی، اللہ کے ہاں ایک جرم عظیم ہے۔

۲۔ جیسا جرم ویسی سزا۔ یعنی ام المومنین رضی اللہ عنہا کے گستاخوں کو اللہ تعالٰی سخت عذاب دے گا۔ سخت سزا تو قیامت کو ہو گی۔ اس لیے ان لوگوں کا مقام " ہاویہ" سے کم نہ ہو گا۔

۳۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا گستاخ دراصل منصب رسالت کا بدخواہ ہے۔ اور گستاخِ رسالت ہے۔

۴۔ اہل سے مراد بیوی بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ شیعہ مفسر نے " اہل نبوت " سے مراد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ذات لی ہے۔

اہلِ انصاف: شیعہ لوگوں کو ان آیات کریمہ اور خود اپنے مفسرین کی تفسیر سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ اور سیدہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے دربار میں گستاخیوں اور بے ہودگیوں سے سچی توبہ کر لینی چاہیئے۔ ان کی ذات پر زبان درازی سے رک جانا چاہیئے۔ ورنہ اللہ تعالٰی کا غضب ایسے لوگوں کی تاک میں ہے۔ اور انجام عذاب عظیم۔

اللہ کے نزدیک سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گستاخ، دنیا و آخرت میں ملعون ہیں۔ بمطابق شیعہ تفاسیر

النور، ۱۸

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ۔

(پ ۱۸ ۔ ع ۹)

ترجمہ: بالتحقیق جو لوگ، پاک دامن، بے خبر، اور ایماندار عورتوں پر عیب لگاتے ہیں۔ ان پر دنیا میں بھی لعنت کی گئی ہے۔ اور آخرت میں بھی۔ اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ جس دن ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور پاؤں ان کی کرتوتوں کے بارے میں ان کے برخلاف گواہی دیں گے۔ اسی دن اللہ تعالیٰ ان کا ٹھیک ٹھیک بدلہ ان کو پورا پورا دے گا۔ اور وہ یہ جان لیں گے۔ اللہ ہی تو حق صریح ہے۔ (ترجمہ مقبول احمد شیعہ)

آیات مذکورہ کی تفسیر ایک شیعہ مفسر علامہ کاشانی سے سماعت فرمائیے۔

مذکورہ آیت خصوصاً سیدہ عائشہ کے لیے ہے اور جمع کے الفاظ خدا نے آپ کی عظمت کے پیش نظر کہے ہیں۔

تفسیر منہج الصادقین :-

(ان الذین) بدرستیکہ آنانکہ (یرمون المحصنت) رمی میکنند زنانِ عفیفہ را (الغافلات) کہ بے خبر اند از آنچہ قذف میکنند ایشاں را بداں وسلیمۃ الصدور و نقیۃ القلوب اند از آں (المومنات) گرویدگاں بخدا و رسول مراد ازواج پیغمبر اند و در وسیط آوردہ کہ ایں مخصوص است بعائشہ است و جمعیت آں بجہت تعظیم وی است و توقیر او و در نظر آمدہ تا مثل ایں لفظ را با او اسناد نکنند۔ (لعنوا) دور کردہ شدہ اند (فی الدنیا) در دنیا از نام نیک (و الاخرۃ) و در آخرت از رحمت یعنی در ایں دنیا مطرود و مردود بندگان اند و در آں سرا ملعون و مبغوض رحمان یا در ایں سرا بعقوبت حد و جلد و رد شہادت مبتلا اند و در آں سرا بانواع عقوبت معذب۔ (ولهم) و مر ایشاں راست (عذاب عظیم) عذابے بزرگ بجہت عظم ذنب ایشاں ' آیات مواعید تفتیش شائد ہیچ آیتے مثل آیات مذکورہ نخواہد یافت کہ در باب افک وارد شدہ چہ ایں آیات مشحون اند بوعید شدید و عتاب بلیغ و زجر عنیف و استعظام ارتکاب افک و استفظاع اقدام برآں بر طرق مختلفہ و اسالیب متفننہ کہ ہر یک از آں کافیست در باب زجر و وعید مع ذالک تند فرا ملعونِ دنیا و آخرت

گردانیدہ وبعذاب عظیم وعقاب جحیم توعد فرمودہ۔

(۱) تفسیر منہج الصادقین جلد ششم ص ۲۶۷-۲۶۸

مطبوعہ تہران)

(۲) ناسخ التواریخ تاریخ خلفاء جلد ۱ ص ۱۳۵

طبع جدید تہران)

ترجمہ: یقیناً جو لوگ پاکدامن عورتوں کو زنا کی تہمت لگاتے ہیں۔ جو کہ اپنے اوپر لگائی گئی تہمت سے بالکل انجان ہیں۔ ان کے دل پاک اور ان کے سینے ستھرے ہیں۔ جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر یقین رکھنے والی ہیں۔ اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ہیں۔ وسیط میں ذکر کیا گیا ہے۔ کہ یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مخصوص ہے ان کے لیے جمع کے صیغے بایں وجہ لائے گئے کہ مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا ایک باعظمت شخصیت ہیں۔ اور امت کی نظر میں آپ صاحب وقار ہیں۔ ان تہمت لگانے والوں پر دنیا میں نیک نامی سے دوری اور آخرت میں رحمت الٰہی سے مہجوری ہے۔ یعنی اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ان بندوں میں سے ہیں۔ جو مردود ہیں۔ اور اس کی نظر عنایت سے دور ہیں۔ اور آخرت میں لعنتی اور اللہ تعالیٰ کے غضب کا نشانہ ہوں گے۔ یا اس دنیا میں دنیوی سزا، کوڑے کھانا اور مردود الشہادت ہوتے میں مبتلا ہیں۔ اور اُس دنیا میں مختلف عذاب میں گرفتار۔ اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ کیونکہ ان کا گناہ بھی کوئی معمولی نہ تھا۔

خوف دلانے میں کوئی آیت مذکورہ آیات کی مثل نہیں ہے۔ کیونکہ ان آیات میں

وعید شدید، بہت بڑی سزا، انتہائی ڈانٹ موجود ہے۔ اور واقعہ افک کے ارتکاب کی برائی اور اس اقدام کی تحقیق، مختلف طریقوں اور انوکھے اسلوب سے کافی ہے۔ کہ ان میں سے ہر ایک زجر و توبیخ کے بارے میں مکمل ہے۔ لیکن اس کے باوجود تہمت لگانے والوں کو دنیا اور آخرت میں ملعون قرار دیا گیا ہے۔ اور بہت بڑے عذاب اور جہنم کی سزا کی ڈانٹ پلائی گئی۔ اور اس کا وعدہ دیا گیا ہے۔

مذکورہ آیات اور اُن کی شیعہ تفسیر سے چند امور ثابت ہوئے

۱۔ یہ آیت اگرچہ الفاظ کے اعتبار سے عام ہے۔ اور حکم بھی اس کا عام ہے۔ لیکن شان نزول کے اعتبار سے خاص ہے۔ یعنی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں خاص طور پر نازل ہوئی ہے۔

۲۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سلیمۃ الصدر اور نقیۃ القلب ہیں۔ یعنی آپ کا سینۂ اقدس ہر آلائش سے پاک ہے۔ اور قلب انور پرہیزگاری اور تقویٰ کی وجہ سے انتہائی پاکیزہ ہے۔

۳۔ محصنات اور مومنات وغیرہ اگرچہ جمع مونث کے صیغے ہیں۔ اور ان کی مخاطب "بہت سی عورتیں" ہونی چاہئیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ کی قدر و منزلت اور رامت کے ہاں ان کی عظمت و توقیر کے پیش نظر جمع کے صیغوں سے آپ کو نوازا۔

۴۔ مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بدگمانیاں اور بدزبانیاں کرنے والوں پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔ دنیا میں لعنت

اس طرح کہ وہ لوگ بدنام ہو جاتے ہیں۔ یا انہیں کسی دنیوی سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور اُخروی لعنت عذاب جہنم کی شکل میں رونما ہوگی۔

۵۔ ام المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مخالفین اور آپ کے بارے میں زبان طعن دراز کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل وعیدیں سنائی ہیں۔

۱۔ وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَہٗ مِنْھُمْ لَہٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ۔	بہتان عظیم کی سزا بھی عذاب عظیم ہے
۲۔ ھٰذَا اِفْکٌ مُّبِیْنٌ	بہت بڑا بہتان ہے۔
۳۔ اُولٰٓئِکَ عِنْدَ اللّٰہِ ھُمُ الْکَاذِبُوْنَ۔	اللہ کے ہاں قاذفین جھوٹے ہیں
۴۔ لَمَسَّکُمْ فِیْمَآ اَفَضْتُمْ فِیْہِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ۔	سادہ لوح مسلمانوں کی توبہ قبول نہ ہوتی۔ تو سب کو عذاب عظیم ہوتا
۵۔ تَحْسَبُوْنَہٗ ھَیِّنًا وَّھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ عَظِیْمٌ۔	اللہ کے ہاں یہ غیر معمولی بات ہے۔
۶۔ سُبْحَانَکَ ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ	بہتان کو سن کر تم نے اسے بہتان عظیم کیوں نہ کہا۔
۷۔ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ	بہتان لگانے والے دنیا و آخرت میں ملعون۔
۸۔ اَلْخَبِیْثَاتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثَاتِ۔	بہتان طراز خبیث ہیں۔

۶۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر الزام تراشی کرنے والوں کے ہاتھ پاؤں کل قیامت کو ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ یعنی زبان اگر انکار بھی کر دے گی۔

تو پھر دیگر اعضاء اقرارِ جرم کروائیں گے۔

۷۔ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عظمت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے آپکے بدخواہوں کو مختلف وعیدیں سنائیں۔ اور مختلف انداز سے ڈانٹ ڈپٹ پلائی۔ ورنہ ان وعیدات میں سے ہر ایک ان کے لیے بطور سزا کافی تھی۔ (علامہ کاشانی) اس شیعہ مفسر نے فیصلہ کر دیا۔ کہ حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بدزبانی اور بدگمانی کرنے والوں کا انجام عبرت ناک ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نافرمانوں کو جتنی وعیدیں سنائیں۔ تقریباً وہ ساری وعیدیں گستاخان عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو سنا دیں۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی کا خود اللہ گواہ ہے۔ لہٰذا آپ کے گستاخ کی توبہ قبول نہیں۔

منہج الصادقین:-

ومثل ایں راد روعید مشرکان وکافران وعبدۂ اوشان ذکر نہ کردہ بلکہ وعید ایشان مادون است در فظاعت۔ وایں جہت مبالغہ وتعظیم امر افک است وتنزیہ عائشہ ازآں بہر وجہ ابلغ چہ غرض از فرط مبالغہ دریں باب اظہار علو منزلت حضرت رسالت (صلی) وتنبیہ بر اناقہ محل سیدہ لد آدم وہر کہ خواہد کہ متحقق شود براو عظم شان حضرت خاتمیت علیہ الصلوۃ والتحیۃ وتقدم قدم او راز احراز قصب سبق او بنسبت انبیائے سابق باید در آیات

افک تامل کند۔ کہ او سبحانہ بچہ درجہ غضب فرمودہ بر اہل افک بحرم محترم آں حضرت و مبالغہ نمودہ در نفی تہمت از جناب او وجہت اینست کہ ابن عباس را روز عرفہ از ایں آیات سوال کردند۔ فرمود کہ من اَذْنَبَ ذَنْبًا ثُمَّ تَابَ مِنْہُ قُبِلَتْ تَوْبَتُہٗ اِلَّا مَنْ خَاضَ فِیْ اَمْرِ عَائِشَۃَ یعنی ہر گاہ کسی گناہے کند و از آں توبہ نماید او مقبول است مگر آں کسیکہ در امر عائشہ خوض کردہ و برا و افک کردہ بدانکہ حق تعالےٰ تبرئہ سہ کس نمودہ بسہ چیز یوسف را تبرئہ فرمود بلسان شاہد کرد وشہد شاہد من اہلہا۔ و تبرئہ مریم کردہ بانطاق ولد او کہ در دامن او گفت۔ انی عبد اللہ۔ و تبرئہ عائشہ کرد بایں آیات عظام بجہت تعظیم سید انام علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

(منہج الصادقین جلد ۶ ص ۲۶۸ ۔ زیر آیت ۔
یَوْمَئِذٍ یُّوَفِّیْہِمُ اللّٰہُ دِیْنَہُمُ الْحَقَّ الخ
سورۃ نور ۶۔۳ مطبوعہ تہران)

ترجمہ: واقعہ افک جیسی وعیدیں ، مشرکین اور کافروں اور بتوں کی پوجا کرنے والوں کے لیے بھی نہ ذکر کی گئیں۔ بلکہ وہ ان سے ذلت میں کم ہیں اس کی وجہ معاملہ افک کی تعظیم اور اس کی اہمیت ہے۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ہر ممکن مبالغہ سے اس الزام سے بری الذمہ قرار دینا مقصود تھا۔ کیونکہ اس مبالغہ کی زیادتی میں مرتبہ رسالت کے علو کا اظہار تھا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ اولاد آدم کے سردار ہیں۔ ان کی رفعت ومنزلت کی خاطر تھا۔ جو شخص یہ چاہتا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کو سمجھوں۔ اور یہ جانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تمام انبیائے سابقین سے افضل واعلیٰ ہے۔

تو اسے ان آیات بہتان کو دیکھنا چاہیے۔ جو قرآن پاک میں مذکور ہیں۔ اس واقعہ افک میں اللہ تعالیٰ نے کس قدر ان لوگوں پر غصہ فرمایا۔ جو اس میں ملوث تھے۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس واقعہ کی برأت بطور مبالغہ اس لیے فرمائی۔ کہ اس کا تعلق حضور کی ذات اقدس سے تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے لوگوں نے ۹ ذی الحجہ کو پوچھا۔ کہ ان آیات افک کے کیا معنی ہیں۔ فرمایا۔ جس نے کوئی گناہ کیا۔ پھر اس سے توبہ کر لی۔ اس کی توبہ مقبول ہے۔ لیکن جو شخص حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں غور و خوض کرتا ہے۔ اور واقعہ افک کو سچا جانتا ہے۔ اس کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوگی۔

معلوم ہونا چاہیے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تین آدمیوں کو تین چیزوں کے ذریعہ برأت عطا فرمائی۔ اول حضرت یوسف علیہ السلام کہ آپ کی بریت ایک بچے کی گواہی سے ہوئی۔ اور فرمایا۔ شھد شاھد من اھلھا۔ زلیخا کے گھر والوں میں سے ایک بچہ نے زلیخا کے خلاف گواہی دے کر حضرت یوسف کی بریت کر دی۔ دوم حضرت مریم علیہا السلام کی بریت اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کی زبان سے کرائی۔ جب کہ آپ صرف دو دن کے تھے۔

سوم۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بریت (کسی بچے کے ذریعہ نہیں بلکہ) اللہ تعالیٰ نے خود اٹھارہ آیات قرآن اتار کر فرمائی۔ اس کی وجہ صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم تھی۔

ؔ

علامہ کاشانی شیعہ کی تفسیر سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے

۱۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گستاخ اور بدخواہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشرکین اور کافروں سے بھی بدتر ہیں۔

۲۔ ہر گناہ کے بعد توبہ کرنے والے کو معافی مل سکتی ہے۔ مگر ام المومنین رضی اللہ عنہا کے گستاخ کی توبہ قطعاً مقبول نہیں ہوتی۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے حضور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ قدر و منزلت بوجہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس واقعہ افک سے قبل دو واقعہ ایسے ہوئے۔ جن کی برأت اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ بچوں کی شہادت سے فرمائی۔ لیکن اس برأت کا اندازہ فرمایئے خود اللہ تعالیٰ نے مسلسل اٹھارہ آیات نازل فرما کر خود آپؓ کی بریت فرمائی۔ تو یہ بھی اسی نسبت کی وجہ سے ہے۔ جو آپ صاحبہ رضی اللہ عنہا کو زوجۂ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہونے کا شرف حاصل ہے۔

قارئین کرام! مقام غور ہے۔ جس شخصیت کی پاکدامنی اللہ علام الغیوب، علیم بذات الصدور نے اٹھارہ آیات نازل فرما کر ثابت کی۔ اس شخصیت کے بارے میں بدگمانی اور دریدہ دہنی، اپنی آخرت کے برباد کرنے کے سوا اور کیا رنگ لائے گی۔ اور بروز حشر ایسے اشخاص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کون سا منہ دکھانے کے قابل ہوں گے۔ کہ شفاعت کی امید رکھ سکیں۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

انتہائی طہارت و پاکیزگی مردوں میں رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) اور عورتوں میں سیدہ عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) کو حاصل ہے

النور:۔

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ

(پ ۱۸ سورہ نور ع ۳)

ترجمہ: خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے، خبیث مرد خبیث عورتوں کے لیے اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لیے اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لیے ہیں۔ یہ (پاکیزہ مرد اور عورتیں) ان الزامات سے پاک و مبرا ہیں۔ جو لوگ ان کے بارے میں کہتے ہیں۔ ان کے لیے مغفرت اور عزت والی روزی ہے۔

یہ آیت کریمہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس سے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طہارت و پاکیزگی بیان ہوئی۔ اسی طرح بے مثل اور کامل پاکیزگی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بھی یہ آیت بیان کرتی ہے۔ گویا جمع کا صیغہ ذکر فرما کر اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بھی واضح فرما دیا۔ کہ میرے محبوب چونکہ طیب و طاہر

ہیں۔ اس لیے ان کی تمام ازواج بھی طیبات و طاہرات ہی ہیں۔ ازواج مطہرات کی طہارت اور پاکیزگی کی کتنی واضح دلیل ہے۔

اسی آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ خاص کر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جس طرح نزول آیت کے وقت طہارت و پاکیزگی کا کامل نمونہ تھیں۔ اسی طرح اللہ کے نزدیک وہ بروز حشر بھی مرحومہ اور مغفورۃ ہیں۔ اور جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں انہیں رزق کریم عطا ہوگا۔

خود شیعہ مفسر سے اس کی وضاحت سنیئے۔

منہج الصادقین:۔

(اولئك) آں گروہ یعنی اہل بیت یا حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم وعائشہ وصفوان (مبرؤن) بیزار کردہ شدگانند یعنی منزہ و مبرا اند مما یقولون) ازآنچہ میگویند از باب افک چہ منصب رسالت (ملی) ازآں عالی تراست کہ ذیلِ عصمتِ زوجاتِ طاہراتِ او بلوث چنیں شنیعتے آلودہ گردد۔ وصفوان مرد پاکیزہ است۔ واز اولیاء صحابہ او نیز ازیں تہمت بری است و فرا گفتہ کہ اسم اشارہ راجع بعائشہ و صفوان است۔ (لھم مغفرۃ) مر ایشاں راست آمرزش از خدائی (ورزق کریم) و روزی نیکو یعنی بیرنج و بسیار و پائدار مراد نعمت بہشت است۔

(منہج الصادقین جلد ۶ ص ۲۶۹ مطبوعہ تہران)

ترجمہ: وہ اہل بیت کا گروہ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عائشہ اور حضرت صفوان رضی اللہ عنہم تینوں منزا اور مبرا ہیں۔ اُن الزامات سے جو واقعہ افک کے بارے میں لوگ ان کے متعلق کہتے ہیں۔ اس لیے کہ منصب

رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے کہیں بلند و بالا ہے۔ کہ ان کی ازواج مطہرات کے دامن عصمت کو اس قسم کے شبہات سے آلودہ کیا جائے۔ اور صفوان رضی اللہ عنہ جو کہ اولیاء صحابہ میں سے ہیں۔ وہ بھی اس تہمت سے بری ہیں۔ فرآد نحوی نے کہا۔ کہ اسم اشارہ (اولئک) صرف حضرت عائشہ اور جناب صفوان کی طرف لوٹتا ہے۔ ان حضرات کے لیے اللہ کی طرف سے بخشش اور نیک روزی ہے۔ یعنی بے محنت، بہت زیادہ اور ہمیشہ کے لیے روزی ملے گی۔ جس سے مراد جنت کی نعمتیں ہیں۔

لمحۂ فکریہ:

شیعہ تفسیر سے آپ حضرات نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں واضح طور پر تین باتیں پڑھیں۔

اوّل: یہ کہ مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا پاکیزہ اور مبرا و منزہ ہیں۔

دوسری یہ کہ وہ مرحومہ و مغفورہ ہیں۔

تیسری یہ کہ وہ یقینی جنتی ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے یہ تین انعامات عطا ہوئے۔ اور جنت میں اس نے اپنی نعمتوں سے نوازنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے شیطان کا کوئی تعلق نہیں

(بزبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

قرب الاسناد:

عن جعفر بن محمد عن ابیہ عن جدہ علی ابن

الْحُسَيْنِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ لِعَائِشَةَ يَا عَائِشَةُ اَخَذَ اللّٰهُ شَيْطَانَكِ فَقَالَتْ وَ اَنْتَ اَخَذَ اللّٰهُ شَيْطَانَكَ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ لَا تَقُوْلِيْ هٰكَذَا فَاِنِّيْ سَاَلْتُ اللّٰهَ اَنْ يُّعِيْنَنِيْ عَلَيْهِ حَتّٰى اَسْلَمَ وَ اِسْمُهٗ اُبَيْصَرُ وَ هُوَ فِي الْجَنَّةِ وَ هَامَةُ بْنُ الْهَيْمِ بْنِ لَاقَيْسَ بْنِ اِبْلِيْسَ فِي الْجَنَّةِ ۔

(قرب الاسناد جلد دوم ص ۱۷۶ باب النورہ کتاب السیر والاداب مطبوعہ تہران طبع جدید)

مصنفہ ابو العباس عبد اللہ بن مصفر الحمیری القمی الشیعی

ترجمہ: (بحذف اسناد) حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اے عائشہ! اللہ نے تیرے شیطان کو ذلیل کر دیا۔ تو عرض کرنے لگیں۔ حضور! آپ کے شیطان کو بھی اللہ نے ذلیل کر دیا۔ فرمایا اے عائشہ! ایسے نہ کہو۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے اس کے خلاف مدد چاہی۔ اللہ نے میری مدد کی۔ اور وہ مسلمان ہو گیا ابیصر اس کا نام ہے۔ اور وہ جنتی ہو گا۔ اور ہامہ بن الہیم بن لاقیس بن ابلیس بھی جنتی ہو گا۔

لمحۂ فکریہ:۔

امت مسلمہ کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی تمام دعائیں قبول ہیں

ان دعاؤں میں سے آپ کی یہ دعا بھی ہے۔ جو آپ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمائی۔ ”اے عائشہ! اللہ تیرے شیطان کو ذلیل کرے،، تو آپ کی دعا قبول ہوئی۔ اور مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا شیطان کے اغوا اور گمراہ کرنے سے محفوظ ہو گئیں۔ اس دعائے پیغمبر کے بعد بھی اگر کوئی نامراد یہ کہے۔ کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت کی مخالفت کی۔ اس لیے وہ دائرہ اسلام سے (معاذ اللہ) خارج ہیں۔ تو ایسے شخص کا عقیدہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت کے فرمودات کے بالکل مخالف ہے۔

دیکھئے حدیث مذکورہ کی سند حضرت علی تک جو پہنچی۔ اس کے راویوں میں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ تک باپ سے بیٹا روایت کرتے ہیں۔ اور یہ تمام باپ بیٹے ائمہ اہل بیت ہیں۔ ایسے حضرات کی روایت کردہ حدیث کے مخالف عقیدہ رکھنا۔ ان کی مخالفت کے برابر ہے۔

پھر اس عقیدے کا دوسرا پہلو دیکھئے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور اہل بیت کی مخالفت کہ جس کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج ہو گا۔ وہ معمولی مخالفت نہ ہو گی۔ بلکہ اصول شریعت اور دین کی اہم باتوں میں مخالفت ہو گی۔ اتنی اہم مخالفت بجز شیطان کے توسط کے ناممکن ہے۔ یعنی ایسی مخالفت وہی کرے گا جس کی تائید شیطانی بھی ہو گی۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ کے شیطان کو ذلیل (تابع) کر دیا۔ تو وہ کس طرح گمراہی پر اکسا سکتا ہے جب وہ گمراہی پر نہ اکسائے گا۔ تو مخالفتِ شرع کیونکر ہو گی۔ اور جب مخالفت شرع نہ ہو گی۔ تو دائرہ اسلام سے نکلنا کیسا؟ لہذا معلوم ہوا۔ کہ مائی صاحبہ تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے مستجاب کی برکت سے ہمیشہ شریعت کی پابند رہیں۔ اور کل قیامت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ کی حیثیت [illegible] جنت میں

اعلیٰ مقام پائیں گی۔ لیکن یہ عقیدہ رکھنے والا انشاء اللہ (بلکہ یقیناً) جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبہ ہیں۔ اس کی ایک مثال

من لایحضرہ الفقیہ :-

وروی جمیل عن ابی عبد اللہ علیہ السلام اَنَّہٗ قَالَ لَا بَاْسَ اَنْ تُصَلِّیَ الْمَرْاَۃُ بِحَذَاءِ الرَّجُلِ وَھُوَ یُصَلِّیْ فَاِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّیْ وَعَائِشَۃُ مُضْطَجِعَۃٌ بَیْنَ یَدَیْہِ وَھِیَ حَائِضٌ وَکَانَ اِذَا اَرَادَ اَنْ یَّسْجُدَ غَمَزَ رِجْلَیْھَا فَرَفَعَتْ رِجْلَیْھَا حَتّٰی یَسْجُدَ۔

(۱) من لایحضرہ الفقیہ، جلد اول ص۸۰ باب مایصلی فیہ من الثیاب الخ مطبوعہ لکھنؤ طبع قدیم)

(۲) من لایحضرہ الفقیہ جلد اوّل ص۱۵۹ فی المواضع التی تجوز الصلوٰۃ الخ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ مرد نماز پڑھنے

والے کے بالمقابل اگر کوئی عورت نماز پڑھے۔ تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ (اس کے جواز کی دلیل یہ ہے۔ کہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات اس طرح نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کے سامنے لیٹی ہوتی تھیں۔ اور وہ ہوتی بھی حالت حیض میں تھیں۔ (ام المومنین رضی اللہ عنہا کے قدم مبارک اس جگہ ہوتے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سجدہ گاہ ہوتی) جب آپ سجدہ کرنا چاہتے۔ تو آپ، عائشہ صدیقہ کے پاؤں کو اپنے ہاتھ سے چھو کر ہٹانے کا اشارہ کرتے۔ وہ پاؤں سرکا لیتیں۔ پھر آپ سجدہ کر لیتے۔

سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی زبان اقدس سے ایک مسئلہ کی دلیل کے طور پر جو حدیث بیان ہوئی اُس سے اِس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ کہ حالاتِ مناجات میں بھی رسول اللہ علیہ وسلم کی سجدہ گاہ میں ام المومنین رضی اللہ عنہا آرام کر رہی ہوتیں۔ اور (آپ نے مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کو اس فعل سے منع نہ فرمایا۔ حالانکہ آپ ہی کا ارشاد ہے۔ کہ جس گھر میں جنبی یا تصویر وغیرہ ہو۔ وہاں رحمت کا فرشتہ داخل نہیں ہوتا۔ ادھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حالت حیض میں ہوتیں۔ پھر حضور منع فرمانے کی بجائے سجدہ کرتے وقت ہاتھوں سے اُن کے پاؤں کو دوسری طرف کرنے کا اشارہ کر کے سجدہ کر لیتے۔ اس سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عظمت کا اندازہ لگائیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حائض ہونے کے باوجود اور اپنی نماز کی حالت میں ہوتے ہوئے، ان کی جدائی گوارا نہیں فرماتے۔ کتنا پیار تھا۔ اور کتنی محبت تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے (صحاح ستہ کی حدیث کے مطابق) جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کا وقت عنقریب آ رہا تھا۔ اس سے چند دن پہلے آپ نے فرمایا۔ اَیْنَ غَدًا اَیْنَ غَدًا (میں کل کہاں

ہوں گا۔؟) آپ کی ازواج مطہرات سمجھ گئیں۔ کہ آپ، سیدہ عائشہ کے گھر تشریف لے جانا چاہتے ہیں۔ تو سب نے بالاتفاق عرض کی "فِیْ بَیْتِ عَائِشَۃَ"، یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سکون آیا۔ اور کچھ افاقہ معلوم ہوا۔ پھر آپ نے اپنی تمام ازواج مطہرات کے حق میں دعائیہ کلمات ارشاد فرمائے۔

صحیح حدیث میں ایک اور واقعہ ملاحظہ فرمایئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے کچھ دیر قبل صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبدالرحمٰن مسواک لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا "یہ مسواک مجھے نرم کر کے دو"، ام المومنین نے وہ مسواک لی۔ اور اپنے دانتوں سے چبا کر نرم کر دی۔ جب قابل استعمال ہو گئی۔ تو مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے اُسے دھونے کا ارادہ کیا۔ تاکہ اس میں لگا لعابِ دہن پانی سے دُھل کر صاف ہو جائے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا۔ کہ بغیر دھوئے اسی طرح مسواک لے آؤ۔ (گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ چاہتے تھے۔ کہ میری دنیا سے روانگی اس حال میں ہو۔ کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا لعابِ دہن میرے لعاب دہن سے خلط ہو جائے۔) اسی امتیازی محبت کی بنا پر ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب دوسری ازواج مطہرات میں بیٹھتیں۔ تو دوران گفتگو فخریہ انداز میں کہا کرتی تھیں۔ "یہ شرف مجھے ہی حاصل ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب دہن میرے لعاب دہن سے ملا ہے۔ کیا یہ باہمی قرب و محبت کی واضح دلیل نہیں ہے۔؟

قرب و محبت کی لازوال بات یہ ہے۔ کہ جب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری زندگی کا سورج پسِ پردہ جانے لگا۔ تو اس وقت آپ کا یہ حال تھا۔ "رَاسُہٗ بَیْنَ حَاقِنَتِیْ وَ ذَاقِنَتِیْ"، یعنی حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا سرِ انور میرے سینہ اور میری ٹھوڑی کے درمیان تھا۔ پھر آپ بوقتِ وصال یہ وصیت

فرما گئے ہیں جس جگہ میرا وصال ہو گا۔ وہیں مجھے دفن کرنا،، آپ چونکہ جانتے تھے۔ کہ میں اس وقت عائشہ صدیقہ کے حجرے میں ہوں۔ اور اس سے کہیں اور منتقل نہ ہوں گا لہذا اپنی محبوبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مقدسہ کو آپ وہ اعزاز واکرام عطا فرمانا چاہتے تھے۔ جو اعزاز واکرام کسی دوسرے مقام کو حاصل نہ ہوا ہو سبھی جانتے ہیں۔ کہ سرکار دو عالم نے حجرہ عائشہ میں وصال فرمایا۔ اور بمطابق وصیت آپ کو وہیں دفنایا گیا۔ اس طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ، مرجع خلائق بنا۔ کہ اس قطعہ زمین کا نہ عرش و کرسی ہم پایا ہو سکیں۔ اور نہ ہی لوح و قلم اس کی ہمسری کا دم بھریں۔

قارئین کرام! تمام اختلافی مسائل کو چھوڑ چھاڑ کر اسی بات کو مدنظر رکھیں۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مزار اقدس جس حجرہ کی زمین کو میسر آیا۔ وہ خوش قسمت حجرہ حضرت عائشہ کا حجرہ تھا۔ اگر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ کو بے پناہ محبت اور لازوال پیار نہ ہوتا۔ تو ظاہری زندگی کے آخری ایام اور بعد از وفات حجرۂ عائشہ کا انتخاب کیوں فرمایا؟ معلوم ہوا۔ کہ یہ تمام کڑیاں اس امر کی نشاندہی کرتی چلی جاتی ہیں۔ کہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا محبوبۂ محبوب رب العالمین ہیں۔ اور یہ بات شک و شبہ کی قطعاً متحمل نہیں۔

(ذالك فضل الله يوتيه من يشاء)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارگاہِ رسالت میں اعلیٰ مقام کی ایک اور جھلک

قرب الاسناد:۔

هَلُمَّ طَعَامَكِ يَا فَاطِمَةُ فَقَدَّمَتِ الْبُرْمَةَ

وَالْقُرْصَ فَغَطَّى الْقُرْصَ وَقَالَ اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ طَعَامِنَا ثُمَّ قَالَ اغْرِفِيْ لِعَائِشَةَ فَغَرَفْتُ ثُمَّ قَالَ اغْرِفِيْ لِاُمِّ سَلَمَةَ فَغَرَفْتُ فَمَا زَالَتْ تَغْرِفُ حَتّٰى وَجَّهَتْ اِلٰى نِسَائِهِ التِّسْعِ قُرْصَةً قُرْصَةً وَّ مَرَقًا ثُمَّ قَالَ اغْرِفِيْ لِاَبِيْكِ وَبَعْلِكِ ثُمَّ قَالَ اغْرِفِيْ وَكُلِيْ وَاَهْدِيْ لِجَارَاتِكِ فَفَعَلَتْ۔

(قرب الاسناد طبع قدیم (ایک جلد میں) ص ۱۸۵)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا۔ فاطمہ! کھانا لے آؤ۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پتھر کی ایک ہنڈیا اور کھانا لیے حاضر ہو گئیں۔ کھانے کو ڈھانپ دیا گیا۔ اور آپ نے دعا مانگی۔ اے اللہ! ہمارے کھانے میں ہمیں برکت عطا فرما۔ پھر فرمایا۔ بیٹی! عائشہ کے لیے (روٹی کا) ایک ٹکڑا توڑ دو۔ میں نے توڑا۔ پھر فرمایا۔ ام سلمہ کے لیے ایک ٹکڑا توڑ دو۔ میں نے توڑا۔ میں آپ کے ارشاد کے مطابق ٹکڑے توڑتی رہی۔ اور آپ کی ۹ ازواج مطہرات کو ایک ایک ٹکڑا اور تھوڑا تھوڑا سالن دے دیا۔ پھر فرمایا۔ اپنے بیٹے اور اپنے خاوند کے لیے بھی ٹکڑے کاٹو۔ پھر فرمایا۔ اب ایک ٹکڑا لے کر خود بھی کھاؤ۔ اور بقیہ اپنی ہمسایوں کو بھی دے دینا۔ میں نے ایسے ہی کیا۔

اس حدیث پاک سے سیدہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مقام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سے محبت کی ایک پرکیف جھلک نظر آتی ہے۔ روٹی سالن ان مبارک ہاتھوں نے پکایا۔ جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جگر کا ٹکڑا فرمائیں جو

سرداران جنت کی والدہ، مولائے کائنات کی زوجہ مطہرہ ہیں۔ پھر اس کھانے پر دعا فرمائیں رحمۃ العالمین، محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم۔ ایسا کھانا اور ایسے کھانے والے فرشتوں نے بھی کہیں نہ دیکھے ہوں گے۔ پھر روٹی تقسیم فرمانے والی بھی۔ خاتون جنت سیدہ طاہرہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی ہوں۔ ایسی بابرکت روٹی جس کسی نے بھی کھائی۔ اس کے سینہ میں نور ایمانی ٹھاٹھیں مارتا ہوگا۔ اس واقعہ کو دیکھ کر ہر شخص یہ کہہ اٹھتا ہے۔ کہ واقعی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مقام ایک عجیب مقام تھا۔ اور ان کا بارگاہ رسالت میں محبوبیت کا ایک انفرادی مقام تھا۔ اس حدیث پاک سے یہ بھی واضح ہوگیا۔ کہ جن لوگوں نے یہ مشہور کر رکھا ہے۔ کہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اور سیدہ عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے درمیان دشمنی اور عداوت تھی۔ محض من گھڑت اور جھوٹی داستانوں پر مبنی ہے۔ اس میں حقیقت کا شائبہ تک نہیں۔ بلکہ اس حدیث کی رو سے تو ان دونوں کے درمیان ماں بیٹی کا رشتہ نظر آتا ہے۔ جیسے بیٹی پہلے ہنڈیا پکاتی ہے پھر والدہ اور والد کو کھلاتی ہے اور ان کے کھا چکنے کے بعد خود کھاتی ہے بالکل اسی طرح سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کر رہی ہیں۔

نصیحتِ فاروق رضی اللہ عنہ اے حفصہ! عائشہ تو محبوبۂ رسول خدا ہے اس کی ہمسر نہ بنو

بحار الانوار:۔

فَقَالَتْ اِنَّ نِسَاءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ يُرَاجِعْنَهٗ وَهُوَ خَيْرٌ مِّنْكَ فَقُلْتُ: خَابَتْ حَفْصَةُ وَخَسِرَتْ، ثُمَّ اَتَيْتُ حَفْصَةَ وَسَاَلْتُهَا فَقَالَتْ: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ قَدْ يَظِلُّ عَلٰى بَعْضِ نِسَائِهٖ طُوْلَ نَهَارِهٖ غَضْبَانًا، فَقُلْتُ: لَا تَغْتَرِّيْ بِابْنَةِ اَبِيْ قُحَافَةَ، فَاِنَّهَا حَبِيْبَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ يَحْمِلُ مِنْهَا مَا لَا يَحْمِلُ مِنْكِ۔

(۱) (بحار الانوار مطبوعہ جدید تہران صفحہ ۳۸۵ جلد ۱۶)

(۲) ناسخ التواریخ زندگانی رسول خدا ص ۱۶۸ جلد ۳ باب وقائع سال نہم)

ترجمہ:۔ عمر فاروق کہتے ہیں کہ مجھ سے میری بیوی نے جھگڑا کیا جو مجھے ناگوار گزرا جس پر بیوی نے کہا) نبی علیہ السلام کی بیویاں بھی تو آپ سے تکرار کرتی ہیں حالانکہ نبی کریم تم سے بہتر ہیں تو میں نے کہا حفصہ رضی اللہ عنہا نامراد ہو گئی تو

میں حفصہؓ کے پاس آیا اور حقیقت پوچھی تو اس نے جواب دیا بسا اوقات نبی کریم علیہ السلام سارا دن بعض ازواج سے ناراض رہتے ہیں تو۔ میں نے کہا اے حفصہ! عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہمسری مت کرنا وہ تو نبی کریم کی محبوبہ ہے جو بات اس کی آپ برداشت کرتے ہیں تیری نہیں کریں گے

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم رحلت سے چند دن قبل تمام ازواج مطہرات سے باصرار اجازت لے کر نہایت تکلیف کے ساتھ بھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں مستقل تشریف لے آئے۔

ناسخ التواریخ :۔

بالجملہ از آنجا بخانہ میمونہ مراجعت فرمود مرض فزونی گرفت و زنان پیغمبر در آنجا انجمن شدند و آنحضرت پیغمبر ہمی فرمود این انا غدا این انا غدا یعنی فردا کجا خواہم بود و این سخن را مکرر ہمی فرمود زنان دانستند کہ خواستار است در مرض در خانہ عائشہ باشد [illegible] و ہم بدان [illegible] پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ [illegible] نوبت کردن [illegible] عائشہ باشم و بخانہ [illegible]

بازناں فرمود کہ بر پیغمبر مشکل است تا ہر شب در خانہ روز کند ایشان تجانہ عائشہ رضا دادند و رسول خدا ئے از خانہ میمونہ بیرون شد یکدست بر دوش علی علیہ السلام و دست دیگر بر دوش عباس یا فضل بن عباس داشت و پائے مبارک را بر زمین میکشید و بدینگونہ تا خانۂ عائشہ آمد۔

(ناسخ التواریخ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ جلد ۴ ص ۱۱۷ وقائع سال یازدہم ہجرت مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:۔ الغرض اس جگہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر واپس تشریف لائے۔ اور مرض اور بڑھ گیا آپ کی ازواج مطہرات آپ کے پاس جمع ہو گئیں۔ آپ نے فرمایا "میں کل کہاں ہوں گا"، اور ان الفاظ کو تکرار سے فرمایا اور چاہا کہ ایام مرض میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر رہیں۔ ازواج مطہرات اس بات کو سمجھ گئیں اور اس پر رضامند ہو گئیں۔

ایک اور روایت کے مطابق حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایام مرض میں باری کا خیال رکھنا اور ہر شب ایک ایک گھر میں صبح کرنا دشوار ہو گا۔ اگر تم چاہو تو میں سیدہ عائشہ کے گھر ہی رہوں۔ تم سب وہاں میری عیادت کرو۔ یہ بھی روایت ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ازواج مطہرات سے عرض کی کہ ہر شب علیحدہ گھر میں گزارنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے مشکل ہے۔ تو وہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر ہی قیام فرما رہنے پر راضی ہو گئیں۔ اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے نکلے، ایک ہاتھ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے کندھے پر رکھا اور دوسرا حضرت عباس یا فضل ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کندھے پر رکھا۔ پاؤں مبارک زمین پر لٹکتے تھے۔ اور اس حالت میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بدولت آیتِ تیمم نازل ہوئی

ناسخ التواریخ:۔

روایت ہے کہ اس سفر میں جب راستہ مدینہ منورہ کے قریب کا آیا۔ اور مقام سلصل میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہو گیا۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہار تلاش کرنے کی غرض سے قیام فرمایا۔ اس جگہ پانی کم دستیاب تھا۔ لشکریوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سیدہ عائشہ مطہرہ رضی اللہ عنہا کی شکایت کی اور کہا کہ اس جگہ ہمیں پانی نہ ملے گا اور ہماری نماز قضا ہو جائے گی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے۔ جس وقت کہ ان کی گود میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا سر اقدس تھا اور حضور عالم خواب میں تھے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غصے ہونے لگے۔ اور انگلیوں کی نوکیں نیزے کی طرح کر کے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پہلو پر مارنے لگے۔ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس اندیشہ سے کہ کہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام میں خلل نہ آئے اپنی جگہ سے نہ ہلیں۔

الغرض جب صبح ہوئی اور کسی کو وضو کے لیے پانی نہ ملا تو خدائے تعالیٰ نے آیتِ تیمم نازل فرمادی۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔ وان کنتم مرضیٰ او علیٰ سفر الخ .... یعنی اگر تم مریض یا مسافر

ہو یا تم میں سے کسی کو وضو و طہارت کی حاجت ہو یا عورتوں سے ہم بستری کی نوبت آگئی ہو۔ اور طہارت کے لیے تمہیں پانی نہ ملے تو تیمم کرو پاک زمین سے اور ہاتھوں اور منہ کا مسح کرو۔ بے شک خدا معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اس پر فرمایا۔ ما ھی باول برکتکم یا آل ابی بکر (اے آل ابی بکر مسلمانوں کو یہ رعایت و سہولت تمہاری کوئی پہلی برکت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس سے قبل کئی رعائتیں مل چکی ہیں)

(ناسخ التواریخ جلد دوم ص۸۸-۸۹ وقائع سال پنجم ہجرت مطبوعہ تہران طبع جدید)

نوٹ: ۔طوالت کے خوف سے صرف اردو ترجمہ پر اکتفا کیا ہے۔

شیعو انصاف کرو

جب تمہاری انتہائی معتبر کتب حدیث و تاریخ بتلا رہی ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی قدر و منزلت اللہ اور اس کے رسول کے ہاں انتہائی عظیم ہے۔ اللہ ان کے صدقے میں امت کو تا قیامت تیمم کی سہولت عطا فرماتا ہے۔ نبی کریم ان کی باتوں کو محبت کی خاطر برداشت کرتے ہیں بلکہ وصال سے قبل اصرار کے ساتھ تمام ازواج سے اجازت لے کر سیدہ عائشہ کے گھر میں مستقل طور پر جا گزیں ہوتے ہیں۔ اس حبیبۂ مصطفےٰ کو تم گالیاں دے کر عاقبت برباد کرتے ہو، آخر تمہاری بات سچی ہے یا اللہ اور اس کے رسول کی تم بہتر سمجھتے ہو یا خدا و مصطفےٰ؟

تمت بالخیر

فہرست مضامین تحفہ جعفریہ

حصّہ دوم

ماٰخذ و مراجع (شیعہ کتب) برائے تحفہ جعفریہ جلد دوم

نام کتب	تصنیف	طبع
تفاسیر شیعہ :-		
ترجمہ مقبول	مقبول احمد شیعہ	اسلام پورہ لاہور
تفسیر منہج الصادقین	ملا فتح علی کاشانی	تہران
تفسیر صافی	محمد بن مرتضیٰ المعروف فیض کاشانی	" طبع جدید
تفسیر مجمع البیان	ابو علی فضل بن حسن طبرسی	" " "
تفسیر قمی	ابو الحسن علی بن ابراہیم قمی	" طبع قدیم
تفسیر لوامع التنزیل	سید علی حیری رضوی لاہوری	لاہور " "
تفسیر امام حسن عسکری مترجم	امام حسن عسکری	
شیعہ کتب حدیث		
اصول کافی	محمد بن یعقوب کلینی رازی	تہران طبع جدید
فروع کافی	"	" " "
من لا یحضرہ الفقیہ	ابو جعفر شیخ محمد بن علی صدوق	" "
الاستبصار	شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی	" "
تہذیب الاحکام	"	" " "
علل الشرائع	شیخ صدوق	بیروت " "
نہج البلاغہ	سید ابو الحسن شریف محمد رضی	" " "
قرب الاسناد	ابو العباس عبداللہ بن جعفر حمیری قمی	تہران " "
کتاب خصال شیخ صدوق	شیخ محمد بن علی صدوق	" " "
بحار الانوار	ملاں باقر مجلسی	" " "

نام کتاب	تصنیف	طبع
شروح حدیث		
ابن میثم شرح نہج البلاغہ	کمال الدین میثم بن علی بن میثم	تہران طبع قدیم
نیرنگ فصاحت ترجمہ "	ذاکر حسین	دہلی " "
درہ نجفیہ شرح نہج البلاغہ	شیخ ابراہیم بن حاجی حسین	تہران " "
ابن ابی حدید "	ابو الحامد عبد الحمید	بیروت طبع جدید
صافی شرح اصول کافی	ملا خلیل قزوینی	نول کشور قدیم
فیض الاسلام شرح نہج البلاغہ	حاجی سید علی نقی المعروف فیض الاسلام	تہران طبع جدید
مراۃ العقول شرح اصول کافی	ملا باقر مجلسی	
کتب اسماء رجال شیعہ		
	رجال کشی	
رجال کشی	محمد بن عمر کشی	کربلا (اعلمی)
تنقیح المقال فی علم الرجال	شیخ عبد اللہ مامقانی	تہران طبع جدید
جامع الرواۃ	محمد بن اردبیلی	قم " "
رجال العلامۃ الحلی		
شیعہ کتب تاریخ وحالات آئمہ		
روضۃ الصفا	محمد بن خاوند شاہ	لکھنو طبع قدیم
فرق الشیعہ	ابو محمد بن موسیٰ نوبختی	نجف طبع جدید
ناسخ التواریخ	لسان الملک مرزا محمد تقی سپہر	تہران "
انوار نعمانیہ	سید نعمت اللہ جزائری	" " "
احتجاج طبرسی	شیخ ابو منصور احمد بن علی طبرسی	نجف قدیم وجدید
جامع الاخبار	ابو جعفر محمد علی بن حسین صدوق	تہران طبع جدید
حیات القلوب	ملا باقر مجلسی	لکھنو طبع قدیم
ارشاد شیخ مفید	محمد بن محمد بن نعمان	قم طبع جدید
مجالس المومنین	سید نور اللہ شوستری	تبریز
احقاق الحق	" " "	" " "

نام کتاب	تصنیف	طبع
کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ	ابوالحسن علی بن عیسیٰ	تبریز طبع جدید
حملہ حیدری	مرزا محمد رفیع مشہدی	تہران
تاریخ آئمہ	سید علی حیدر نقوی	لاہور
جلاء العیون	ملاں باقر مجلسی	تہران طبع جدید
تہذیب المتین فی تاریخ امیر المومنین	سید مظفر حسین سہارنپوری	دہلی
مناقب آل ابی طالب	محمد بن علی بن شہر آشوب	قم
منتہی الآمال	شیخ عباس قمی	تہران
مروج الذہب	ابوالحسن علی بن حسین مسعودی	بیروت
ذبح عظیم	سید اولاد حیدر بلگرامی	لاہور
الاخبار الطوال	احمد بن داؤد دینوری	بیروت
منتخب التواریخ	حاجی محمد ہاشم بن محمد علی خراسانی	تہران
التنبیہ والاشراف	ابوالحسن علی بن حسین مسعودی	مصر
الامالی والمجالس	ابوجعفر محمد بن حسن شیخ طوسی	قم
معانی الاخبار	ابوجعفر محمد بن علی شیخ صدوق	بیروت
ارشاد القلوب	شیخ ابی محمد حسین دیلمی	" "
امالی شیخ صدوق	محمد بن علی شیخ صدوق	قم طبع قدیم
حلیۃ الابرار	سید ہاشم حسین	قم طبع جدید
تاریخ یعقوبی	احمد بن ابی یعقوب	بیروت "
عمدۃ الطالب	سید جمال الدین احمد بن حسن	نجف
کتاب نسب قریش		
تحفۃ العوام	سید مظفر حسین	نولکشور طبع قدیم
الکنیٰ والالقاب	شیخ عباس قمی	تہران طبع جدید
جامع الاخبار		
اعلام الوریٰ	ابوعلی فضل بن حسن طبرسی	بیروت " "
عیون اخبار الرضا	محمد بن علی شیخ صدوق	تہران

تحفۂ جعفریہ کے متعلق دینی رسائل کے تبصرے

تحفۂ جعفریہ جلد اوّل

رضائے مصطفےٰ، گوجرانوالہ۔ محرم الحرام ۱۴۰۵ھ

یہ خوبصورت مجلد کتاب مناظرِ اہلِ سنت مولانا علامہ محمد علی صاحب کی فاضلانہ و محققانہ تالیف ہے۔ جس کی پہلی جلد منظرِ عام پر آئی۔ اور باقی تین جلدیں زیرِ طباعت ہیں۔ کتاب ہذا میں حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل پر شیعی دلائل کے شیعہ کتب سے مدلل جوابات کے علاوہ حضراتِ صحابہ کرامؓ بالخصوص خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے فضائل کا بیان ہے۔ صفحات ۵۱۲ ہدیہ ۵۰ روپے۔ ملنے کا پتہ۔ مکتبہ نوریہ حنفیہ جامعہ رسولیہ شیرازیہ بلال گنج لاہور۔

ہفت روزہ الاعتصام، لاہور۔ ۲۸ ستمبر ۱۹۸۴ء

"تحفۂ جعفریہ" ایک ایسی مفصل اور محققانہ کتاب ہے۔ جس کی سرِدست ایک جلد چھپ کر سامنے آئی ہے اور بقول مصنف باقی تین جلدیں بہت جلد منظرِ عام پر آ رہی ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی "خلافت بلافصل" ان مسائل میں سے ایک معرکۃ الآراء مسئلہ ہے جو صدیوں سے مابین سنی و شیعہ وجہ نزاع چلا آ رہا ہے۔ اس مسئلے نے ضمناً اور بہت

سے مسائل کو جنم دیا۔ جن میں خلفائے ثلاثہ کی خلافت پر اعتراضات ان کے ایمان کو ناقص اور باہم بغض و عناد رکھنے والے ثابت کرنے کی جسارت کی گئی ہے۔ علمائے اہل سنت نے اس موضوع پر ہر دور میں بیش بہا کتب تصنیف فرمائیں۔

زیر نظر کتاب تحفہ جعفریہ کی جلد اوّل میں اسی مرکزی مسئلے کو پوری تفصیل کے ساتھ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ تمام حوالہ جات معتبر کتب شیعہ سے ہی پیش کیے گئے ہیں۔ اور اس سلسلے میں اہل تشیع کے دلائل کا تحقیقی طور پر انہی کی کتب سے جواب اس کتاب کا خاص انداز ہے، جس سے اس کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

تحفہ جعفریہ جلد اوّل کے چند موضوع ملاحظہ ہوں۔

۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل کے جواز پر شیعہ دلائل اور ان کے جوابات از کتب شیعہ۔

۲۔ خلفائے ثلاثہ کی خلافت کے برحق ہونے پر قرآنی آیات در آئینہ تفاسیر مذہب شیعہ اور دیگر معتبر کتب شیعہ۔

۳۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے برضا و رغبت خلفائے ثلاثہ کی بیعت کی اور انہیں مشاورت سے نوازا۔

۴۔ صحابہ کرام رض کامل الایمان، جنتی اور باہم شیر و شکر تھے۔

۵۔ فضائل صحابہ کرام رض بالخصوص خلفائے ثلاثہ کے اجتماعی اجتماعی اور انفرادی فضائل۔

۶۔ ان کے علاوہ سینکڑوں مسائل پر بحث کی گئی ہے، جو اس کی فہرست میں مندرج ہیں۔ علماء و عوام کے لیے یکساں مفید ہے۔ ان اوصاف اور خوبیوں کے پیش نظر اس کا ہدیہ مناسب ہے کتابت عمدہ اور کاغذ بہترین استعمال کیا گیا ہے مصنف اس عظیم محنت پر لائق تحسین ہیں۔